خاندانی حالات

پہلے بزرگ کی ہندوستان آمد:

مولانا وصی احمد سورتی علیہ الرحمۃ کے خاندان کے پہلے بزرگ محمد ابراہیم عہد شاہجہانی میں عراق سے بذریعہ کشتی بندرگاہ سورت پہنچے۔ سورت ہندوستان کے صوبے گجرات کا ایک ضلع اور نامی گرامی شہر ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق یہ شہر کب وجود میں آیا اس کا پتا نہیں چلتا، البتہ ریکارڈ سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر عہد قدیم سے آباد ہے۔ پہلے اس شہر کا نام سورج پور یا سوریا پور تھا جو بعد میں تبدیل ہو کر سورت ہو گیا۔ ۱۱۹۴ء میں مسلمان سپہ سالار قطب الدین ایبک نے اسے فتح کیا۔

۱۳۴۷ء میں محمد تغلق نے اسے دوبارہ فتح کیا۔ ۱۳۷۳ء میں فیروز شاہ تغلق نے اس شہر کی آبادکاری کی جانب توجہ دی اور ایک قلعہ قائم کیا۔ جو آج بھی موجود ہے۔ مغل حکمران اکبر اعظم جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں اس شہر کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اور سورت نے تجارتی مرکز کا روپ دھار لیا۔ ۱۵۱۴ء میں ایک پرتگیزی سیاح ڈورا تھی باربروسا نے سورت کو ایک اہم بندرگاہ قرار دیا۔ جہاں مالابار اور دیگر علاقوں سے مسافر اور مال بردار جہاز آیا کرتے تھے۔ سولہویں صدی عیسوی میں پرتگیزی بلا شرکتِ غیرے سورت کی بندرگاہوں کے مالک تھے۔۔ لیکن ۱۶۶۴ء میں انگریزوں کو اقتدار حاصل ہوا جو برصغیر کی آزادی تک برقرار رہا۔ سورت کا رقبہ ۱۶۳۵ مربع میل ہے جبکہ اس کا ساحل ۸۰ میل کے

علاقے میں پھیلا ہوا ہے۔ (1)

بقیہ تاریخ مولانا ابراہیم کے ورودِ مسعود کا صحیح زمانہ معین کرنے کیلئے کوئی مصدقہ شہادت موجود نہیں البتہ بعض واقعات و روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مولانا محمد ابراہیم شاہجہاں بادشاہ کے عہد ۱۰۴۵ھ مطابق ۱۶۳۵ء میں عراق سے بغرض تجارت ہندوستان تشریف لائے۔ (2)

اس وقت ہندوستان کی سب سے بڑی بندرگاہ سورت مرجع علم و فن بنی ہوئی تھی۔ علماء و مشائخ کی ایک بہت بڑی تعداد عرب و عجم سے ترک مکانی کر کے یہاں سکونت پذیر تھی۔ مولانا محمد ابراہیم نے سورت پہنچنے پر شیخ المشائخ محمد فضل اللہ کا تذکرہ سنا جو یر کامل اور عارف بالصفا تھے۔ مولانا ابراہیم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی صحبت کو اپنی زندگی بنا لیا۔ مولانا محب اللہ سمرقندی سندھی برہان پوری بھی اس زمانہ میں شیخ محمد فضل اللہ کی خدمت میں موجود تھے۔ شاہجہاں بادشاہ اپنی شاہزادگی کے زمانہ میں شیخ محمد فضل اللہ کی زیارت کر چکا تھا۔ بعد میں عبدالرحیم خانخاناں کی تحریک پر جب مولانا محب علی سمرقندی برہان پوری ٹھٹھہ کی رہائش ترک کر کے وارد گجرات ہوئے تو شاہجہاں کو ان سے عقیدت ہو گئی اور وہ ان دونوں بزرگوں اور اولیائے عصر کی خانقاہوں میں بصد عقیدت حاضری دیتا

---

1 انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ ص: ۴۳۸، جلد ۲۱، مطبوعہ ۱۹۷۰ء

2 تذکرہ علماء اہلسنّت ص ۲۵۷ علامہ محمود احمد قادری کانپور ۱۳۹۱ھ

تھا(1)

شیخ محمد فضل اللہ کی خدمت میں حاضری کے دوران مولانا محدم ابار ہیم کے مراسم علماءاور مشائخ سے استوار ہوئے اور آپ کے علم و فضل میں اضافہ ہوا۔ مولانا محمد ابراہیم نے خانقانی زندگی اختیار کرنے سے کچھ قبل خان خاناں عبدالرحیم خان حاکم سورت کے یہاں بھی مختلف حیثیتوں میں خدمات انجام دی تھیں۔ لیکن شیخ محمد فضل اللہ کی صحبت میں آنے کے بعد آپ کا ملازمت سے دل اچاٹ ہو گیا۔ اور آپ نے خان خاناں کی ملازمت ترک کر کے سورت میں ہی کپڑے کی تجارت شروع کر دی۔ چونکہ آپ حنفی العقیدہ مسلمان تھے اور حضرت امام ابو حنیفہ بھی کپڑے کی تجارت فرماتے تھے۔ اسلئے یہ تجارت آپ کیلئے اطمینان کا باعث ہوئی اور آخر وقت تک آپ اور آپ کی اولاد اسی تجارت سے منسلک رہی مولانا محمد ابراہیم کے صاحبزادے مولانا محمد قاسم تھے جن کی شادی سورت سے ملحقہ آبادی راندیر کے ایک تاجر خاندان میں ہوئی تھی۔ اور آپ نے اپنے والد مولانا محمد ابار ہیم کی رحلت کے بعد راندیری ہی میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ مولان احمد قاسم نے اسلامی علوم کی تکمیل شیخ محمد فضل اللہ کی خانقاہ میں کی تھی لیکنھ حصول معاش کا ذریعہ علم کو نہیں بنایا۔ بلکہ تمام عمر کپڑے کی ہی تجارت کرتے رہے آپ کے صاحبزادے مولانا محمد طاہر نے شیخ محمد

---

1 محمد صالح کنبوہ ص ۹۰۷۔۹۲۷ (عمل صالح) شاہجہاں نامہ جلد دوئم اور سوئم۔ ترجمہ ڈاکٹر ناظر حسین زیدی مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور مئی ۱۹۷۴ء

بن عبدالرزاق حسنی اُچی سے اور مولانا خیر الدین محدث سورتی (1) سے تحصیل علم سورت میں کی۔ آخر عمر میں آپ نے تجارت کے ساتھ درس وتدریس کو بطور مشغلہ اختیار کیا۔ اور مولانا خیر الدین محدث سورتی کے ہی مدرسہ میں حدیث کی تعلیم دینے لگے۔ (2)

راندیر کا محل وقوع:

راندیر سورت کے سامنے بہنے والے دریائے تاپتی کے کنارے آباد قدیم شہر ہے اس شہر کی بڑی تاریخی اہمیت ہے۔ شہجہاں کے عہد مس اس کو خانخاناں عبدالرحیم نے فتح کیا تھااور شہزادہ اورنگزیب کو دکن کا جب تمام علاقہ عطا ہوا تو یہ شہر گلنگانہ کا صدر مقام تھا اس زمانہ میں اس شہر کو رانڈیر کہا جاتا تھا جیسا کہ محمد صالح کنبوہ نے اپنی کتاب عمل صالح (شاہجہاں نامہ) میں تحریر کیا ہے بعد میں اس شہر کا نام اپنی ثقالت اور تلفظ کے اتار چڑھاؤ کی

---

1 مولانا خیر الدین محدث سورتی دورِ آخر کے ان باکمال علماء میں سے تھے جو اپنے اسلاف کی سچی یادگار سمجھے جاتے تھے۔ آپ کے والد کا نام محمد زہاد بن حسن محمد زبیری تھا جن کا شجرہ نسب آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت زبیر بن عبدالمطلب سے ملتا تھا۔ مولانا خیر الدین نے مولانا عبدالغفور اور شیخ محمد بن عبدالرزاق حسنی اُچی سے علم حاصل کیا اور طریقہ نقشبندیہ میں شیخ نوراللہ اور پھر شیخ نصراللہ سے بیعت ہوئے۔ حرمین وشریفین کی زیارت وحج سے سرفراز ہوئے اور شیخ محمد حیات سندھی سے علم حدیث حاصل کیا۔ ۱۱۴۸ء میں سورت واپس آئے اور پھر تقریباً پچاس سال سورت میں درس حدیث دیا۔ مشہور زمانہ عالم الغوی ادیب مفسر شاعر صوفی علامہ سید مرتضی بلگرامی المتوفی ۱۲۵۰ھ (مدفون زبیر شام) حجاز کو جاتے ہوئے آپ کے مدرسے میں ٹھہرے تھے۔ اور آپ سے کسب فیض کیا تھا۔ مولانا خیر الدین محدث سورتی کو تصوف میں ''شہادالجوید'' ایک عمدہ کتاب ہے۔ آپ کا ۱۰ ارجب المرجب ۱۲۰۶ھ میں وصال ہوا۔ (ماخوذ تذکرہ علماء اہلسنت ۲۵۸ مصنفہ علامہ محمود احمد قادری مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ

2 مولانا حکیم قاری احمد کی یادداشتیں۔ مملوکہ ولی حیدر ذاکر

بناپر نانديرہوگيا جسے بعد ميں رانديرکہاجانے لگا۔ مولانا فرليع الدين مراد آبادی تلميذ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی جو ۱۲۰۱ھ ميں حجاز کو جاتے ہوئے سورت پہنچے تھے اپنے ''سفر نامہ حرمين'' ميں اس شہر کا قديم نام نانديرتحرير کياہے۔ رانديرکے قديم مقابر ميں ايک تابعی کی قبر بھی ہے ليکن اس قبر کی جگہ متعين نہيں۔ اس کے علاوہ رانديرميں کئی قديم مقابر ميں رانديرکی مسجد کے ب ارے مُں کہاجاتاہے کہ يہ تقريباًنو سو سال پہلے تعمير ہوئی تھی۔ مولانا رفيع الدين مراد آبادی نے لکھاہے کہ ۱۲۰۰ھ ميں رانديرکسی حدتک اجڑچکا تھا کيونکہ سورت تجاری اعتبار سے بڑی اہميت کا حامل ہوتا جارہا تھا۔ خصوصاًسورت ميں جہاز رانی کا بڑادوردورہ تھا۔ چين، فرنگ، عرب، ايران ہر جگہ کے افراد واشياء يہاں موجود تھيں۔ بارہويں صدی ہجری ميں عزت اسلام اور رونق مساجد جو سورت ميں ديکھی گئی وہ اس زمانہ ميں شايد تمام ہندوستان ميں نہ ہوگی۔ غالباًيہ برکات و مجاورات ہمسائيگی حرمين شريفين کی بناءپر سورت کو حاصل تھيں۔ اوراسی بناپر سورت کو ''باب مکہ'' کہاجانے لگا تھا۔ ان دنوں سورت ميں مولانا خيرالدين محدث سورتی مسندِ علم وفضل پر متمکن تھے۔ (1)

مولانا خيرالدين محدث سورتی کے حلقہ درس ميں مولانا رفيع الدين مراد آبادی نے بصد عقيدت شرکت کی اور سند حديث حاصل کی۔ مولانا مراد آبادی اپنے سفر نامہ ميں لکھتے ہيں کہ مولانا خيرالدين سورتی کی ذات بری متبرک اور مغتنمات روزگار سے ہے۔ اسلئے لوگوں کيلئے ان کا وجود باعث افتکار ہے۔ بہت سوں نے ان کی خدمت ميں علوم ظاہر و باطن

---

1 مولانا رفيع الدين مراد آبادی ص ۱۳، سفر نامہ حرمين مطبوعہ لکھنؤ۱۹۶۱ء

حاصل کئے ہیں۔ زائرین حرمین شریفین کیلئے ان کی ذات علای ملجا و ملاذ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قدت عزت عنائت فرمائی ہے کہ شریف مکہ اور تمام حکام دکن تعظیم و توقیر کے ساتھ ان کو خط لکھتے ہیں ان کے مراسلات کو احترام کے ساتھ وصول کرتے ہیں۔ اور اس کے باوجود مولانا پر تواضع وانکسار غالب ہے کہ بارہا دیکھا گیا کہ مہمانوں اور فقراء کیلئے کھانا خود لاتے ہیں۔ محتاجوں کی حاجت روائی کی سعیٔ بلیغ فرماتے ہیں اور بنفس نفیس پیادہ یا سواری پر اس شخص کے مکان تک تشریف لیجاتے ہیں جس کے ذریعہ سے کسی کی حاجت پوری کرنا ہوتی ہے۔ (1)

مولانا خیر الدین محدث سورتی کے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ مولوی محمد صالح مولوی نظام الدین اور آمنہ بیبی۔ مولانا محمد صالح المعروف قاضی میاں نے تمام علوم وفنون اپنے والد سے حاصل کئے وہ مجمع محاسن اخلاص و مکارم شمیم اور اپنے والد کے خلف الصدق تھے اپنے والد کی رحلت تک اپنے والد کے درس میں بطور سامع شریک رہے اور والد کے انتقال کے بعد خود اس سلسلے کو آگے بڑھایا۔ مولانا محمد صالح سورت کے امراء میں شمار ہوتے تھے کیونکہ زائرین حرمین شریفین کیلئے سورت سے جدہ تک آپ کی کشتیاں چلتی تھیں۔ رفیع الدین مراد آبادی کے ساتھ ۱۲۰۲ھ میں اپنی کشتی ''سفینۃ الرسول'' میں حج کو گئے۔ اور شیخ محمد حیات سندھی کے برادر زادہ شیخ محمد عابد سندھی کے درس میں شامل

---

1 مولانا رفیع الدین مراد آبادی ص ۱۴، سفر نامہ حرمین

ہوئے۔(1)

مولانا خیر الدین محدث سورتی کے دوسرے صاحبزادے مولانا نظام الدین درس وتدریس کے علاوہ جہاز رانی کو ذریعہ معاش رکھتے تھے۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد مولانا کے مدرسہ میں درس حدیث دینے لگے تھے۔ مولانا خیر الدین کی صاحبزادی آمنہ بیبی کی شادی سورت کے ایک عالم اور عامل مولانا ولی اللہ محدث سورتی کے خاندان میں ہوئی تھی۔ آمنہ بیبی کی لڑکی حلیمہ بیبی تھیں جن کا عقد مولانا محمد ابراہیم کے پوتے، مولانا محمد طاہر کے صاحبزادے مولانا محمد طیب سے ہوا تھا جنکے صاحبزادے مولانا وصی احمد سورتی تھے۔(2)

مولانا محمد طیب سورتی علیہ الرحمۃ:

مولانا محمد ابراہیم کی تین پشتیں سورت واندیر میں مقیم رہیں لیکن ان کی تفصیلات کسی قدر مفقود ہیں۔ صرف روائتوں اور حکایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس خاندان کے تمام افراد کپڑے کی تجارت اور درس وتدریس سے وابستہ تھے۔ خصوصاً راندیر میں اس خاندان کو اس کے نسبی علمی تبحر کی بناء پر قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ حضرت مولانا خیر الدین محدث سورتی علیہ الرحمۃ کی نواسی سے مولانا محمد طیب کا عقد بھی دراصل اسی فضل کا نتیجہ تھا۔ جو اس خاندان کو راندیر میں حاصل تھا۔ مولانا محمد طیب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا محمد طاہر

1 مولانا رفیع الدین مراد آبادی ص ١٦، سفر نامہ حرمین

2 مولانا قاری احمد پیلی بھیتی کی قلمی یادداشتیں

سے حاصل کی تھی۔ جبکہ حدیث مولانا خیر الدین محدث سورتی کے صاحبزادے مولانا محمد صالح المعروف قاضی میاں سے پڑھی تھی۔ مولانا طیب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی مذہبی تحریکات سے متاثر تھے۔ آپ نے سورت کے سنی بواہیر کے عام رواج کے مطابق کاروبار سنبھالنے سے قبل ہی فریضہ حج ادا کیا تھا۔ اور وہاں مکہ معظمہ میں علامہ سید زین العابدین کے درس حدیث میں شرکت کی تھی جو خواجہ ابو یوسف ہمدانی کی اولاد سے تھے۔ اور مکہ معظمہ میں درس حدیث دیتے تھے۔ مولانا محمد طیب کی علوم فقہ و حدیث پر بڑی گہری نظر تھی۔ امام ابو حنیفہ کے مسلک پر بڑی سختی کے ساتھ کاربند تھے۔ مزاج میں قدرے سختی تھی۔ بے خوف و خطر اظہار حق کرتے تھے۔ آپ نے سورت در اندیر میں مقیم بواہیر کے عقائد و اعتقادات کی بھی سختی کے ساتھ گرفت کی۔ اور تصور امامت کی نفی کرتے ہوئے تصور خلافت کو جائز و دست قرار دیا۔ مولانا محمد طیب نے اصلاح رسول کی جانب بھی توجہ دی اور سنی بوہروں میں جو بدعات شیعہ اسماعیلیہ بوہروں کی قرابت و صحبت کی بناء پر رائج ہو گئی تھیں ان کا رد کیا۔ اور مسلک امام ابو حنیفہ کو عام کیا۔ راندیر میں آپ کا قیام سپاہی واڑے میں تھا۔ اور اسی محلہ کی جامع مسجد میں آپ درس اور جمعہ کا خطبہ دیتے تھے۔ (1)

برصغیر میں انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کے خلاف مولانا محمد طیب کے دل میں شدید نفرت تھی۔ ۱۸۵۶ء کے اواخر میں جب ہندوستان کے مختلف گوشوں سے انگریزوں کے خلاف آوازۂ جہاد بلند ہوا تو مولانا طیب نے بھی سورت اور راندیر میں مجاہدین

1 مولانا حکیم قاری احمد کی یادداشتیں

کو منظم کرنا شروع کر دیا اس زمانہ میں سورت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایجنٹ گورنر ڈبلیو ای فیئر مین تھا۔ اس گورنر نے سورت میں مقیم بواہیر اوران کے پیشوا سیدنا عبدالقادر نجم الدین بن طیب زین الدین سے خاصے مراسم استوار کر لئے تھے اور حنفی العقیدہ مسلمانوں پر عرصۂ زندگی تنگ کر دیا تھا۔

جہاد آزادی ۱۸۵۷ء اور سورت:

سورت میں انگریزوں کے ورود کے بارے میں صرف اس قدر پتہ لگتا ہے کہ ۱۶۶۴ء میں ایک سیاح سر جارج آکسینڈن نے سورت کی بندرگاہ پر قبضہ کیا اور سورت میں پہلا کارخانہ قائم کیا۔ ۱۷۵۹ء میں انگریز سورت پر اپنا اقتدار جمانے میں کامیاب ہو گئے اور ۱۸۰۰ء میں انہوں نے پوری طرح اس شہر کا نظم و نسق سنبھال لیا تھا۔(1)

انگریزوں کی آمد کے بعد سورت اور راندیر کی اقتصادی حالت کافی بگڑ گئی تھی۔ برطانوی تاجروں کی آمد و رفت میں اضافہ کے ساتھ مسلمان تجار اپنی اہمیت کھوتے جا رہے تھے۔ یورپی درآمدی مال کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ اقور مقامی صنعتیں رو بہ زوال تھیں ان حالات کا سورت اور راندیر میں آباد اقلیتوں پر جن میں بواہیر بھی شامل تھے زیادہ اثر نہیں پڑا لیکن سنی مسلمان اور خاص طور پر وہ لوگ جو بندرگاہ ہونے کے سبب سورت

---

1 انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ص ۴۳۸

کو اپنا تجارتی مستقر بنائے ہوئے تھے شدید اقتصادی الجھنوں کا شکار ہو گئے اکثر تجارتی پیشہ خانوادے اس صورتحال سے دلبرداشتہ ہو کر اندرون ملک ترک مکانی کر گئے اقتصادی بدحالی کا سب سے زیادہ اثر مذہبی حلقوں پر مرتب ہوا کیونکہ اس زمانہ میں مساجد اور مدرسوں کی کوئی مستقل آمدنی نہ تھی اور یہ ادارے تاجروں اور متمول افراد کے عطیات سے چل رہے تھے۔ جب یہ لوگ اقتصادی مدوجزر کی لپیٹ میں آئے تو بیشتر مدارس مالی بحران کا شکار ہو کر بند ہو گئے۔ اس تمام سورتحال کا ردعمل انگریزوں سے نفرت کی صورت میں سامنے آیا۔ اور سنی العقیدہ مسلمانوں نے کھل کر انگریزوں کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا۔ مولانا محمد طیب نے جمعہ کے خطبات میں علی الاعلان انگریزوں کی مخالفت شروع کر دی۔ راندیر کے شیعہ اسماعیلیہ بوہروں کو آپ کی سرگرمیاں ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں چنانچہ انہوں نے آپ کے خلاف انگریز ایجنٹ گورنر سے مخبری کر دی اور آپ کو شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ پروفیسر انصار حسین نے لکھا ہے کہ مئی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ، دہلی، بریلی، لکھنؤ، جھانسی، بجنور اور دیگر مقامات پر جہاد آزادی(1) شروع ہوتے ہی مولانا طیب نے بھی انگریزوں سے مقابلے کی ٹھانی اور ایک معرکہ میں آپ کے متعدد ساتھی اور دو بیٹے شہید ہو گئے۔

---

1 جنگ آزادی اور جہاد آزادی کا فرق:
۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کو ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت ہمیشہ وہابی موٴرخین نے جنگ آزادی لکھا جبکہ وہ سید احمد کے تصادم بالاکوٹ کو ہمیشہ جہاد آزادی کہتے رہے۔ اس کی بظاہر وجہ اس کے علاوہ اور کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ ۱۸۵۷ء کا جہاد آزادی خالص سنی علماء کے ایماء پر شروع ہوا تھا اور فتویٰ جہاد پر بھی بیشتر سنی علماء کے دستخط موجود تھے چنانچہ ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کو جنگ آزادی کہنا یا لکھنا بدنیتی پر مبنی ہے۔ اسلئے میں اسے جہاد آزادی تحریر کرتا ہوں۔

بے سروسامانی کے عالم میں آپ نے راندیر کی سکونت ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔اور اپنی اہلیہ اور دو بیٹوں مولانا وصی احمد اور مولانا عبداللطیف کو لے کر سورت چلے آئے اور مولانا خیر الدین محدث سورتی کی خانقاہ کے احاطے میں کئی دن تک روپوش رہے۔(1)

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں درج ہے کہ سورت میں ۱۸۵۷ کے جہاد آزادی کے دوران کسی قسم کا ہنگامہ نہیں ہوا۔ مسلمانوں کی بھاری اکثریت ہونے کے باجود مقامی انتظامیہ جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے اہلکاروں پر مشتمل تھی بڑی خوش اسلوبی سے انتظام چلاتی رہی۔(2)

ہندوستان کے دیگر علاقوں میں جہاد آزادی بڑے زور وشور سے جاری تھا۔ہر سمت سے قتل وغارتگری کی اطلاعات برابر سورت پہنچ رہی تھیں۔ خصوصاً مسلمان جوق در جنوں ہندوستان سے ہجرت کر کے عراق، ایران اور افغانستان جارہے تھے۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد دہلی، بریلی، لکھنؤ، میرٹھ اور بدایوں سے فرار ہو کر سورت پہنچی تاکہ یہاں سے بحری جہازوں کے ذریعہ حجاز مقدس یا دیگر مسلم ممالک کی جانب کوچ کیا جاسکے۔ کیرانہ میں مجاہدین آزادی کی کمان نامور عالم دین مولانا رحمت اللہ کیرانوی علیہ الرحمۃ کے ہاتھ تھی۔ اگست ۱۸۵۷ء کو کیرانہ میں انگریز فوج سے مجاہدین کا مقابلہ ہوااور انگریزوں کے بھاری اسلحہ خانہ کے سامنے مجاہدین کی ایک نہ چلی۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے گرفتاری سے بچنے کیلئے

---

[1] پروفیسر انصار حسین ص ۲۰، ہمارے گنج ہائے گرانمایہ مضمون مطبوعہ ماہنامہ پیام حق کراچی۔

[2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ص ۱۱۷، جلد ۲۶، مطبوعہ ۱۹۱۱

روپوشی اختیار کرلی۔ تلاش بسیار کے باجود جب مولانا انگریزوں کے ہاتھ نہ آئے تو انگریزوں نے ان کو مفرور قرار دیکر ان کی جائیداد ضبط کرلی اور ان کی گرفتاری پر انعام مقرر کردیا۔ ڈاکٹر معین الحق نے لکھا ہے کہ ان حالات میں کیرانہ سے بچ نکلنا مولانا کیلئے بڑا محال تھا مگر آپ نے اپنا نام تبدیل کرکے ہندوستان چھوڑدینے کی دل میں ٹھانی اور جے پور جودھ پور کے خطرناک ریگستانوں کو عبور کرتے ہوئے سورت پہنچے تاکہ وہاں سے حجاز مقدس کی جانب ہجرت اختیار کرسکیں۔(1)

مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نے لکھا ہے کہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے مولانا خیر الدین محدث سورتی کے خاندان سے بڑے دیرینہ مراسم تھے۔اور آپ متعدد بار سفر حج کے دوران سورت میں مولانا خیر الدین محدث سورتی کی خانقاہ میں قیام فرما چکے تھے ۱۸۵۷ء میں گرفتاری سے بچنے کیلئے جب آپ سورت پہنچے تو یہاں محدث سورتی کی خانقاہ میں مولانا محمد طیب اپنے اہل خانہ کے ساتھ مقیم تھے اور حجاز مقدس روانگی کی تیاری کررہے تھے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی (2) کی زبانی حالات کا علم ہوا تو مزید دل برداشتہ

---

1 دی ریولوشن آف ۱۸۵۷ص ۳۸۱۔ڈاکٹر معین الحق مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی

2 مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے حجاز مقدس پہنچ کر مکہ معظمہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔اور بنگال کی ک مخیر خاتون صولت النسائ بیگم کی امداد و اعانت سے ۱۸۷۲ میں ایک مدرسہ قائم کیا اور باقی ماندہ عمر ردِ عیسائیت و دینی علوم کی

ہوئے۔اور مولانا کی ہمراہی میں نہایت خاموشی کے ساتھ ایک بادبانی کشتی پر سوار ہر کر حجاز مقدس کی جانب ہجرت کر گئے۔(1)

مولانا محمد طیب کی وفات:

مولانا محمد طیب اپنی اہلیہ اور دو صاحبزادوں مولانا وصی احمد اور مولانا عبداللطیف کے ہمراہ جن کی عمریں اس وقت بیس اور اٹھارہ سال تھیں صفر المظفر ۱۲۵۳ھ کی آخری تاریخوں میں جدہ پہنچے یہاں سے آپ مدینہ منورہ اور آپ کے ہمسفر مولانا رحمت اللہ کیرانوی مکہ معظمہ روانہ ہوگئے۔ مولانا محمد طیب نے ماہ ربیع الاول روضہ رسول ﷺ پر گزارنے کے بعد ربیع الثانی میں عراق روانگی کا قصد کیا جہاں سے اپ کے آباؤاجداد ہندوستان پہنچے تھے۔ مولانا طیب کے عراق میں قیام اور دیگر مصروفیات کے بارے میں کسی قسم کی تفصیلات نہیں ملتی ہیں۔ لیکن روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا محمد طیب نے عراق میں تین سال سے زائد قیام کیا۔اور پھر ۱۲۷۶ھ میں حج بیت اللہ کیلئے مکہ معظمہ پہنچے یہاں پہنچ کر آپ کو معلوم ہوا کہ ہندوستان پر برطانوی اقتدار پورے طور پر قائم ہو چکا ہے اور ملکہ وکٹوریہ نے عام معافی کا اعلان کر دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے حج بیت اللہ اور اور روضہ رسول ﷺ کی

ترویج واشاعت میں بسر کر دی۔ ۲۴ رمضان ۱۳۰۸ھ بمطابق ۲ مئی ۱۸۹۱ء مکہ مکرمہ میں پچھتر سال کی عمر میں وفات پائی۔ مولانا حکیم قاری احمد نے ۱۹۵۳ئ میں سفرِ حج کے دوران مدرسہ صولتیہ اور مولانا کی آخری آرامگاہ کی زیارت کی تھی۔ جس کا احوال اپنی کتاب ''مشاہدات حرمین'' مطبوعہ کراچی میں تحریر کیا ہے

1 مولانا حکیم قاری احمد کی یادداشتیں قلمی مملوکہ خواجہ رضی حیدر

زیارت سے فارغ ہو کر ہندوستان واپسی کا ارادہ کیا مگر عمر عزیز کے دن پورے ہو چکے تھے۔ آپ جدہ پہنچ کر بیمار ہوئے اور جدہ ہی میں مالک حقیقی سے جا ملے۔

مولانا محمد طیب کی اہلیہ اور صاحبزادگان مولانا وصی احمد اور مولانا عبداللطیف کے پاس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ واپس ہندوستان پہنچیں۔ چنانچہ تین افراد پر مشتمل یہ بے یار و مددگار قافلہ جب سورت کی بندرگاہ پر اترا تو سورت کی دنیا ہی بدل چکی تھی بندرگاہ سے لے کر انتہائے شہر تک ہر طرف انگریزوں کی عملداری تھی۔ راندیر میں شیعہ اور اسماعیلیہ بواہیر کا دور دورہ تھا۔ حنفی العقیدہ سنی مسلمانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ خصوصاً ان افراد کو جنہوں نے ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی میں حصہ لیا تھا یا مجاہدین کی تائید کی تھی سخت مصائب کا سامنا تھا۔ راندیر میں مولانا محمد طیب کی جائیداد کاروبار بحقِ سرکار ضبط کر لیا گیا تھا۔ اس ماحول میں مولانا کے صاحبزادوں اور اہلیہ کیلئے یہاں از سرِ نو رہائش اختیار کرنا بڑا مشکل تھا۔ عزیز رشتہ دار، احباب اقارب سب ہی اپنی جگہ پر خائف اور عدم اطمینان کا شکار تھے۔ مسجدیں ویران ہو گئی تھیں۔ مدرسوں میں تالے پڑ گئے تھے۔ علمائ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ اس واماندہ اور تھکے ہارے قافلے نے ایک مرتبہ پھر سورت سے ترک مکانی کی دل میں ٹھانی ابھی کوچ کی تیاری ہی ہو رہی تھی کہ مولانا محمد طیب کی اہلیہ جو تین سال کی دربدری اور ضعیف العمری کے سبب بالکل نڈھال ہو چکی تھیں اچانک اس دارِ فانی سے رحلت کر گئیں۔ مولانا وصی احمد اور مولانا عبداللطیف کیلئے ہ سانحہ بڑا دلدوز اور جانگسل تھا لیکن برداشت کیا اور والدہ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر دہلی روانہ ہو گئے۔

مولانا وصی احمد محدث سورتی:

زیر نظر تذکرہ کے مرکزی کردار اور مولانا وصی احمد محدث سورتی کی عملی زندگی کا آغاز سورت سے ہجرت اور دہلی میں قیام سے ہوتا ہے۔ مولانا محمد طیب نے اپنی مذہبی او رسماجی سرگرمیوں سے کچھ وقت نکال کر اپنے دونوں بیٹوں کو قرآن حکیم کی ابتدائی تعلیم دی تھی کیونکہ یہ دونوں بیٹے جو مولانا طیب کی اولاد میں بڑے تھے اپنے والد کی غیر موجودگی میں کاروبار کی ذمہ داری کو پورا کرتے تھے لیکن علم حاصل کرنے کی لگن دونوں کے دلوں میں ہمیشہ سے موجود تھی۔ چنانچہ سورت سے دہلی کی جانب کوچ اسی لگن کی تکمیل کی جانب پہلا قدم تھا۔

مولانا وصی احمد اور مولانا محمد عبداللطیف نہایت کسمپرسی اور واماندگی کے عالم میں سورت سے روانہ ہوئے تھے۔ دونوں کے دل میں تمام تر مصائب و مشکلات جھیلنے کے باوجود حصول علم اور اللہ کے دین کی سربلندی کا جذبہ موجزن تھا۔

چنانچہ دونوں بھائی مشاہدات خیر و شر سے بہر مند ہوتے ہوئے دہلی کی سمت روانہ ہوئے جہاں علم دین کا غلغلہ اور علماء دین کی شہرت عام تھی۔ ہر منزل پر فرنگی استبداد کی خبریں مل رہی تھیں۔ مصلحت کوش مسلمان خطابوں سے نوازے جا رہے تھے اور اعلائے کلمۃالحق کی سزا عام تھی۔ جہادِ آزادی میں حصہ لینے والوں کی تلاش ہنوز جاری تھی۔ خوف و ہراس کا وہ عالم تھا کہ سائے پر بھی دشمن کا گمان گزرتا تھا۔ سکونت و خاموشی پورے

ہندوستان کا مقدر بن چکی تھی۔ ایسے می یہ دو والی نسب مسلسل اپنی منزل کی طرف رواں تھے۔

وہ جانتے تھے کہ سفر کے رنج و مصائب عارضی ہیں۔ اور جو قت ان کا انتظار کر رہا ہے وہ اپنے دامن میں دائمی شہرت و عزت لئے ہوئے ہے۔ آخر کار گردنوں میں حمائل شریف ڈالے اور سروں پر زادِ سفر لئے دونوں بھائی ۱۲۷۷ھ کی ابتدائی تاریخوں میں دہلی پہنچے ۱۸۵۷ئ کے ہنگاموں میں دہلی اجڑ چکی تھی۔ جو چہرے کل تک جدی پشتی وجاہتوں سے گلزار، شجرۂ نسب کی شکوہ سامانیوں کے آئینہ دار اور علم و فضل کی فراوانی سے وجہہ افتخار تھے آج بے برگ و بار اپنے ہی وجود کیلئے باعث ننگ و عار تھے۔ چاندی کی سی عمارتیں جو ہندوستان کا سنگھار تھیں گرد و غبار میں اٹی فلک کج رفتار سے شکوہ طراز تھیں ہر طرف ویرانی اور بے سروسامانی کا دور دورہ تھا۔ مگر اس کے باجود کچھ لوگ علائق دنیوی سے کنارہکش اب بھی خلق خدا کی خدمت کیلئے بلا تکلف زحمت کش تھے۔ خصوصاً حصول علم دینکی غرض سے آنے والوں کیلئے اب بھی دہلی کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ ایسے حالات میں مولانا وصی احمد جب اپنے برادرِ خورد کے ہمراہ وارد دہلی ہوئے تو وضع قطع نے مسافرت کی گواہی دی۔ لمبے چوڑے قد، کھلتا ہوا گندمی رنگ، چھوٹی چمکدار سیاہ آنکھیں۔ طویل انگرکھے، پاؤں میں کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی چپل، سر پر خالص سورتی وضع کا عمامہ۔ غرض کہ ہر چیز ان کی عربی النسل ہونے کی گواہی دے رہی تھی۔

شجرۂ نسب

مولانا وصی احمد محدث سورتی کا شجرۂ نسب حضرت سہیل بن حنیف علیہ الرحمۃ سے ملتا ہے۔ اور آپ اپنے نام کے ساتھ حنفی اور حنیفی لکھا کرتے تھے۔ پروفیسر انصار حسین نے لکھا ہے کہ محدث سورتی کا سلسلۂ نسب رسول اکرم ﷺ کے مشہور صحابی حضرت سہیل رضی اللہ عنہ ابن حنیف سے ملتا ہے۔ حضرت سہیل رضی اللہ عنہ مدینہ کے باشندے تھے۔ بدر اُحد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ احد میں ثابت قدم رہے۔ وفاتِ رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی اور رفیق تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ءنے آپ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا تھا۔ اس کے بعد فارس کا گورنر بنایا ۳۸ ھ میں کوفہ میں انتقال فرمایا۔(1)

آغازِ تعلیم

ورودِ دہلی اور مدرسہ حسین بخش

دہلی پہنچ کر دونوں بھائیوں نے ابتداً مسجد فتحپوری میں قیام کیا چندروز تک اس اجنبی ماحول اور معاشرت کا جائزہ لینے کے بعد انہوں نے علم دین کی تکمیل کیلئے مدرسہ حسین بخش میں داخلہ لے لیا۔ اور اسی مدرسے کے حجروں میں قیام کیا۔(2)

---

1 اکمال فی اسماء الرجال ص ۳۶۴، ترجمہ مولانا قاری احمد، مطبوعہ قرآن محل کراچی۔

2 تذکرۂ علماء اہلسنّت ص:۲۵۸

مدرسہ حسین بخش غدر کے بعد دہلی میں بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ کیونکہ جہاد آزادی کے دوران بھی اس مدرسہ میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا۔

دہلی میں مٹیا محل سے چتلی قبر تک چلیں تو اطاف میں متعدد گلیاں ہیں۔ داہنے ہاتھ کی طرف کوچہ ٔ رگھنا ناتھ داس میں حویلی بختاور خان ہے جس میں مدرسہ ٔ حسین بخش واقع ہے۔ یہ مدرسہ ایک علم دوست پنجابی سوداگر حسین بخش نے ۱۲۶۸ھ میں تعمیر کرا کر وقف کیا تھا۔ مدرسہ حسین بخش کی پیش طاق پر ''داری الھدیٰ والواعظ'' تحریر ہے، جس سے ۱۲۶۸ھ تاریخ نکلتی ہے۔ مدرسہ میں علاوہ مسجد کے مدرسہ کیلئے دالان اور طلباء و مدرسین کیلئے حجرے بنے ہوئے ہیں۔

مولانا وصی احمد اور مولانا عبداللطیف نے اس مدرسہ میں تقریباً ایک سال قیام کیا اور مختلف علماء و فضلاً سے صرف و نحو، تفسیر و تراجم اور دیگر قرآنی علوم حاصل کئے۔ مولانا وصی احمد کے قیام دہلی کی تفصیلات بھی بڑی حد تک مفقود ہیں۔ پروفیسر انصار حسین، صفیہ قاری اور علامہ محمود احمد قادری نے اپنی تحریروں میں مدرسہ حسین بخش میں ان دونوں بھائیوں کے قیام کا زمانہ صرف ایک سال لکھا ہے۔ مولانا حکیم قاری احمد نے اپنی یادداشتوں میں بھی صرف اسی بیان پر اکتفا کیا ہے اور اسی دوران اساتذہ وغیرہ کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ بعض روائتوں سے پتہ چلتا ہے کہ قیام دہلی کے زمانہ میں مولانا عبداللطیف چھوٹے پیمانے پر کپڑے کی تجارت کرنے لگے تھے۔ جو دہلی سے روانگی کے وقت ختم کردی تھی۔

مدرسہ فیض عام:

مدرسہ حسین بخش میں مولانا وصی احمد سورتی اور مولانا عبداللطیف زیر تعلیم تھے کہ پورے ہندوستان میں جہاد آزادی کے علمبردار مفتی عنایت احمد کاکوروی اسیر انڈمان کی رہائی کا غلغلہ اٹھا۔ مفتی صاحب ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی میں حصہ لینے کی وجہ سے تقریباً پانچ سال سے کالا پانی کی سزا بھگت رہے تھے۔ یہاں آپ کے ہمراہ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی اور حضرت مولانا مفتی مظہر کریم دریا آبادی بھی پابند سلاسل تھے۔ مفتی عنایت احمد نے دوران اسیری اپنے حافظہ کی بنیاد پر سیرت نبوی ﷺ میں تواریخ حبیب اللہ لکھ کر پورے ہندوستان میں اپنی علمیت کا سکہ بٹھادیا۔ اور داروغہ جیل حافظ وزیر علی کی کوششوں سے ۱۲۷۷ھ میں رہائی پائی۔ مفتی عنایت احمد جو علی گڑھ میں ۱۸۵۷ء سے قبل درس و تدریس کی مسند پر متمکن تھے۔ رہائی کے بعد کانپور میں مستقل رہائش اختیار کی اور فیض عام کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ انہوں نے علی گڑھ سے اپنے عزیز شاگرد مولانا لطف اللہ علی گڑھی کو بھی اسی مدرسہ میں بلالیا۔ اور درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ غدر کے بعد ہندوستان میں یہ پہلا مدرسہ تھا جو نہایت دھوم دھام سے قائم کیا گیا۔ (1)

مولانا قاری احمد نے اپنی یادداشتوں میں تحریر کیا ہے کہ اس مدرسہ کیلئے سرمایہ کانپور کے ایک رئیس عبدالرحمٰن خان مالک کی مطبع نظامی نے فراہم کیا تھا۔ چنانچہ اس مدرسہ کے افتتاح کے لئے عبدالرحمٰن خان نے مفتی عنایت احمد سے مشورہ کر کے اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی کو کانپور آنے کی دعوت دی یہی وجہ ہے کہ

---

1 محمد علی حیدر ص ۲۸۹، تذکرہ مشاہیر کاکوروی، مطبع اصح المطابع لکھنؤ ۱۹۲۷ء

مدرسہ ٔفیض عام سے مولانا گنج مرادآبادی کا تعلق آخر وقت تک قائم رہااور آپ کی ذات سے مدرسہ کو خصوصی فیض پہنچتا رہا۔ مولانا عبدالحئ بریلوی نے لکھا ہے کہ مولانا کاکوروی نے عبدالرحمن خان مالک مطبع نظامی کی دعوت پر مدرسہ فیض عام قائم کیااور تین سال تک یہاں درس دیتے رہے۔(1)

مولانا وصی احمد اور مولانا عبداللطیف نے جب مدرسہ ٔفیض عام کا تذکرہ سنا تو وہ مدرسہ حسین بخش سے کانپور پہنچے اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے درس میں شامل ہوگئے یہ ۱۲۷۹ھ کا ذیر ہے اس زمانہ میں آپ کے ہمدرس طلبہ میں پیلی بھیت کے حکیم خلیل الرحمٰن خاں اور پٹیالہ کے مولانا احمد حسن کانپوری بھی شامل تھے۔

مولانا وصی احمد نے اپنے بھائی کے ساتھ مدرسہ فیض عام میں تقریباً سات سال تک مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے مختلف علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی اس دوران یعنی ۱۲۷۹ھ میں مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی سفر حج کے دوران جہاز ایک چٹان سے ٹکرانے کی وجہ سے غریق وشہید ہوگئے۔ چنانچہ مولانا لطف اللہ علی گڑھی نے مولانا محمد علی کانپوری ثمہ مونگیری کو مدرسہ میں نائب مدرس مقرر کیا۔ مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا وصی احمد کے درمیان تعلقات کا آغاز اسی مدرسہ سے ہوا تھا۔ اور مولانا وصی احمد مدرسہ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے مولانا محمد علی کانپوری کو اساتذہ میں شمار کرتے تھے۔

استاذ العلماء مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی:

---

1 نزہت الخواطر ص ۳۴۲، مولانا عبدالحئ جلد ۷

مولانا مفتی لطف اللہ علیگڑھی ولد شیخ اسد اللہ ۱۲۴۴ھ بمطابق ۱۸۲۸ء میں موضع پلکھنے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی فارسی کتابیں میانجی موہن لال او مولوی محمد عظیم اللہ سے پڑھیں نیز مولوی حفیظ اللہ خاں سے خطاطی سیکھی۔اپنے خسر مولوی رونق علی سے فارسی کی چند کتابیں پڑھیں اور پندہ برس ی عمر میں علیگڑھ کے مفتی اور منصف مفتی عنایت احمد کاکوری کی خدمت میں حاض رہوئے۔ کچھ عرصے بعد مفتی عنایت احمد کا تبادلہ بحیثیت صدر امین علی گڑھ سے بریلی ہوگیا۔ چنانچہ مولوی لطف اللہ نے بھی بریلی کا سفر اختیار کیا۔اور جملہ کتب درسیہ کی تحصیل سے فراغت حاصل کی۔ مفتی عنایت احد نے شاگرد کی لیاقت و صلاحیت سے متاثر ہوکر مولانا لطف اللہ کو اپنے ہی اجلاس کا سرشتہ داردار مقرر کرلیا۔ لیکن ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں مفتی عنایت احمد گرفتار کرلئے گئے۔اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی بریلی کی سکونت ترک کرکے دوبارہ علی گڑھ آگئے جہاں آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔اور یہ سلسلہ ۱۲۷۷ء میں مفتی عنایت احمد کی رہائی تک جاری رہا۔ مفتی عنایت احمد نے رہائی پاکر اپنے مدرسہ فیض عام میں مولانا لطف اللہ کو نائب مدرس مقرر کیا اور ۱۲۷۹ء میں مفتی عنائت احمد کے غریق وشہید ہونے کے بعد آپ اسی مدرسہ کے صدر مدس اوّل مقرر ہوئے اور تقریباً سات سال تک اس حیثیت میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے ۱۲۸۵ھ میں آپ کانپور کی سکونت ترک کرکے علی گڑھ لوٹ آئے اور یہاں درس وتدریس کا آغاز کیا۔ یہ بافیض ددرس ۱۲۸۵ھ سے ۱۳۱۲ھ تک مسلسل جاری رہا۔ اسی دوران پورے برصغیر میں تقلید وعدم تقلید کی بحث جاری تھی۔ مباحث پر مبنی

رسالے اور فتوے جاری کئے جا رہے تھے۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھی غالی حنفی تھے اور تقلید آئمہ اربعہ کو ملت مسلمہ کیلئے ضروری سمجھتے تھے۔ آپ نے بھی اس بحث میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تقلید کی حمایت میں کئی رسالے تحریر کئے۔ اور متعدد فتاویٰ پر تصدیقی مواہیر ثبت کیں۔ علی گڑھ میں عدم تقلید کے حامیوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی چنانچہ آپ کو کسی نے زہر دے دیا اگرچہ آپ اس حادثۂ جانکاہ سے جانبر ہو گئے مگر علی گڑھ سے آپ کی طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ درس و تدریس کا سلسلہ کچھ عرصہ کیلئے منقطع ہو گیا۔ اور آپ نے گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ بعد میں نواب حیدر آباد دکن کو جب اس سانحہ کی اطاع ملی تو انہوں نے آپ کو حیدر آباد بلا بھیجا۔ اور ریاست میں آپ کو متی کے عہدے پر فائز کیا اور اسی حیثیت ۸ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ (1)

مولانا فیض احمد نے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی سوانح ''مہر منیر'' میں لکھا ہے کہ مولانا لطف اللہ علی گڑھی نے ابتداً کانپور اور پھر علی گڑھ میں علوم دینیہ کی اشاعت کے سلسلے میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ ہندوستان کی علمی دنیا نے ان کا ''استاذ العلماء'' کے خطاب سے اعتراف کیا۔ اس دور کے نامور علماءِ دین میں شاید ہی کوئی ایسا ہو گا جس نے استاذ العلماء کے گلشن عام سے فیض حاصل کیا نہ ہو۔ اس وقت مولانا لطف اللہ علی گڑھی کی شاگردی فضل و کمال کی سب سے بڑی سند ہوتی تھی۔ حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی علمائے ربانیین کا نمونہ اور زہد و تقویٰ اور خدا پرستی کا پیکر تھے۔ طبیعت بے حد مرنجاں مرنج

---

1 خواجہ رضی حیدر مضمون استاذ العلماء مولانا لطف اللہ علیگڑھی، مطبوعہ روزنامہ حریت کراچی ۹ مئی ۱۹۷۷ء

پائی تھی۔ علماء ہم عصر کے ساتھ بعض فروعی مسائل میں اختلاف ہونے کے باوجود آپ نے ان کے خلاف کبھی تعصب و تشدد کا اظہار نہیں فرمایا۔ آپ کی معقولیت کیلئے یہی سند کافی ہے کہ بریلوی اور دیوبندی دونوں مکاتب فکر کے علماء کے دل میں آپ کا بے حد احترام ہے۔ ان ہی پاک منش بزرگانِ دین کے انفاسِ قدسیہ کی برکت تھی کہ ایسے نازک دور میں جبکہ حکومتِ برطانیہ اور اس کے ہواہ خواہ ہندوستان میں علومِ اسلامیہ کو ختم ٹھان چکے تھے۔ مدارس اسلامیہ کا وجود باقی رہا اور علوم دین کے سرچشمے جاری رہے۔(1)

مولانا لطف اللہ علی گڑھی کی وفات پر ہر طبقۂ فکر کے علماء نے اظہار رنج و غم کیا اخبارات و رسائل نے تعزیتی مضامین شائع کئے۔ علامہ شبلی نعمانی کے جانشین مولانا سید سلیمان ندوی نے جو اس زمانہ میں ماہنامہ معارف اعظم گڑھ کے مدیرِ اعلیٰ تھے۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھی پر ایک تعزیتی نوٹ ''فاجعہ علمیہ'' کے عنوان سے لکھا جو مولانا کی حیات و خدمات پر ایک جامع مضمون کی حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا کہ :

''قدیم عربی مدارس کے در و دیوار اگرچہ ظاہری شان و شوکت کے لحاظ سے روز بروز بلند ہوتے جاتے ہیں لیکن جھک کر دیکھتے ہیں تو سنگ بنیاد متزلزل نظر آتا ہے۔ ہماری قدیم تعلیم و تربیت کی جو یادگاریں ان مدارس کی اساس تھیں ایک ایک کر کے مٹ گئیں۔ ایک مولوی لطف اللہ علی گڑھی رہ گئے تھے لیکن صرصر فنا نے ہماری انجمن کے اس چراغ کو بھی گل کر دیا۔ مولوی لطف اللہ میں قدیم تعلیم و تربیت کی تمام خصوصیات باکمال و وجود

---

1 مولانا فیض احمد فیض ص ۷۵۔۷۴، مہر منیر، مطبوعہ گولڑہ شریف راولپنڈی ۱۹۷۳ء

موجود تھیں۔ علم اخلاق اور قدیم تعلیم و تربیت کا مایہ خمیر تھا۔ اور ان ہی محاسن کی وجہ سے ہمارے علماء قوم میں عزت رسوخ و اثر پیدا کرتے ہیں۔ مولوی لطف اللہ کی ذات میں نہ صرف یہ محاسن جمع ہو گئے تھے بلکہ وہ ان اوصاف میں عموماً اپنے اقران و مماثل میں ممتاز خیال کیے جاتے تھے۔ اشاعت علم خالصتاً لوجہ اللہ ہمارے علمائَ کا تمغہَ امتیاز رہا ہے او رمولوی لطف اللہ مرحوم نے اپنی عمر کا ایک حصہ اس نیک کام میں خرچ کیا۔ ہندوستان میں آج جس قدر علمی سلسلے قائم ہیں جو علماء آج مسند نشین درس وتدریس ہیں ان میں اکثر ایسے ہیں جنہیں مولوی لطف اللہ کے خرمنِ فیض سے خوشہ چینی کی ہے۔" (1)

مولانا لطف اللہ علی گڑھی نے ندوۃ العلماء کے قیام میں بھی ضعیف العمری کے باجود حصہ لیا اور جب ندوۃ العلماء میں غیر حنفی افراد کی شمولیت پر علماء کے درمیان تنازعہ پیدا ہوا تو آپ نے اس تنازعہ کو رفع کرنے کی حتی الوسع کوشش کی۔ اس ضمن میں آپ کو مخالفتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا مولانا اخلاص سہوانی نے ایک راسلہ حادثہ جانکاہ مفتی لطف اللہ کے تاریخی عنوان سے ۱۳۱۳ھ میں تحریر کیا جس میں مولانا لطف اللہ سے ان کے فقہی موقف کے بارے میں جواب طلب کیا گیا تھا۔ (2)

مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے تلامذہ میں جن علماء نے دائمی شہرت اختیار کی ان کے نام یہ ہیں:

مولانا احمد حسن کانپوری

---

1 ماہنامہ معارف اعظم گڑھ ماہ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۱۶ء

2 حادثہ جانکاہ مفتی لطف اللہ مؤلفہ اخلاص حسین سہسوانی مطبوعہ بریلی ۱۳۱۳ھ

مولانا محدم علی مونگیری

پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی

مولانا شبلی نعمانی

مولانا وصی احمد محدث سورتی

مولانا عبد الحق دہلوی

مولانا عبد الغنی کانپوری

مولانا ظہور الاسلام فتح پوری

مولانا عبد اللہ ٹونکی

مولانا حافظ عبد القدوس کیمبل پوری

مولوی حکیم خلیل الرحمٰن خان پیلی بھیتی

مولانا نور محمد پنجابی

مولانا ابو سعید رحمانی فتحپوری

مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی

مولانا حافظ کریم بخش برکاتی علی گڑھی

نواب حبیب الرحمٰن خان شیروانی

زمانہ طالب علمی میں مفتی لطف اللہ علی گڑھی دیگر طلباء کے علاوہ مولانا وصی احمد پر خاص توجہ فرماتے تھے یہی وجہ تھی کہ ہم درس طلباء میں مولانا وصی احمد کی ذہانت اور

فراست عام تھی۔ سنجید گی اور بردباری مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ سادگی اور قناعت شیوہ تھا۔ ہر معاملہ میں علمی نکتے نکالنا اور ہر مسئلہ کو ایک خاص نقطۂ نظر سے پرکھنا آپ کا معمول تھا۔ مطالعہ کا اس قدر شوق تھا کہ ایک ایک کتاب کو کئی کئی مرتبہ پڑھتے حتیٰ کہ وہ حفظ ہو جایا کرتی تھی۔ حدیث و فقہ کی اکثر کتب درسیہ آپ کو زبانی یاد تھیں۔ محدثین کے سلسلے ازبر تھے۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی نے مفتی لطف اللہ علیگڑھی سے درسیات کی تکمیل تین سال کی مختصر مدت میں کر لی تھی۔ لیکن بعد میں مولانا محمد علی نگیری کے درس میں شامل ہو گئے اور ادبیات کی تکمیل کی اس دوران مفتی لطف اللہ اپنے آبائی شہر علی گڑھ روانہ ہو گئے اور مولانا احمد حسن کانپوری کو جو تکمیل علوم کر چکے تھے مدرسہ فیض عام میں نائب مدرس مقرر کر دیا گیا۔ مولانا وصی احمد بالحاظ عمر دیگر طلبہ سے بڑے تھے۔ اس لئے آپ کا زیادہ تر وقت اپنے استاد مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا احمد حسن کی صحبت میں گزرتا تھا۔

بیعت و خلافت

گنج مراد آبادی روانگی:

مولانا وصی احمد کے برادرِ خورد مولانا عبداللطیف نے تکمیل تعلیم کے بعد کانپور میں لکڑی کی تجارت شروع کر دی تھی۔ یہ تجارت ان کیلئے بڑی سود مند ثابت ہوئی چنانچہ انہوں نے مولانا وصی احمد سے عمر میں دو سال چھوٹے ہونے کے باوجود مولانا وصی احمد کے

تمام اخراجات برداشت کرنے کی ذمہ داری قبول کرلی اوران کو یکسوئی کے ساتھ حصول علم میں مشغول رہنے دیا۔

مولانا وصی احمد نے مدرسہٗ فیض عام سے ۱۲۸۶ھ میں تمام علوم و فنون سے فراغت پاکر گنج مراد آباد کا سفر اختیار کیا۔(1) جہاں قطب الاقطاب اویس زمانہ حضرت شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی قیام پذیر تھے۔ان کے کمالات و کرامات، توجہ وتاثیر، عشق و محبت اتباع سنت اور رشد وہدایت کے تذکرے اورچرچے ہندوستان کی دینی اور علمی مجلسوں میں عام تھے۔کانپور میں حضرت کے مریدین ومعتقدین کا حلقہ بڑاوسیع تھا۔اس لئے آپ اکثرکانپور تشریف لایا کرتے تھے۔مولاناوصی احمد نے کانپور میں حضرت شاہ فضل رحمن کی زیارت پہلی مرتبہ عبدالرحمٰن خان مالک مطبع نظامی کے ماکن پر کی تھی۔جہاں شاہ صاحب

---

1 مولانا حکیم قاری احمد نے اپنی ڈائری میں لکھاہے کہ گنج مراد آباد قصبہ ہے جس کواس علاقہ کے حاکم مراد شیر خان نے آباد کیا تھا۔اس لئے مراد آباد نام ہواگنج کا نام یوں لگ گیا کہ چند میل کے فاصلہ پر گنج کے نام سے ایک گاؤں آباد تھا۔ دوسرے یہ کہ سنبھل مراد آباداور گنج مراد آباد میں امتیاز پیدا ہو جائے۔یہ قصبہ اناؤکے ضلع میں اناؤاسٹیشن سے تقریباً اٹھارہ میل دور تھا۔اوناؤسے لوگ تانکہ پر یا بیل گاڑی وغیرہ میں بیٹھ کر صفی پوراور بانگڑ منوہوتے ہوئے گنج مراد آباد پہنچتے تھے۔اوناؤوبہ یوپی کا ضلع ہے جو کانپوراور لکھنؤکے ی درمیان آئی آئی آر ریلوے پر واقع ہے گنج مراد آباد جانے کا دوسرا راستہ بالامؤ جنکشن اسٹیشن سے بلگرام جانے والی ریل کے ذریعہ مادھوگنج جاتاہے جہاں اتر کا ملالوان اور وہاں سے گنج مراد آباد پہنچتے ہیں۔ تیسرا راستہ کانپور سے بلہور ہو کر جاتاہے اور چوتھا راستہ ہردوئی سے تانکہ یا بیل گاڑی کے راستہ جاتاہے۔ بالامئوسے بھی لوگ سیدھے گنج مراد آباد آتے ہیں شاہ فضل رحمن نے جب ملانوان کی سکونت ترک کر کے گنج مراد آباد کی سکونت اختیار کی تواس قصبہ کی شہرت عام ہوگئی۔ ۱۹۴۰ء میں کانپور سے گنج مراد آباد کیلئے ریلوے لائن بچھائی گئی اور باقاعدہ اسٹیشن قائم کیا گیا۔(مولانا حکیم قاری احمد کی قلمی یادداشتیں)

ورودِ کانپور کے موقع پر قیام فرمایا کرتے تھے۔آپ کے لئے مطبع نظامی کی بلند و بالا عمارت میں ایک کمرہ مخصوص تھا۔ (1) مولانا وصی احمد اس پیر کامل کا ذکر خیر مولانا محمد علی مونگیری کی زبانی اکثر و بیشتر سن چکے تھے۔ لیکن جب ملاقات کی تو زہد و توکل رشد وہدایت اور انوارِالٰہی کے تمام خزانے اس ذات گرامی میں موجود پائے۔چنانچہ طے کرلیا کہ تعلیم سے فارغ ہو کر کچھ عرصے تک شاہ فضل رحمن کے قدموں میں زندگی گزاریں گے۔ باور کیا جاتا ہے کہ گنج مراد آباد کے سفر میں مولانا وصی احمد کے ہمراہ مولانا محمد علی مونگیری بھی تھے جو حضرت شاہ فضل رحمٰن کے مرید و خلیفہ تھے اور آپ کی ہی سفارش پر مدرسہ فیض عام میں درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مولانا وصی احمد نے حضرت شاہ فضل الرحمٰن کی خدمت میں پہنچ کر آپ کے دست مبارک پر سلسلۂ نقشبندیہ قادریہ میں بیعت کی اور سلوک کی تعلیم کیلئے شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر رہنے لگے۔(2)

حضرت شاہ فضل رحمن گنج مراد آبادی

حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی ۲۱،رمضان المبارک ۱۲۰۸ھ کو سندیلہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا اسم گرامی حضرت شاہ اہل اللہ تھا جو حضرت شاہ عبدالرحمٰن

---

1 البلاغ کراچی، ص: ۹۸، مضمون عبدالرحمٰن خان شمارہ دسمبر ۱۹۷۵

2 تذکرۂ علماء اہلسنّت ص ۲۵۹

لکھنوی کے مرید تھے اور حضرت گنج مراد آبادی کا نام آپ کے والد کے پیر و مرشد نے فضل رحمٰن تجویز فرمایا جس سے آپ کی تاریخ ولادت نکلتی ہے حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی نے مولانا نور الحق بن مولانا انوار الحق فرنگی محلی سے ابتدائی تعلیم کتبِ درسیہ لکھنؤ میں پڑھیں اور پھر دہلی کا سفر اختیار کیا جہاں حدیث شریف کی تعلیم حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور حضرت شاہ اسحٰق محدث دہلوی سے حاصل کی۔ آپ کے ہمدرس طلبہ میں مرزا حسن علی محدث لکھنوی، مولانا حسین احمد ملیح آبادی، اور مولانا عبدالصمد بھی شامل تھے۔ آپ نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے حدیث مسلسل بالاوّلیتہ پڑھی اور سند حاصل کی جبکہ مولانا شاہ اسحٰق سے حدیث کی مکمل تعلیم حاصل کی(1) بعد میں آپ سلسہ نقشبندیہ مجددیہ کے شہرۂ آفاق بزرگ حضرت شاہ محمد آفاق کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلوک کی تعلیم حاصل کی اور بیعت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کے مرشد نے آپ کو علامہ محمد ابن جزری کی کتاب ''حصن حصین'' پڑھائی اور اس کے پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت عطا فرمائی۔ حضرت شاہ آفاق آپ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے اور بیشتر آپ کے مرشد نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ (2)

حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کی پہلی شادی ملاوان میں ہوئی لیکن اہلیہ کی وفات کے بعد آپ نے ملّاوں کی سکونت ترک کر دی اور گنج مراد آبادی ضلع اناؤ میں مستقل

1 تذکرہ فضل رحمن گنج مراد آبادی ص۲۸، سید ابوالحسن علی ندوی

2 تذکرۂ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی ص۳۰، سید ابوالحسن علی ندوی مطبوعہ کراچی ۱۹۷۷ء

سکونت اختیار کرلی اور دوسرا عقد فرمایا۔ مجاہدے اور ریاضت سے آپ کو حد درجہ شغف تھا۔ چنانچہ زندگی کا بیشتر حصہ اپنی خانقاہ میں بسر کیا۔ جہادِ آزادی ۱۸۵۷ء کے وقت آپ کی عمر ۶۰ سال تھی۔ مولانا مناظر احسن گیلانی سوانح قاسمی میں مولانا حبیب الرحمٰن خان شیرانی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انگریزوں سے جہاد کرنے والوں میں شاہ صاحب بھی شامل تھے مگر ایک دن لڑائی سے ہاتھ روک لیا اور مجاہدین کے سپہ سالار سے فرمایا کہ لڑنے سے کیا حاصل ہوگا میں تو خضر تو انگریزوں کی صف میں دیکھ رہا ہوں۔(1)

حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کو علم حدیث سے خصوصی شغف تھا اور معقلوات کے شدید مخالفت تھے یہی وجہ ہے کہ آپ سے ارادت رکھنے والوں نے علم حدیث کے فروغ کی جانب زیادہ توجہ دی۔ مولانا محمد لعی مونگیری اپنی کتاب ارشادِ رحمانی میں لکھتے ہیں کہ:

"طالب علمی کے زمانے میں جب میری ملاقات شاہ فضل رحمٰن سے ہوئی تو مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم کیا پڑھتے ہو؟ میں نے کہا کہ قاضی مبارک، ارشاد ہوا استغفر اللہ، نعوذ باللہ قاضی مبارک پڑھتے ہو۔ اس سے کیا حاصل ہم نے فرض کیا کہ منطق پڑھ کر قاضی مبارک کی مثل ہوگئے پھر کیا؟ قاضی مبارک کی قبر پر دیکھو کیا حال ہے؟ کوئی فاتحہ پڑھنے والا بھی نہیں اور ایک بے علم کی قبر پر جائو جس کو خدا سے نسبت تھی اس پر کیسے انوار و

---

1 سوانح قاسمی مناظر احسن گیلانی مطبوعہ دار العلوم دیوبند ۱۳۷۴ھ

تبر کات ہیں۔(1)

اسی طرح ایک مرتبہ جب استاذ العلماء مولانا احمد حسن کانپور آپ کی خدمت میں تشریف لے گئے تو آپ نے حسب عادت دریافت کیا کہ آپ کیا پڑھاتے ہیں۔ مولانا کانپوری نے سب علوم کا نام لیا۔ اور معقولات کی زیادہ کتابیں بتائیں، شاہ صاحب نے معقولات پڑھنے اور پڑھانے کی بہت ہجو کی۔اور فرمایا کہ منطق زیادہ پڑھنے اور پڑھانے سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ حدیث و فقہ زیادہ پڑھا کرو۔ مولانا حکیم قاری پیلی بھیتی نے اپنی یاد داشتوں میں لکھا ہے کہ مولانا عبدالکریم گنج مراد آبادی فرماتے تھے کہ حدیث کا مطالعہ سے انبیاء اور اولیاء کے قلوب کے انور و برکات جو اس میں ہیں قلب پر اثر کرتے ہیں مطالعہ حدیث سے استغفار اور خوفِ خدا پیدا ہوتا ہے اور خلقِ خدا کی رہنمائی میں مدد ملتی ہے جبکہ معقولات کے مطالعہ سے کلماتِ کفریہ زبان سے نکلتے ہیں نفس موٹا پڑتا ہے اور کدورت پروان چڑھتی ہے۔ (2) حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی صحاح ستہ موطاامام مالک اور حصن حصین پڑھانے پر خاص قدرت رکھتے تھے۔ آپ سے جن علماء نے درسِ حدیث لیا ان میں مولانا عبدالکریم گنج مراد آبادی، مولانا محمد علی مونگیری، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا وصی احمد سورتی، مولانا ظہور الاسلام فتح پوری، مولانا دیدار علی الوری، اور پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ ان

---

1 سوانح قاسمی مناظر احسن گیلانی مطبوعہ دارالعلوم دیوبند ۱۳۷۴ھ

2 مولانا قاری احمد کی قلمی یادداشتیں

علمائ نے درس حدیث کو بطور مشن اختیار کیا۔ اگر بہ نظر غائر ہندوستان میں علم حدیث کے فروغ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان ہی علماء سے فیض یافتہ افراد کے دم قدم سے آج تک علم حدیث کی شمع بر صغیر پاک وہند میں روشن ہے حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی درس حدیث کے سلسلے میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے ہمیشہ مدح رہے اور آپ اکثر و بیشتر اپنے حلقہ ارادت کے علماء کو مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی خدمت عالیہ میں دورۂ حدیث کی تکمیل کیلئے بھیجتے تھے۔ شاہ صاحب مجاہدۂ باطنی اور علم وعرفان کی شہرت ایسی عام تھی کہ لوگ دور و نزدیک سے جوق در جوق آپ کی زیارت کیلئے گنج مرادآباد پہنچا کرتے تھے۔ تذکرۂ علماءِ ہند کے مصنف مولانا رحمان علی لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا کے اوصاف حمیدہ اور خصائص پسندیدہ ایسے نہیں ہیں کہ زبان بریدہ قلم بے بنیاد کاغذ پر ان میں سے تھوڑے بھی لکھ سکے۔ اور انسان ضعیف البیان کی کیا مجال کہ ان کا عشرِ عشیر بھی بیان کر سکے۔ (1)

مولانا رحمان علی ماہ ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ بمطابق ۱۸۸۳ ء میں اپنے وطن مالوف سے ملاقات کی غرض سے کانپور تک گئے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اناؤ سے مرادآباد تک بارش کی وجہ سے سخت طغیانی ہے اور گاڑی یا پالکی وغیرہ کی سواری کا پار کرنا سخت دشوار تھا۔ چنانچہ افسردہ وملول واپس لوٹ گئے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی حضرت کی دو مرتبہ زیارت کی اور کچھ دن گنج مرادآباد میں قیام کر کے حضرت سے حصن حصین پڑھنے کی اجازت حاصل

1 تذکرۂ علماء ہند ص ۳۷۹، مولانا رحمان علی (ترجمہ) مطبوعہ ہسٹاریکل سوسائٹی پاکستان کراچی ۱۹۶۱ء

کی۔ مولانا تھانوی نے ان ملاقاتوں کا حوالہ اپنی کتاب ارواحِ ثلاثہ میں تحریر کیا ہے۔ حضرت شاہ مانا میاں قادری چشتی پیلی بھیتی (نبیرۂ حضرت محدث سورتی) نے اپنی کتاب سوانح حیات اعلیٰ حضرت بریلوی ۱۳۱۱ھ میں پہلی مرتبہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی زیارت کیلئے گنج مرادآباد تشریف لے گئے تھے اس سفر میں آپ کے ہمراہ مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ، مولوی حکیم خلیل الرحمٰن خان تلمیذ مولوی لطف اللہ علی گڑھی قاضی خلیل الدین حسن رحمانی، المعروف حافظ پیلی بھیتی، اور استاذ الزمن مولانا احمد حسن کانپوری شامل تھے۔ اس زمانے میں ریل گنج مرادآباد کیلئے نہیں چلی تھی۔ ہر دوئی، اناؤ یا بالا میؤ سے لوگ بیل گاڑی میں بیٹھ کر جایا کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت اپنے احباب کے ساتھ بالا میؤ اسٹیشن سے بیل گاڑی کے ذریعہ گنج مرادآباد تشریف لے گئے۔ حضرت شاہ فضل رحمٰن کو آپ کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی لہٰذا آپ نے مریدین کے ساتھ قصبہ سے باہر تشریف لاکر اعلیٰ حضرت کو خوش آمدید کہا۔ تین دن سے زائد اعلیٰ حضرت گنج مرادآباد میں مقیم رہے۔(1)

اس ملاقات کا تذکرہ شاہ فضل رحمٰن کے موجودہ سجادہ نشین مولانا افضال الرحمٰن نے اپنی تالیف ''افضال رحمانی'' میں بھی کیا ہے اور ملاقات کی تاریخ ۲۹، رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ بیان کی ہے۔ مولانا محمود احمد قادری نے اپنی تالیف تذکرۂ علمائے اہلسنت میں اعلیٰ حضرت اور شاہ صاحب کی ملاقات کی تاریخ ۱۳۱۹ھ تحریر کی ہے جو غلط ہے کیونکہ شاہ صاحب

1 اعلیٰ حضرت بریلوی ص ۱۵۷، شاہ ماناں میاں پیلی بھیتی، مطبوعہ کراچی ۱۳۹۰ھ

کا۱۳۱۳ھ میں وصال ہو چکا تھا۔ غرض کہ شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی ذات گرامی منبع فیض وہدایت تھی اور آپ کے تمام معاصر علماء واکابر آپ کی زیارت وصحبت سے مستفیض ہوئے۔ حضرت شاہ فضل رحمٰن کا قاعدہ تھا کہ جب بھی کوئی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو پہلے اس کیلئے دعائے خیر فرماتے بعد میں اس کی آمد کا مقصد دریافت فرماتے۔ آپ کی دعا مقبول باری تعالیٰ ہوتی تھی اور اکثر لوگوں کی حاجتیں پوری ہو جایا کرتی تھیں۔

شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کا وصال ۲۲، ربیع الاوّل ۱۳۱۳ھ میں تقریباً ۱۰۵ سال کی عمر میں ہوا۔ گنج مرادآباد میں آپ کا مزار آج بھی مرجع عقیدت ہے اور ہر سال عرس منعقد ہوتا ہے جس میں دور دراز سے ہزاروں عقیدت مند شرکت کرتے ہیں۔ حضرت شاہ فضل رحمٰن کے خلفاء میں ممتاز اسمائے گرامی یہ ہیں: مولانا عبدالکریم گنج مراد آبادی۔ مولانا محمد علی مونگیری، مولانا احمد یاں گنج مرادآبادی، مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا ابو سعید رحمانی فتح پور ہسوہ، مولانا ابرار احمد رحمانی رئیس اعظم مرادآباد، حضرت مولانا قادر علی رامپوری، جدامجد مولانا ہدایت رسول رامپوری، پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، مولانا دیدار علی محدث الوری لاہوری، مولانا ظہور الاسلام فتحپوری، مولانا تجمل حسین بہاری۔

حضرت شاہ فضل رحمیں گنج مرادآبادی نے مولانا وصی احمد کی غیر معمولی لیاقت اور خصوصاً علمِ حدیث اور اصولِ فقہ پر متاثر کن دسترس کے پیشِ نظر آپ کو اپنے درس میں شامل کر لیا۔ بلکہ نئے طلبہ کو پڑھانے کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد کی۔ اس وقت شاہ فضل

رحمٰن کے حلقۂ درس میں مولانا عبد الکریم جالندھری اور فتح پور ہسوہ کے مولانا سید ابو سعید رحمانی وغیرہم شامل تھے۔ مولانا وصی احمد نے شاہ صاحب سے حصن حصین پڑھنا شروع کی۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ ہو کہ ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی کے بعد شاہ فضل رحمٰن کسی حد تک گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اور اوراد و وظائف آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس زمانہ میں جو طالب علم آپ کی زیارت اور اکتساب فیض کیلئے حاضر ہوتے آپ ان کو حصن حصین کے دو چار سبق پڑھا کر اور اوراد و وظائف کی اجازت عطا فرما کر رخصت کر دیتے تھے۔ مولانا وصی احمد میں چونکہ ایک اعلیٰ محدث اور مدرس کی تمام صفات موجود تھیں اسلئے شاہ صاحب حصن حصین کی تمام دعائیں نہ صرف پڑھائیں بلکہ ان کے پڑھانے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ شاہ فضل رحمٰن چونکہ صاحب کشف بزرگ تھے اسلئے آپ نے مولانا وصی احمد پر خصوصی عنایت فرماتے اور دیگر طالب علموں سے کہتے کہ ان کی عزت کرو یہ ہندوستان میں فرمانِ رسول مقبول ﷺ کے محافظ قرار پائیں گے مولانا وصی احمد جب حصن حسین کے درس سے فارغ ہوئے تو شاہ فضل رحمٰن نے آپ کو خلافت عطا کی اور فرمایا کہ علم کے اظہار میں کبھی بخل نہ کرنا اور حق بات چاہے اپنے اور دوسروں کے حق میں کتنی ہی کڑوی کیوں نہ ہو عوام الناس کی فلاح کیلئے عام کرنا۔ (1)

حصن حصین ہمیشہ علماء و صوفیا کے معمولات میں رہی ہے اور اس کی پر اثر دعاؤں سے وہ فیض اٹھاتے رہے ہیں۔ مولانا وصی احمد نے صاحبِ حصن حصین محدثِ اعظم علامہ

---

1 مولانا قاری احدم کی قلمی یادداشتیں

محمد ابنِ جزری متوفی ۸۳۳ھ پ رتحفہ حنفیہ مطبوعہ عظیم آباد میں ایک مقالہ تحریر فرمایا جس میں آپ نے لکھا کہ حصن حصین کے واسطے سے میری ایک بہت بڑی مشکل حل ہوئی۔ جبکہ میری کتاب التعلیق المجلی کا مسودہ گم ہوگیا اور میں اس کی تلاش و فکر میں بھوک و پاس سے بیگانہ ہوچکا تھا کہ اچانک خیال آیا کہ حصن حصین کو ہاتھوں میں اٹھا کر دعا میں مصروف ہوگیا۔ صبح فجر کی نماز کیلئے مسد گیا تو دیکھتا ہوں کہ محرام میں التعلیق المجلیٰ کا مسودہ کپڑے میں لپٹا ہوا رکھا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کیا اور اس کے بعد اپنا معمول بنالیا کہ جب بھی کوئی پریشانی آتی تو میں اس مبارک کتاب کو واسطہ بناتا۔ میرے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرد آبادی نے مجھے حصن حصین کے ورد کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ جو شخص بعد الجمعہ حصن حصین کو شروع کرے گا اور جمعرات کے دن بعد العصر ختم کرے گا وہ ہمیشہ ہر قسم کی آفات سے محفوظ رہے گا۔ خلق اللہ میں محبوب رہے گا اور اس کی جملہ حاجات پوری ہوتی رہیں گی۔ اور یہ وہ مبارک و مجرب طریقہ ہے جس کی تلقین و اجزت مجھے میرے نامور مربی و مرشد شاہ آفاق دہلوی علیہ الرحمۃ نے عطا فرمائی تھی۔ (1)

آغاز تدریس

---

1 مقدمہ حصن حصین ص ۳۹، تحریر مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی مطبوعہ کلام کمپنی کراچی ۱۹۶۹ء

مدرسہ فیض عام سے وابستگی:

مولانا وصی احمد تقریباً ایک سال حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی خدمت میں حاضر رہنے کے بعد ۱۲۸۸ھ کے اوائل میں کانپور پہنچے۔ مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا احمد حسن کانپوری نے جو مدرسۂ فیض عام کے صدر مدرس اور منتظم اعلیٰ تھے اور مولانا وصی احمد کی لیاقت کے ہمیشہ سے مداح تھے۔ فوری طور پر آپ کو مدرسۂ فیض عام میں باقاعدہ مدرس مقرر کردیا۔ مولانا محمد علی مونگیری نے آپ کو دارالافتاء کی ذمہ داری بھی سپرد کی کیونکہ مولانا خود بیک وقت یہ تمام ذمہ داریاں پوری کرنے سے قاصر تھے۔ مولانا وصی احمد کی مہر سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے ۱۲۸۸ھ میں فتویٰ نویسی کا آغاز کیا کیونکہ اس مہر پر ۱۲۸۸ھ کندہ ہے۔

مولانا وصی احمد نے تقریباً آٹھ سال تک مدرسۂ فیض عام میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے۔ اس دوران آپ نے احادیث اور فقہ کی کتب کا بغور مطالعہ کیا ارنسائی شریف کا حاشیہ تحریر کرنا شروع کیا جو تقریباً ۱۲۹۴ھ میں مکمل ہوا۔ مدرسۂ فیض عام میں درس و تدریس کے دوران آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا عبید اللہ کانپوری، مولانا عبدالرزاق کانپوری، اور مولانا حکیم مومن سجاد وغیرہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

محدث سورتی کے برادر خورد مولانا عبداللطیف تکمیل علوم کے بعد پورے طور پر تجارت کی جانب راغب ہوگئے تھے اور حکیم خلیل الرحمٰن کے مشورہ سے روہیلکھنڈ کے ایک ضلع پیلی بھیت میں جو بہتات جنگلات کی بنائ پر ہندوستان میں مشہور تھا مستقل رہائش

اختیار کرلی تھی۔ مدرسۂ فیض عام میں تقرر کے دوران مولانا وصی احمد اکثر و بیشتر پیلی بھیت تشریف لے جایا کرتے تھے جہاں آپ کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

تکمیل طب

لکھنؤ روانگی:

مدرسۂ فیض عام میں ملازمت کے دوران ہی مولانا وصی احمد نے علم طب کے حصول کی جانب توجہ فرمائی اور لکھنؤ جھوائی میں ٹولہ کے معروف طبیب حکیم عبدالعزیز کی کتابوں سے استفادہ شروع کیا۔ ابتداء میں تو حکیم عبدالعزیز سے مولانا وصی احمد بذریعہ خط و کتابت معلومات حاصل کرتے رہے لیکن جب حکیم عبدالعزیز نے مولانا کی رغبت کا اندازہ لگایا تو لکھنؤ طلب کرلیا۔ جہاں مولانا وصی احمد نے تقریباً چھ ماہ حکیم عبدالعزیز کے نائب کی حیثیت سے ان کے مطب میں خدمات انجام دیں اور سند حاصل کر کے واپس کانپور آ گئے۔ پیلی بھیت کے حکیم خلیل الرحمٰن نے بھی حکیم عبدالعزیز سے تعلیم حاصل کی تھی۔ حکیم عبدالعزیز نہایت خلیق اور پابند شریعت بزرگ تھے۔ آپ کا شمار لکھنؤ کے نامی گرامی اطبائ میں ہوتا تھا آپنے ۱۹۰۲ء میں لکھنؤ میں تکمیل الطب کالج قائم کیا اور ۱۳۲۹ھ میں انتقال کیا۔

(1)

مولانا وصی احمد محدث سورتی کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ نے بڑی شفا عطا فرمائی تھی۔ مریض دور دروز سے آپ کو خطوط لکھتے اور مرض کی نوعیت بیان کر کے نسخہ منگواتے تھے۔ حکیم مقصود حسن خان پیلی بھیتی (متوفی ۴؍ اکتوبر ۱۹۶۵ء) فرمایا کرتے تھے کہ محدث سورتی کے کتب خانہ میں حدیث و فقہ کے علاوہ علم طب پر تقریباً ایک ہزار نادر و نایاب کتابیں تھیں جو آپ نے برسوں کی تلاش و جستجو کے بعد جمع کی تھیں۔ ان کتابوں میں چند نسخے عہد مغیہ سے قبل ہندوستان میں شائع ہوئے تھے۔ جن کو عربی سے فارسی میں ترجمہ کرایا گیا تھا یہ کتب خانہ تقسیم ہند تک پیلی بھیت میں موجود تھا۔ لیکن بعد میں ہنگاموں اور افراتفری کی نذر ہو گیا۔ کچھ کتابیں پیلی بھیت کے مقتدر حضرات کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ شاہ مانا میاں قادری چشتی پیلی بھیتی نبیرۂ حضرت محدث سورتی نے کچھ کتابیں اپنے برادرِ خورد مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی کو ارسال کر دی تھیں جو مولانا کے کتب خانے میں بحفاظت موجود ہیں۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی اور حکیم عبدالعزیز کے درمیان استادی شاگردی کے رشتہ کے علاوہ برادرانہ مراسم قائم ہو گئے تھے۔ اور محدث سورتی کے اکثر تلامذہ کو حکیم عبدالعزیز سے سند طب حاصل کرنے کا شرف حاصل ہے۔ مولانا وصی احمد کے صاحبزادے سے سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد نے بھی حکیم

---

1 رموز الاطباء جلد اوّل ۱۳۵، حکیم محمد فیروز الدین۔ اسٹیم پریس لاہور (نزہۃ الخواطر جلد ہشتم، مؤلفہ حکیم عبد الحئی میں بھی آپ کے تفصیلی حالات موجود ہیں)

عبدالعزیز سے طب کی تکمیل کی تھی اور تقریباً دو سال تک آپ کے مطب میں طبیب شریک کی حیثیت سے خدمات انجام دی تھیں۔ طبابت مولانا وصی احمد محدث سورتی کی تین نسلوں تک جاری رہی۔ آپ کے پوتے مولانا شاہ مانا میاں قادری چشتی پیلی بھیتی اور مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نے بھی باقاعدہ طبّی تعلیم حاصل کی تھی اور دونوں حضرات پیلی بھیت اور کراچی میں سورتی دواخانہ کے نام سے ۱۹۷۶ء تک مطب کیا کرتے تھے۔

دورۂ حدیث

سہارنپور روانگی:

مولانا وصی احمد محدث سورتی ہر سال اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ مدرسۂ فیض عام کے زمانہ تدریس میں آپ نے نسائی شریف پر حاشیہ لکھنا شروع کیا اور اس سلسلہ میں وقتاً فوقتاً اپنے پیر و مرشد سے مشورہ فرماتے۔ ۱۲۹۳ھ میں جب محدث سورتی اس حاشیہ کی تکمیل کے مراحل میں تھے تو آپ کی علم حدیث سے رغبت دیکھ کر حضرت شاہ فضل رحمٰن نے آپ کو محدث جلیل حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا کیونکہ اس زمانے میں ہندوستان کے علمائے احناف میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے بڑھ کر علم حدیث کا کوئی عالم موجود نہ تھا۔ اور تمام اکابر علمائے آپ کے شاگرد تھے۔ مولانا وصی احمد نے ۱۳۹۴ء

میں مدرسۂ فیض عام کی ملازمت ترک کر کے سہارنپور کا سفر اختیار کیا جہاں استاذ الاساتذہ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کا چشمہ فیض مظاہر العلوم میں جاری تھا۔

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اپنے دیرینہ دوست اور ہندوستان کے استاذ اجل مولانا لطف اللہ علیگڑھی کی زبانی مولانا وصی احمد کی لیاقت و فراست کے بارے میں بہت کچھ سن چکے تھے چنانچہ آپ نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ آپ کو خوش آمدید کہا۔ سہارنپور حاضری کے وقت مولانا وصی احمد محدث سورتی کی عمر اور حیثیت چونکہ عام طالب علموں کے مقابلے میں بالکل مختلف تھی۔ آپ کو حضرت شاہ فضل رحمٰن اور مولانا لطف اللہ علیگڑھی سے علم حدیث کی اسناد مل چکی تھیں اور علمی تبحر کا یہ عالم تھا کہ عام استاد بات کرتے کتراتے تھے۔ خصوصاً مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا احمد حسن کانپوری تمام فقہی معاملات میں آپ کی رائے کو اوّلیت دیا کرتے تھے۔ اس لئے مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے بھی مولانا وصی احمد کے ساتھ عام طالب علموں سے ہٹ کر خصوصی برتاؤ کیا۔ مدرسہ کے قریب ہی ایک کمرہ رہائش کیلئے مخصوص فرمایا اور درسِ عام میں شرکت سے ممانعت کی۔ کہا کہ ہر روز نماز مغرب کے بعد ایک حدیث سنا دیا کرو، یہی کافی ہے۔ اب آپ کی عمر مطالعہ میں اضافہ کی ہے۔ مدرسہ کے کتب خانہ کے استفادہ کریں۔ تاکہ آئندہ درس و تدریس میں سہولت پیدا ہو۔(1)

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری:

---

[1] مکتوب مولانا عبدالحنان سورتی بنام مولانا حکیم قاری احمد، مملوکہ خواجہ رضی حیدر۔

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اپنے زمانہ میں علم حدیث کے امام تسلیم کئے جاتے ہیں۔ شاہ اسحٰق محدث دہلوی کے بعد ہندوستان میں آپ کو وہ مرکزیت اور امتیاز حاصل تھا کہ تکمیل علوم کے بعد درس حدیث اور اجازت حدیث کیلئے اکثر علمائ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اس عہد کا مشکل سے کوئی ممتاز عالم ہوگا جس نے مولانا سے حدیث کی سند واجازت حاصل نہ کی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آج برصغیر میں محدثین کے جتنے سلسلے ہیں ان میں سے بیشتر کی سند مولانا احمد علی محدث سہارنپوری تک پہنچتی ہے۔ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری ۱۲۲۵ھ میں بمقام سہارنپور پیدا ہوئے۔ مریٹھ میں قرآن حکیم حفظ کرلیا ۔اور مولانا شیخ وجیہہ الدین صدیقی سہارنپوری اور مولانا عبدالحئ تلمیذ مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی سے حدیث کی سند حاصل کی پھر ۱۲۶۱ھ میں مکہ معظمہ جاکر حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلوی سے دوبارہ حدیث پڑھی اور سند واجازت حاصل کی۔ ۱۲۶۲ھ میں حجاز سے واپس آکرایک ''مطبع احمدی'' قائم کیا جہاں سے ۱۲۶۵ھ بمطابق ۱۸۴۸ء میں جامع ترمذی ۱۲۶۷ھ بمطابق ۱۸۵۰ء میں صحیح بخاری اور ۱۲۷۱ھ میں مشکوٰۃ المصابیح شائع ہوئی۔ ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی میں یہ مطبع تباہ ہوگیا۔ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری ان حالات میں دہلی سے ہجرت کرکے کلکتہ چلے گئے جہاں آپ نے مسجد حافظ جمال دین میں تقریباً دس سال قیام کیا۔ اور درس حدیث دیتے رہے ۱۲۸۳ھ بمطابق ۱۸۶۶ء میں مولوی سعادت علی سہارنپوری ان حالات میں دہلی سے ہجرت کرکے کلکتہ چلے گئے جہاں آپ نے مسجد حافظ جمال دین میں تقریباً دس سال قیام کیا۔ اور درس حدیث دیتے رہے۔ ۱۲۸۳ھ بمطابق

۱۸۶۶ء میں مولوی سعادت علی سہارنپوری نے مظاہر العلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا چنانچہ مولانا احمد علی کلکتہ سے سہارنپور تشریف لے آئے اور آخر وقت تک اسی مدرسہ میں حدیث شریف کی تعلیم دیتے رہے۔ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی وابستگی کی بناء پر مظاہر العلوم ہندوستان کی مشہور اسلامی درسگاہ کی حیثیت سے مقبول ہوا اور بڑے نامور علماء پیدا کئے۔ (1)

علامہ سید سلیمان ندوی نے ''حیات شبلی'' میں لکھا ہے کہ مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ استاذ مرحوم مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے بیس برس کامل بخاری کی تصحیح و تحشیہ میں بسر کئے۔ اس زمانے میں اکثر بڑے بڑے علماء احناف محدث سہارنپوری کے شاگرد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ عمل اور عمل کے ساتھ دولت کی برکت عطا کی تھی۔ پہلے کتابوں کی تصحیح و طباعت کی پھر دوسری تجارتوں میں مصروف ہوئے۔ بایں ہمہ وہ بیحد منکسر المزاج متواضع اور نیک تھے۔ کبھی مسجد میں امامت نہیں کی چپکے سے مسجد میں جاتے اور جماعت میں شامل ہو کر واپس آجاتے۔ بازار سے سودا خود خرید کر لاتے تھے۔ مولانا شبلی فرماتے تھے کہ ایک دفعہ بازار میں مولانا کو میں نے دیکھا تو پیچھے پیچھے ہو لیا کہ سودا میں لے لوں مگر مولانا کسی طرح اس پر راضی نہ ہوئے اور خود اپنے ہاتھ سے سودا لے کر گھر تک گئے۔(2)

---

1 استاذ العلماء محدث سہارنپوری ص ۲، مضمون خواجہ رضی حیدر، حیدر آباد مطبوعہ روزنامہ حریّت کراچی۔ ۳۰ اپریل ۱۹۷۷ء

2 حیات شبلی ص ۸۴ تا ۸۶۔ مولانا سید سلیمان ندوی مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء

یکم جمادی الاوّل ۱۲۹۷ھ کو آپ پر فالج کا شدید حملہ ہوا۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی کو اطلاع پہنچی تو آپ فوری طور پر لکھنؤ سے اپنے استاد حکیم عبدالعزیز کو ساتھ لے کر سہارنپور پہنچے لیکن ۶؍ جمادی الاوّل ۱۲۹۷ھ بمطابق ۱۹ اپریل ۱۸۷۹ء کو یہ آفتاب علم غروب ہو گیا۔ (1)

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری علیہ الرحمۃ کے تلامذہ میں یہ علماء کرام شامل ہیں۔ مولانا احمد حسن کانپوری۔ مولانا محمد علی مونگیری، پیر مہر علی شاہ گولڑوی، مولانا دیدار علی محدث الوری، مولانا احمد حسن نانوتوی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا امداد اللہ جہاجر مکی، مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی۔

محدث سورتی کو اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے بعد سے زیادہ عقیدت وانسیت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے تھی۔ سہارنپور میں قیام کے دوران چند روز میں ہی آپ مولانا احمد علی کی خصوصی عنایات اور پر اثر شخصیت کے گرویدہ ہو گئے۔ اور اپنا بیشتر وقت مطالعہ یا مولانا سہارنپوری کی صحبت میں بسر کرنے لگے۔ اس زمانہ میں مولانا وصی احمد محدث سورتی کے ہم درس طلبہ میں پنجاب کے مشہور عالمِ دین اور ولی اللہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف اور مولانا ابو محمد دیدار علی الوری شامل تھے۔ مولانا وصی احمد نے تقریباً ۱۲۹۵ھ میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے سند حدیث حاصل کی جبکہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کو بھی مولانا احمد علی نے اسی سال سند

---

1 تاریخ ہندو پاک ص ۱۵۱ مولانا حکیم قاری احمد مطبوعہ ۱۹۷۶ء

عطا کی تھی۔

مولانا فیض احمد فیض نے اپنی کتاب مہر منیر سوانح حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف میں لکھا ہے کہ " حضرت پیر مہر علی شاہ فرماتے تھے کہ مولانا احمد علی کے درس میں دو طالب علم مولانا وصی احمد اور میں حنفی المذہب تھے۔ باقی اکثر و بیشتر طلباء غیر مقلد تھے۔ درس کے دوران اکثر و بیشتر اختلافی مسائل پر بحث چھڑ جاتی تھی اور اللہ کے فضل و کرم سے ہمیشہ حنفی مذہب کی فوقیت ہی ثابت ہوتی۔(1)

مولانا وصی احمد محدث سورتی نے غیر مقلدوں کے ساتھ بعض مباحث اور مکالموں کا اپنی کتاب "تعلیق المجلی فی المنیۃ المصلی" میں تذکرہ کیا ہے۔ طحاوی کے حاشیے پر بھی بعض جگہ مذکورہ واقعات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ مولانا وصی احمد فقہی معاملات اور فہم حدیث میں اپنی نکتہ رسی اور قابلیت کی بناء پر مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے دل میں گھر کر چکے تھے۔ مدرسہ کے تنظیمی معاملات سے لے کر استفسارات کے جوابات تک میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اپنے اس عزیز شاگرد کی رائے کو اوّلیت دیتے مولانا وصی احمد کے ساتھ مولانا احمد علی کا یہ خصوصی برتاؤ ہر چند کے غیر مقلد طلبہ کیلئے بڑا سوہانِ روح تھا۔ لیکن مولانا نے ہمیشہ انصاف کو پیش نظر رکھا یہی وجہ ہے کہ مولانا وصی احمد محدث سورتی اپنی کتابوں میں اساتذہ کا ذکر نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ کرتے ہیں۔

---

1 مہر منیر ص ۸۲، مولانا فیض احمد فیض، مطبوعہ گولڑہ شریف ۱۹۷۳ء

محدث سورتی مقدمہ شرح معانی الآثار میں لکھتے ہیں کہ جب میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد رخصت ہوا تو رَضِیَ عَنِّی وَ رَضِیْتُ عَنْہُ (وہ مجھ سے راضی تھے اور میں ان سے راضی تھا) مولانا شاہ حسین گردیزی اپنے رسالہ رجال السنہ میں شرح معانی الآثار کی یہ عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی علماء اہلسنّت اور خصوصاً محدث سورتی جیسے سخت گیر اور متسلب سنی کے ساتھ اتنی دل بستگی اور تعلق خاطر سے ان کی قلبی کیفیت اور مسلک کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔(1)

تعلیق المجلّٰی میں ایک حدیث کی وضاحت کے ضمن میں مولانا وصی احمد نے مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کو ان القاب و آداب کے ساتھ یاد کیا ہے۔ "شیخ المحدث رحمۃ اللہ خاتمہ المحدثین الفقیہ الوجیہ والمحدث النبیہ مولانا وسیدنا الحافظ احمد علی السہارنفوری۔" (2)

قسمت کی ستم ظریفی کہ مولانا وصی احمد محدث سورتی کو مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے صرف تین سال تک شرفِ صحبت حاصل رہا کیونکہ مولانا وصی احمد وک سند حدیث ملنے کے دو سال بعد ہی مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے۔ لیکن محدث سورتی کا روحانی تعلق ہمیشہ برقرار رہا۔اور آپ اپنے استاد کا تذکرہ نہایت عقیدت

---

1 رجال السنّہ ص ۲۰، شاہ حسین گردیزی، مطبوعہ سورتی اکیڈمی اپریل ۱۹۷۸ء

2 تعلیق المجلّٰی ص ۳۹۴

واحترام کے ساتھ کرتے رہے مولانا قاری احمد نے لکھا ہے کہ مولانا وصی احمد محدث اکثر درس حدیث کے دروان اپنے استاد مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے حوالہ سے طلبہ سے گفتگو فرماتے اور ایسے موقع پر بیشتر آپ پر رقت طاری ہو جاتی اور درس حدیث روک کر طلبہ کے ہمراہ اپنے استاد کی مغفرت کیلئے دعا کرتے۔(1)

محدث سورتی علیہ الرحمۃ کی سند حدیث:

حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ نے تین اساتذہ سے حدیثِ نبوی ﷺ کی قرأت و سماعت فرمائی اور اسناد حدیث حاصل کیں۔ مولانا لطف اللہ علیگڑھی علیہ الرحمۃ، مولانا احمد علی محدث سہارنپوری علیہ الرحمۃ اور مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی علیہ الرحمۃ، آپ کی سند مولانا لطف اللہ علیگڑھی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری علیہ الرحمۃ کے ذریعے تین وسائط سے اور شاہ فضل رحمٰن کے ذریعے تین وسائط سے اور شاہ فضل رحمٰن علیہ الرحمۃ کے ذریعے دو وسائط سے شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ تک پہنچتی ہے جبکہ امام بخاری تک آپ کی سند سترہ اور اٹھارہ وسائط سے پہنچتی ہے۔ محدث سورتی علیہ الرحمۃ کی مکمل سند حدیث یہ ہے۔

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی علیہ الرحمۃ شاہ عبدالعزیز محدث سورتی علیہ الرحمۃ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شیخ ابو طاہر مدنی علیہ الرحمۃ، شیخ ابراہیم کردی علیہ الرحمۃ، شیخ احمد قشاشی علیہ الرحمۃ، الشمس محمد نب احمد الرملی علیہ الرحمۃ، الزین ذکریا

---

1 مولانا قاری احمد کی یادداشتیں

الانصاری علیہ الرحمۃ، حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ، ابراہیم احمد التنوخی المعروف بالبراہن الشامی علیہ الرحمۃ، الشیخ احمد بن ابن طالب بحلاج علیہ الرحمۃ، ابو عبداللہ الحسین بن مبارک الزبیدی البغدادی علیہ الرحمۃ، ابو الوقت عبدالاول بن عیسیٰ بن شعیب بن اسحاق السنجری الصوفی الہروی علیہ الرحمۃ، جمال الاسلام ابو الحسن عبدالرحمٰن بن محمد الرادادی علیہ الرحمۃ، ابو محمد عبداللہ بن مطر الغریری علیہ الرحمۃ، ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بخاری علیہ الرحمۃ۔

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری علیہ الرحمۃ کی سند شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی کے ذریعہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ تک جاتی ہے۔ جبکہ مولانا لطف اللہ علی گڑھی علیہ الرحمۃ کی سند مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی علیہ الرحمۃ سے شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی تک پہنچتی ہے۔

علماء کے وفد کی قیادت:

مولانا وصی احمد محدث سورتی نے ۱۲۹۵ھ بمطابق ۱۸۷۸ء میں مظاہر العلوم سہارنپور سے سند حاصل کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پورے ہندوستان پر شدید قنوطیت طاری تھی۔ خصوصاً مسلمان حشمت واقتدار سے محروم ہونے کے بعد بڑے کرب کی زندگی گزار رہے تھے۔ اس وقت تک انگریزوں کو ہندوستان پر مکمل تسلط قائم کئے ہوئے بیس بائیس سال کا عرصہ ہو گیا تھا لیکن ابھی تک ہندوستان کی سیاسی اور سماجی سرگرمیاں بحال نہیں ہوئی تھیں۔ صرف ایک گورنر جنرل کی کونسل تھی جو انگریزی اقتدار کے قدم جمانے کیلئے وقتاً

فوقتاً فیصلے صادر کرتی رہتی تھی۔ تعلیمی میدان میں مسلمان ابھی ہندوؤں سے کہیں پیچھے تھے اراس بات کا احساس اس زمانہ کے تمام رہنماؤں کو بڑی شدّت کے ساتھ تھا جدید تعلیم کے ضمن میں سر سید احمد خان اور سر امیر علی نے جبکہ مذہبی تعلیم کے ضمن میں شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی اومولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے اس قنوطیت زدہ ماحول میں فروغ تعلیم کی راہ نکالی اور فلاح قومی کی بناء ڈالی۔ سر سید احمد خان برصغیر کے مسلمانوں کو جدید تعلیم کی جانب رغبت دلانے کیلیئے ۸ء جنوری ۱۸۷۷ء بمطابق ۲۲ء ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ کو علیگڑھ میں محمڈن اینگلواورینٹل کالج کی بنیاد ڈال چکے تھے۔ ۱۸۷۶ء میں سر امیر علی نے سینٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی تھی جو بعد میں ایک مجلس مذاکرہ کی شکل اختیار کر گئی۔ اس کے علاوہ کانپور میں مولانا عنایت احمد کاکوروی کی نگرانی میں شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے ہاتھوں مدرسۂ فیض عام کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ اور سہارنپور کے مدرسہ مظاہر العلوم میں تعلیم کا آغاز ہو چکا تھا۔ اگرچہ مولانا قاسم نانوتوی بھی دیوبند میں دارالعلوم کی بنیاد ڈال چکے تھے لیکن اس کے باوجود علم دین کا وہ غلغلہ سنائی نہیں دیتا تھا جو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے عہد کا طرۂ امتیاز تھا۔ ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں برصغیر کے دینی مراکز و مدارس کو شدید بحران کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک اندازہ کے مطابق جہادِ آزادی کی ناکامی کے بعد تقریباً دس ہزار مذہبی مدارس بند ہو گئے۔ حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی اور مولانا احمد لعی محدث سہارنپوری کو اس صورتحال کا نہ صرف شدید احساس تھا بلکہ شدید غم بھی تھا۔ چنانچہ آپ نے باہم مشورہ سے ۱۸۷۸ء بمطابق ۱۲۹۵ھ میں علماء کی ایک جماعت تشکیل دی تا کہ

یہ جماعت بر صغیر کے طول و عرض کا دورہ کر کے از سر نو دینی مدارس کی تنظیم کا فریضہ انجام دے سکے۔ جامع امدادیہ کشور گنج سابق مشرقی پاکستان کے ناظم اعلیٰ اور مولوی اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مولانا اطہر علی (متوفی ۱۹۷۶) نے جامع کی رپورٹ مطبوعہ ۱۹۶۲ء میں لکھا ہے کہ اس مختصر وفد کے راکین میں مولانا محمد علی وعظ، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا حسن الدین سلہٹی اور مولانا محدم علی مونگیری کے نام خاص طور پر مشہور ہیں۔ اس وفد کے قائد مولانا وصی احمد محدث سورتی تھے۔ جن کی قیادت میں وفد نے تینماہ تک ملک کے تمام گوشوں کا دورہ کیا خصوصاً مشرق میں ڈھاکہ، سلہٹ، چاٹگا، نواکھالی میمن سنگھ کشر گنج اور مغرب میں ملتان، لاہور اور پشاور کا دورہ کرتا رہا۔(1)

اگر ۱۸۵۷ء کے بعد بر صغیر کے مسلمانوں کی ملی تحریک کا جائزہ لیا جائے تو اس سیاسی اور مذہبی گھٹن کے دور میں علماء کی یہ جماعت امید کی پہلی کرن ثابت ہوئی۔ کیونکہ اس جماعت کا پورے ہندوستان میں جس طرح استقبال کیا گیا اور جماعت کو اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل ہوئی اس نے محکوم مسلمانوں کے حوصلے جوان کر دیئے۔ مصلحتوں کے خول میں زندہ رہنے والے مسلمان رہنما بلند آہنگ ہو گئے اور انہوں نے مسلمانوں کے حقوق کیلئے جدوجہد شروع کی اور بالآخر یہ جدوجہد ہندوستان کی اجتماعی آزادی پر ختم ہوئی۔

---

1 سالانہ رپورٹ جامع امدادیہ کشور گنج ص۱۶، مطبوعہ کشور گنج میمن سنگھ ۱۹۶۲ء

پیلی بھیت آمد

شادی اور پیلی بھیت آمد:

مولانا وصی احمد محدث سورتی کی عملی زندگی کا فی الحقیقت آغاز ۱۲۹۶ھ سے ہوتا ہے آپ کی قیادت میں علماء کے وفد کی ہندوستان گیر کامیابی نے آپ کی مقبولیت اور شہرت میں خصوصی اضافہ کیا۔ طالبانِ علم خصوصیت کے ساتھ آپ کی جانب رجوع کرنے لگے۔ اس وقت مولانا وصی احمد کی عمر ۴۲سال ہو چکی تھی۔ اور آپ ہنوز غیر شادی شدہ تھے۔ جبکہ آپ کے برادر خوردار مولانا عبداللطیف سورتی کی شادی حکیم خلیل الرحمٰن پیلی بھیتی کے مشورہ پر پیلی بھیت میں ہو چکی تھی۔ مولانا وصی احمد سورتی جب ہندوستان کے دورہ کی تکمیل پر کانپور پہنچے تو مولانا احمد حسن کانپوری نے آپ کو شادی کا مشورہ دیا۔ چنانچہ مسجد نیر نگیان کانپور کے ایک نمازی میر عنائت نے جو مسجد کے قریب ہی مقیم تھے اپنی بڑی لڑکی کیلئے خواہش ظاہر کی۔ مولانا احمد حسن کانپوری اور میر عنائت حسین کے درمیان بڑے دیرینہ مراسم تھے اور دونوں حضرات ایک دوسرے کو عزت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ میر عنائت حسین نے ریاست جھالراداڑہ سے ترکِ سکونت کرکے کانپور کو وطن بنالیا تھا۔ اور کانپور کے متموّل افراد میں شمار ہوتے تھے۔ مولانا احمد حسن کانپوری نے اس رشتہ کو قبول کرتے ہوئے منظوری دے دی اور میر عیانت حسین کی صاحبزادی محترمہ لطیف النساء سے

مولانا وصی احمد محدث سورتی کا عقد ہو گیا۔ (1)

شادی کے بعد مولانا وصی احمد نے کچھ دن کانپور میں قیام کیا۔ بعد میں بھائی کی فرمائش اور تقاضہ پر پیلی بھیت چلے گئے۔ حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے بھی پیلی بھیت میں قیام کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور حکم دیا کہ پیلی بھیت میں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھو تاکہ روہیلکھنڈ کی اس مرکزی آبادی میں بھی علم و فضل کا چرچا عام ہو۔

پیلی بھیت کا پس منظر:

ہندوستان کے صوبہ یوپی میں نیپال کی ترائی میں قدیم شہر ہے۔ حافظ رحمت خان روہیلہ نے یہ شہر ۱۷۶۲ء میں آباد کیا تھا۔ اور اس کا نام حافظ آباد رکھا گیا تھا۔ بعد میں حافظ رحمت خان روہیلہ کے حکم پر ایک فصیل شہر کے اطراف سے نکلنے والی پیلی مٹی کی تعمیر کروائی گئی جس کی بناء پر یہ شہر حافظ آباد پیلی بھیت ہو گیا۔ کیونکہ ہندی اور سندھی میں بھیت دیوار کو کہتے ہیں جو اردو میں آکر بھیت ہو گیا۔ حافظ رحمت خان کی آمد سے قبل اس علاقہ پر بنجاروں کی آبادی تھی۔ سترھویں صدی عیسوی میں یہاں حافظ رحمت خان اور ان کے جانشینوں نے افغانی طرز کی عمارات تعمیر کیں۔ حافظ رحمت خان نے شہر کے وسط میں ایک

---

1 مکتوب حسن رضا بیگ دختر زادہ محدث سورتی مقیم رامپور بنام خواجہ رضی حیدر۔

جامع مسجد بنوائی جو اپنی وضع قطع کے اعتبار سے فنِ تعمیر کا ایک نادر نمونہ ہے۔(1) پیلی بھیت میں ہندو کائستوں اور بنجاروں کے علاوہ مسلمان پٹھانوں، پنجابی سوداگروں اور سیدوں کی اکثریت ہے۔

۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی میں پیلی بھیت کی حیثیت ایک پرگنہ کی تھی اور اس وقت یہاں ایک انگریز مجسٹیرٹ مسٹر کارمیکل متعین تھا۔ اتفاق سے جہادِ آزادی کے آغاز پر وہ پیلی بھیت میں موجود نہیں تھا بلکہ نینی تال مین تھا جیسے ہی اسے میرٹھ اور دیگر علاقوں کے واقعات کا علم ہوا تو اس نے پیلی بھیت پہنچ کر مجاہدین کی سرکوبی کیلئےئ پولیس اور سوار بھرتی کئے۔ اس وقت پیلی بھیت کے مسلمانوں میں انگریزوں کے خلاف بہت جوش و خروش تھا۔ گزٹیپر پیلی بھیت میں لکھا ہے کہ مسلمانان پیلی بھیت بہت جوش کی حالت میں تھے جس کا اندازہ ان اشتہارات سے ہوتا ہے جو عید کے دن جامع مسجد اور عید گاہ میں چسپاں کئے گئے تھے۔ مگر اس سے قبل کہ پیلی بھیت میں کوئی معرکہ ہوتا یکم جون ۱۸۵۷ء کو مسٹر کارمیکل کو

---

1 جامع مسجد پیلی بھیت اپنی خوبصورتی اور بناوٹ کے اعتبار سے جامع مسجد دہلی کا نمونہ ہے حافظ الملک نواب حافظ رحمت خان روہیلہ ۱۱۸۰ھ میں اپنی والدہ کے انتقال کی اطلاع پا کر دہلیل سے براستہ مراد آباد و بریلی پیلی بھیت تشریف لائے اور کچھ عرصہ پیلی بھیت میں قیام کیا۔ اس دوران آپ کو پیلی بھیت میں جامع مسجد دہلی کی طرز پر ایک مسجد کی تعمیر کا خیال آیا۔ اور آپ نے مسدج کی تعمیر شروع کرائی۔ اس زمانہ میں راجپوتانہ سے قحط زدہ مارواڑیوں کی ایک بڑی تعداد پیلی بھیت کے اطراف آکر آباد ہو گئی تھی۔ چنانچہ ان مارواڑیوں کو مزدوری پر کام لگا دیا گیا۔ اور یہ مسجد ایک سال کے اندر مکمل ہو گئی۔ "المسجد بیت المتقلین" سے مسجد کی تکمیل کا مادۂ تاریخ ۱۱۸۱ھ نکلتا ہے۔ (مزید تفصیل کیلئے دیکھیں مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی کا مضمون حافظ املک کی واپسی، مطبوعہ ماہنامہ پیام حق ستمبر ۱۹۶۷ء۔ کراچی۔

بریلی کے واقعات کا علم ہوا کہ وہاں خان بہادر خان کی حکومت قائم ہو گئی ہے اور انگریز افسر بریلی سے فرار ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اس نے فوری طور پر اپنے بیوی بچے پولیس کی حفاظت میں نینی تال بھیج دیئے۔اور بعد میں کود بھی دیگر افسران کے ساتھ نینی تال فرار ہو گیا۔ نتیجتاً پیلی بھیت سے انگریز کی عملداری کتم ہو گئی اور خان بہادر خان کی حکومت قائم ہو گئی۔ پیلی بھیت کے پٹھانوں کی بڑی تعداد جنرل بخت خان روہیلہ کی قیادت میں دہلی کیلیئے روانہ ہو چکی تھی۔ باقی کچھ سو افراد بریلی پہنچ گئے تا کہ نواب خان بہادر خان کی حفاظت کر سکیں۔ایسے حالات میں پیلی بھیت کا شہر نوجوانوں اور فنِ حرب کے ماہرین سے تقریباً خالی ہو چکا تھا پیلی بھیت کے قرب وجوار میں آباد ہندو آبادیاں جو حافظ رحمت خان اور ان کے جانشینوں کے ہاتھ کئی مرتبہ حزیمت اٹھا چکی تھیں انہوں نے یہ موقع غنیمت جانا اور پیلی بھیت پر قبضہ کر لینے کے منصوبے بنانے لگیں اس وقت پیلی بھیت میں خان بہادر خان کے ایک قریبی عزیز نواب بشیر خان ان کے نائب کی حیثیت سے شہر کے انتظام اور اس کی حفاظت کے ذمہ دار تھے۔

پیلی بھیت کے ایک سیاسی کارکن محمد عمر خان ایڈوکیٹ اپنی کتاب دو قومی نظریہ میں ۱۸۵۷ء کے واقعات ی تفصیل میں لکھا ہے کہ ”ہندوؤں نے پیلی بھیت کو جب پٹھان فوجوں سے خالی پایا تو ان کے دل مین شہر پر قبضہ کر لینے کی امنگ پیدا ہوئی۔ پیلی بھیت سے چند میل کے فاصلے پر ہندوؤں کی ایک قوم کرومی آباد تھی اور اس کے سربراہ کا نام ذوقی رام تھا۔اس نے اس سلسلے میں اہم کردار ادا کیا اور بشیر خان کو ایک خط لکھا کہ پیلی بھیت کی عنانِ

حکومت ہمارے سپرد کردی جائے ورنہ ہم شہر پر حملہ کردیں گے۔اس صورتحال کے پیش نظر پیلی بھیت کے باقی ماندہ مسلمانوں نے دوسوافراد پر مشتمل ایک جماعت تیار کی اور پیلی بھیت سے چند میل دور کمر پورہ کے مقام پر آٹھ ہزار ہندوؤں سے مقابلہ ہوا جس میں مسلمانوں کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔اور ذوقی رام مارا گیا۔(1)

مسلمانوں کی اس تمام کامیابی کا سہرہ پیلی بھیت کے پٹھانوں کے سر تھا جو ہمیشہ سے جرأت و بہادری کے مظاہرے کرتے چلے آئے ہیں۔

پیلی بھیت میں علم دین کا شہرہ ہندوستان کے دیگر شہروں کے مقابلے میں کم تھا۔ مگر صوفیائ کی ایک بڑی اکثریت اس شہر میں ہمیشہ سے موجود تھی۔حافظ رحمت خان کے دورِ حکومت میں شاہ کلیم اللہ شاہ میاں کے مجاہدۂ باطنی کی شہرت عام تھی۔اور حافظ رحمت خان بھی آپ کے عقیدت مندوں میں شامل تھے۔اس کے علاوہ جہادِ آزادی ۱۸۵۷ء میں جو صوفیاء پیلی بھیت میں مقیم تھے ان میں شاہ نعمت اللہ شاہ میاں نقشبندی، شاہ لطف اللہ شاہ میاں، شاہ سبحان شاہ میاں او شاہ مستان شاہ میاں کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔شاہ نعمت اللہ شاہ میاں ہر وقت استغراق کے عالم میں رہتے تھے۔اور جہادِ آزادی سے کئی سال قبل اپنے گلے پر انگلی پھیر پھیر کر فرماتے تھے کہ مخلوق پر قتل ہے، مخلوق پر تباہی ہے۔ان تمام صوفیاء کرام کے مقابر پیلی بھیت میں موجود ہیں۔اور عوام الناس کی آج بھی توجہ کا مرکز ہیں۔

---

1 محمد عمر خان ایڈوکیٹ پیلی بھیتی ص ۵۶ تا ۶۰، دو قومی نظریہ مطبوعہ پشاور ۱۹۶۷ء

علماء میں مولانا احمد رضا خان کے والد مولانا نقی علی خان کی شخصیت ایسی تھی جس کو پیلی بھیت کے عوام الناس قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مولانا نقی علی خان اکثر بریلی سے پیلی بھیت تشریف لاتے اور خصوصاً میلاد کی محافل مین شرکت کرتے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے مذہبی حلقوں میں پیلی بھیت کو مرکزی حیثیت مولانا وصی احمد محدث سورتی کے قیام پیلی بھیت کے بعد حاصل ہوئی اور اس شہر کا نام ہندوستان کی مزہبی اور سیاسی تاریخ میں زندہ وجاوید ہو گیا۔

حافظ العلوم سے وابستگی:

حافظ الملک حافظ رحمت خان روہیلہ نے جامع مسجد پیلی بھیت میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔ جس کا نام حافظ العلوم رکھا گیا۔ اس مدرسہ میں ابتدائی طور پر قرآن حکیم کی ناظرہ کی تعلیم کا انتظام تھا۔ لیکن بعد میں طالبان علم کی ضرورتوں کے پیش نظر عربی، فارسی، حدیث و تفسیر، فقہ اور اصولِ فقہ کی تعلیم کا بھی انتظام کر دیا گیا۔ اس مدرسہ کے پہلے مدرس مولانا حافظ سعد اللہ تھے جبکہ قرآن حکیم کے ناظرہ کی ذمہ داری مولانا محمد موسیٰ کے سپرد تھی۔ ۱۲۹۷ھ میں مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ جب پیلی بھیت پہنچے تو عمائدین اور علماء شہر نے آپ کا شاندار استقبال کیا اور جامع مسجد پیلی بھیت میں قائم مدرسہ حافظ العلوم میں صدر مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر فرمادیا پیلی بھیت میں اس وقت تک علم حدیث کا کوئی ایسا عالم موجود نہیں تھا۔ جو دورۂ حدیث کی ذمہ داری بھی پوری کر سکے۔ چنانچہ مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ کی آمد سے علم حدیث کا چرچا عام ہوا۔ اور طلبہ کی

ایک کثیر تعداد آپ کے درس میں شامل ہونے لگی۔ابتدائی طور پر آپ کے درس میں شامل ہونے والے طلبہ میں مولانا حافظ فضل حق، مولانا ضیائ الدین پیلی بھیتی، مولانا عبدالحئ پیلی بھیتی، مولانا صفدر علی خان عرف پشاوری، مولانا عبدالحق پنجابی اور مولانا عتیق احمد پیلی بھیتی وغیرہ کا نام ملتا ہے۔ان تمام طلباء نے حضرت محدث سورتی کی زنگدی ہی میں علم و فضل میں کمال حاصل کر لیا تھا کہ دور دور تک ان کی شہرت عام ہو گئی تھی۔

مولانا وصی احمد نے پندرہ سال حافظ العلوم میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔اس دوران آپ نے تصنیف وتالیف کی جانب بھی توجہ دی اور جلالین و بیجاوی کی تفسیر شروع کی ، محدث سورتی چونکہ حنفی المسلک تھے اس لئے مخصوص غیر مقلد وہابی اور اہل حدیث کے عقائد کا رد فرماتے تھے۔ تقلید کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیتے اور فقہ حنفی کے حق میں مدلّل ثبوت پیش کرتے۔

محدث سورتی کی خدمات

مدرسۃالحدیث کا قیام:

مولانا وصی احمد محدث سورتی ۱۳۱۴ھ تک حافظ العلوم سے بحیثیت شیخ الحدیث وابستہ رہے۔اس دوران آپ کی تصنیف وتالیف کی سرگرمیوں اور تبلیغی دوروں میں بڑی حد تک اضافہ ہو گیا تھا اور آپ پورا وقت حافظ العلوم میں نہیں دے پاتے تے چنانچہ آپ نے حافظ العلوم سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا آپ کے بردار خورد مولانا عبداللطیف سورتی نے جامع

مسجد پیلی بھیت سے کچھ فاصلہ پر محلہ منیر خان میں حضرت محدث سورتی کی رہائش کیلئے ایک مکان خرید لیا تھا جس پر حضرت محدث سورتی اپنے اہل و عیال کے ساتھ مقیم تھے حافظ العلوم سے علیحدگی کے پیش نظر مولانا عبداللطیف سورتی نے جواب پیلی بھیت میں جنگلات کے ٹھیکیدار تھے محدث سورتی کے مکان سے ملحق زمین خرید کر ایک مدرسہ تعمیر کروایا۔ اس مدرسہ سے ملی ہوئی حافظ رحمت خان کے سالا شیخ کبیر کی مسجد اور قبرستان تھا اس قبرستان میں حافظ رحمت خان کی والدہ اور دیگر اعزّہ کی قبور موجود ہیں۔ مولانا عبداللطیف نے جو اس مسجد اور قبرستان کے متوّلی تھے اپنے ذاتی خرچ سے مسجد اور قبرستان کی از سر نو مرمت کروائی تھی۔ مدرسہ کے قیام سے مسجد کی رونق میں اضافہ ہو گیا۔ اس مسجد میں حضرت محدث سورتی نے اپنے وصال تک امامت کے فرائض انجام دیئے۔ آپ کی غیر موجودگی میں مولانا عبداللطیف کے صاحبزادے مولانا عبدالحیٔ پیلی بھیتی یہ فرائض انجام دیتے تھے۔

حضرت محدث سورتی نے اپنے مدرسہ کا نام مدرسۃالحدیث تجویز فرمایا اور اس کا افتتاح نہایت شاندار طریقہ پر ہوا۔ افتتاحی تقریب میں دور دراز سے علماء نے شرکت کی مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ نے افتتاح کے موقع پر فن حدیث پر تقریباً تین گھنٹہ تقریر فرمائی(1)

حضرت محدث سورتی نے حافظ العلوم سے علیحدگی کے وقت اپنے شاگرد عزیز مولانا عبدالحق پیلی بھیتی کو حافظ العلوم کا صدر مدرس مقرر فرمایا جو اس وقت فارغ التحصیل

---

1 مولانا محمود احمد قادری صفحہ ۱۵۵، تذکرۂ علماء اہلسنت مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ

ہونے کے بعد مدرسہ احمدیہ پیلی بھیت میں طالب علموں کو درسِ نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھا رہے تھے۔

مدرسۃ الحدیث کے قیام کا چرچا پورے ہندستان میں بہت جلد عام ہو گیا ور ہر طرف سے طالبانِ علم پیلی بھیت آنے لگے۔ان طالبعلموں میں پنجابی، پٹھان اور بنگالی طالبعلموں کی اکثریت تھی۔ حضرت محدث سورتی نے تقریباً بیس سال اس مدرسہ میں حدیث شریف کا درس دیا اور لا تعداد طالب علم یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر پورے ہندوستان میں پھیل گئے ۱۳۱۷ھ میں پٹنہ کے قاضی عبدالوحید عظیم آبادی نے پٹنہ میں مدرسۂ حنفیہ قائم کیا مدرسہ کی افتتاحی تقریب میں ہندوستان کے نامی گرامی علماء کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا عبدالقیوم بدایونی، مولانا سلامت اللہ رامپوری اور مولانا وصی احمد محدث سورتی نے بھی اس تقریب میں شرکت کی۔ اس موقع پر قاضی عبدالوحید نے حضرت محدث سورتی کو مدرسہ کے صدر مدرس کی حیثیت سے پٹنہ میں قیام کی دعوت دی حضرت محدث سورتی نے اس خدمت کو قبول کر لیا اور پیلی بھیت میں مولانا عبدالقادر بدایونی کے صاحبزادے مولانا عبدالمقتدر بدایونی کو مدرسۃ الحدیث میں دورۂ حدیث کیلئے مامور فرمایا۔ اور خود مدرسۂ حنفیہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔(1)

مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کے فارغ التحصیل طلباء کی رسم دستار بندی کے موقع پر

---

[1] مولانا محمود احمد قادری صفحہ ۱۵۴، تذکرۂ علماء اہلسنت مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ

ہر سال ایک اجلاس منعقد کیا جاتا تھا ان اجلاسوں کی ڈسارت یلئے مقتدر علماء کو دعوت دی جاتی تھی۔ رسالہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ کی ایک رپورٹ کے مطابق ٦ ذی الحجہ ١٣٢٤ھ کو بحمد للہ تعالیٰ مدرسۃ الحدیث واقع محلہ منیر خاں پیلی بھیت کے طلبہ کا امتحان حضرت مولانا مولوی شاہ محمد سلامت اللہ رامپوری دام فیوضہ نے لیا۔ مولوی امجد علی (اعظمی انصاری) نے بصد فراغ کتب درسیہ کے نہایت جانفشانی وکمال مستعدی سے سال بھر صحاح ستہ، مسند شریف، کتاب الآثار شریف، موطا شریف، طحاوی شریف کا قرأۃً سماعۃً درس حاصل کرکے اعلیٰ درجہ کا امتحان دیا۔ جس کے باعث ممتحن صاحب و حاضرین نہایت شاداں اوران کی حسن لیاقت و ذکاوت سے بہت فرحاں ہوئے۔اور دستار فضیلت زیب سر کی گئی۔ مولوی عبد الحئی صاحب و مولوی عبدالرحمٰن صاحب صاحبزادگان جناب عبداللطیف صاحب سورتی مقیم پیلی بھیت نے بھی کتب احادیث سے فراغت حاصل کی اور اچھا امتحان دیا۔ دستار فضیلت ان دونوں صاحبوں کے بھی باندھی گئی۔ یہ سب فیض و حسن تدریس عالم جلیل، فاضل نبیل، خاتم المحدثین، زبدۃ المفسرین، خلاصۃ المحققین، عمدۃ المدرسین، ابجل الفقہا، اکمل الکملا، حضرت مولانا مولوی وصی احمد محدث سورتی مقیم پیلی بھیت مدرس اعلیٰ مدرسۂ مذکورہ دام اللہ تعالیٰ فیوضہ القویہ کا ثمرہ ہے۔ آپ ہر سال کتب احادیث کا بھی ایک ہی سال مین درس دے کر فارغ التحصیل کراتے ہیں۔ چنانچہ یکم محرم ١٣٢٥ھ سے دورۂ کتب احادیث شروع ہو گیا ہے۔ مشکوٰۃ شریف، ترمذی شریف، بخاری شریف طلبہ پڑھ رہے ہیں۔ (1)

---

[1] تحفۂ حنفیہ ۴۴، محرم الحرام ١٣٢٥ھ مطبوعہ پٹنہ بہار۔

اس رپورٹ کے آخر میں ابوالمساکین مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی نے جو اس زمانہ میں رسالہ تحفۂ حنفیہ کے مدیر اعلیٰ تھے ایک قطعۂ تاریخ درج کیا ہے

سنی جب خبر جلسۂ امتحاں کی   ضیا کو ہوئی فکر تاریخ پیدا
خرد نے کہا جہل کا سر اوڑا کر   ہوا واقعی امتحان خوب زیبا

اصلاح عقائد کی جد و جہد:

تیرہویں صدی کے اواخر اور چودھویں صدی کے شروع میں محکوم ہندوستان میں زندگی بے لگام گھوڑے کی طرح سرپٹ دوڑ رہی تھی۔ طمع اور لالچ نے وہ جال پھیلایا تھا کہ ہر شخص اپنے پیر چادر سے باہر دیکھنے کا آرزو مند تھا۔ نت نئے مسائل اور جدّت طبع کی فراوانی تھی۔ خصوصاً مسلمانوں میں حمیت دینی روزہ زوال اور نفس پرستی عام ہو رہی تھی۔ ایسی فضا میں کسی عالم کا روشِ دنیا سے علیحدہ رہنا اور اپنے حالات پر قناعت اختیار کرنا کرامت سے کم نہ تھا۔ پورے ہندوستان میں مغربی افکار کو فروغ دیا جا رہا تھا اور کتاب و سنت کو مسجدوں اور حجروں تک محدود کرنے کی سامراجی سازش اپنے ہی دینی بھائیوں کے ہاتھوں پروان چڑھ رہی تھی اس سازش کے پیر جمانے میں مصلحت کوش علماء، بے دین دانشور اور جاہل عوام سب ہی یکساں مصروف تھے، اعمالِ شریعت اور اوصافِ طریقت پر شرک و بدعت کا لیبل لگا کر سنت اسلاف پر عمر کرنے والوں کو کاف و بدعتی ٹھہرایا جا رہا تھا۔ مصلحت کا یہ حصار کچھ اس قدر وسیع تھا کہ اس میں خود بہت سے نام نہاد صاحب شریعت و طریقت گرفتار تھے۔

سامراجی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کی اس کوشش میں بعض ناعاقبت اندیش علماء تو اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے اسم گرامی کی ادائیگی کو بھی حاضر وغائب کی شرف لگا کر محدود کر دینا چاہا۔ اظہار عقیدت کے ذرائع مسدود کر دینے کی ہاں تک جسارت کی گئی کہ اساتذہ کی دست بوسی بھی خلافِ شریعت قرار پائی۔ غیر فطری سوالات اور مسائل اٹھائے گئے۔ نماز میں رسولِ مقبول ﷺ کا خیال آنا جائز ہے یا ناجائز، رسول اللہ ﷺ کو علم غیب تھا یا نہیں۔ بعد از نماز پیش امام سے مصافحہ کرنا مکروہ ہے یا مسنون، بعد از نماز ذکر بالجہر واجب ہے، یا متروک، بعد از تلاوت قرآن حکیم کو بوسہ دینا حرام ہے یا حلال، غرض کہ مسلمانوں کے سامنے مذہب کو نہایت تنگ و تلخ بنا کر پیش کیا گیا تا کہ مسلمان اکتاہٹ کا شکار ہو کا س روحانی قوت سے کٹ جائیں جو تیرہ سو سال سے ان کی سرخروئی اور افضیلت کا باعث بنی ہوئی تھی۔ ہر چند اس مکروہ تحریک کا آغاز جہاد آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل ہوا تھا لیکن تیرہویں صدی کے اواخر میں اور چودھویں صدی کے شروع میں تحریک اپنی تمام ترکرہتوں اور خباثتوں کے ساتھ منظر عام پر آچکی تھی۔ خصوصاً ایک گروہ نے جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کا پیروکار اور ہندوستان میں سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی کو اپنا گروہ تسلیم کرتا تھا۔ تقلید آئمہ اربعہ سے انحراف کرتے ہوئے فقہ کی اہمیت سے انکار کر دیا جس کی بناء پر شدید ترین شرعی اور فقہی اختلافات رونما ہو گئے چنانچہ مختلف ادوار مین مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا نقی علی خان بریلوی، مولانا عبدالحئ فرنگی محلی، مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی، مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولانا فضل رسول

بدایونی، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی، مولاناارشاد حسین رامپوری، مولاناحاجی امداداللہ مہاجر مکی، مولاناعبدالحق خیر آبادی، مولانا خیر الدین کلکتوی، مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا عبدالعلی آسی مدراسی، مولانااحمد حسن کانپوری، مولانااحمد رضاخان بریلوی، مولانارحمت اللہ کیرانوی، مولاناحکیم برکات احمد ٹونکی، پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی، مولاناغلام دستگیر قصوری، مولاناعبدالسمیع رامپوری اور مولاناوصی احمد محدث سورتی نے اس فتنہ کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے علمی کاوشوں کا جال بچھادیااور ہر ممکنہ وسائل کو بروئے کارلاکر عوام الناس کو اصول مذہب سے روشناس کرایا۔ سامراجی حکمرانوں کی سرپرستی میں اٹھائے گئے تمام سوالات کا مفصل جواب دیااوران تمام عقائد باطلہ کارد فرمایاجواختلافِ امت اور ترکِ مذہب کا باعث بن رہے تھے۔ مولاناوصی احمد محدث سورتی نے جودرس حدیث کے ساتھ تصنیف وتالیف کی جانب بھی مکمل توجہ دے رہے تھے اصول حدیث اور مسائل فقہ کو عام کرنے اور عوام الناس کو صحیح العقیدہ بنانے کیلئے متعدد مذہبی کتابوں پر حواشی لکھے۔اور مختلف مسائل پر فتویٰ رسائل کی صورت میں شائع کرائے۔اور کذب واختراع کی دیوار پر برابر کاری ضربیں لگاتے رہے۔

علم فقہ اور محدث سورتی:

تفقہ فی الدین ایک ایساضروری امر ہے کہ اس کے بغیر دینی امور کے مختلف پہلوؤں اور دنیاوی اعمال کی شرعی حیثیت کی مکمل وضاحت وصراحت ممکن نہیں ہے۔لاریب قرآن حکیم تمام مسلمانوں کے نزدیک خدائے لم یزل ولایزال کی آخری کتاب۔ایک متفقہ اور

مشترکہ دستور العمل اور اکمل و جامع نظامِ حیات ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ ﷺ کا عمل اور قرآن حکی میں بیان کئے گئے احکامات کی تشریحات نبوی ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کیلئے حجت تھیں لیکن اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا تھا چنانچہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد اسلامی ریاست کی وسعت و فتوحات اور مختلف تمدنوں کے انضمام نے نئے نئے سیاسی، سماجی و اجتماعی مسائل پیدا کئے اور پھر صحابہ کا عمل حجت قرار پایا پھر تابعین کو یہ فضیلت حاصل ہوئی اور پھر تبع تابعین اس منصب پر فائز ہوئے اور فقہ اسلامی یعنی اسلامی قوانین کی تدوین کا عمل شروع ہوا۔ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ، امام مالک علیہ الرحمۃ امام شافعی علیہ الرحمۃ اور امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے اس ضمن میں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے فقہ اسلامی کی تدوین کا آغاز کیا اور یہ حضرات جو آئمہ اربعہ کہلاتے ہیں فقہی امور میں حجت قرار پائے ہر چند فروعی مسائل میں ان کے ہاں آپس میں کچھ اختلافات موجود ہیں لیکن بنیادی امور پر سب متفق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی برادری کی نمائندگی کا سہرا ہمیشہ آئمہ اربعہ کے مقلدین کے سر رہا۔ اور ان کے متبعین علماء ہر دور میں فقہ اسلامی کیلئے گراں قدر خدمات انجام دیتے رہے آئمہ اربعہ کی تقلید عام ہونے کے بعد جب ہر ایک امام کا مذہب و مسلک مستقل ہو گیا اور اجتہاد و قیاس کا دروازہ بند ہوا تو جزئیہ مسائل کے پیش آنے پر تصریح و تنظیر اور الحاق مسائل کی ضرورت پیش آئی تاکہ بغیر اجتہاد جدید متعلقہ امام ہی کے اصول و قواعد کے موافق مسئلہ پیش آمدہ کو کسی مسئلہ مقرّرہ کے تحت میں لے لیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ توثیق و تطبیق کسی مذہب میں ملکہ راسخہ کے حصول

کے بغیر ممکن نہیں اور یہی ملکہ راسخہ اسلامی قوانین فقہ کہلاتا ہے جبکہ صاحب فقہ کو فقیہ کہتے ہیں۔

فقہ کے معنی ''شق'' اور ''فتح'' کے ہیں جیسا کہ علامہ زمحشری نے حقیقۃالفقہ میں درج کیا ہے کہ فقہ کی حقیقت تحقیق و تفتیش کرنا اور کھولنا ہے اور فقیہ وہ عالم ہے جو تفکر و تدبّر سے قوانین کے حقائق کا پتہ لگائے اور مشکل و مغلق امور کو واضح کرے۔امام غزالی نے احیاءالعلوم میں فقہ کے معنی فہم وتدبّر اور دین میں بصیرت و درک بیان کئے ہیں۔ایک فقیہ کیلئے ظاہری علوم و فنون پر مہارتِ تامہ کے ساتھ دل و دماغ کی صفائی اور زکیۂ نفس بھی ضروری ہے اسے انسانی نسفیات اور اپنے علاقے کے عوام کی مذہبی ضروریات کا رمز شناس بھی ہونا چاہیئے۔علامہ ابن عابدین نے لکھا ہے جو فقیہ اپنے زمانے کے لوگوں کے حالات اوران کی مصلحتوں سے واقف نہ ہو وہ عالم نہیں جاہل ہے۔

فقہ حدیث کا ثمر ہے۔بظاہر محدث اور فقیہ ایک ہی شجر کی دو شاخیں ہیں لیکن دونوں کا منصب اور طرز تحقیق ایک دوسرے سے مختلف ہے جیسا کہ محدث کامل حضرت علامہ اعمش نے ایک محفل میں امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ کی نکتہ رس اور نبّاضی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا کہ: یا معشر الفقھا نحن العطارون و انتم الاطباء۔۔۔۔ ''یعنی اے فقیہو! تم طبیب ہو اور ہم عطار ہیں''۔مذکورہ قول سے جہاں فقیہ اور محدث کا فرق واضح ہوتا ہے وہاں اس امر کی بھی وضاحت کی جاتی ہے۔

اگر ایک محدث اپنے اندر فقیہ کی صلاحیتیں پیدا کرلے تو وہ طبیب کامل اور حاذق

بن جاتا ہے ہر چند کہ فقیہہ اور محدث کی طبیعت اور طریقہ کار میں فرق ہے محدث روایت کا اسیر ہوتا ہے اور فقیہہ دعایت کا سفیر لیکن روایت اور درایت کے امتزاج سے جو شخصیت تشکیل پاتی ہے وہ عقل اور قلب کے آمیزہ سے پیدا ہونے والی فہم و فراست کا مجسم نمونہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں اکثر محدثین فقیہہ کے مرتبہ پر نہ صرف فائز ہوئے بلکہ اپنی ٹھوس صلاحیتوں کی بناء پر دونوں حیثیتوں میں بقائے دوام کو پہنچے۔ در حقیقت فقہ اسلامی ہمارے عظیم الشان تمدن کا ورچہ ہے کیونکہ کسی تمدن کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کے قانون سے لگایا جاسکتا ہے۔ اگر قانون میں انسانی وقار اور آزادی کی ضمانت موجود ہے تو لازمی بات ہے کہ مدن میں ان ہی اصولوں کا آئینہ دار ہوگا۔ انون مرتب کرنے والوں کے درمیان اختلافات باعث برکت ثابت ہوتے ہیں کیونکہ اس طرح قانون کو وسعت نسیب ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمان فقہا کے درمیان بعض مسائل میں شدید اختلاف کے باوجود ان میں کسی قسم کا باہم تکدّر واقع نہیں ہوا۔ فقہائے سابقین کا اختلاف اخلاص پر مبنی ہوتا تھا۔ اور وہ اس بنیادی اصول سے اچھی طرح واقف تھے کہ تفقہ ہو یا اجتہاد اس کیلئے دین میں کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوتا بلکہ ان ہی چیزوں کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جو بالنصوص یعنی وحی و نبوت کی معلومات پر مشتمل ہیں یہاں ایک مرتبہ پھر بات وہیں پہنچ جاتی ہے کہ وحی و نبوت کی معلومات پر مشتمل قوانین کا بہترین استخراج وہی شخص کر سکتا ہے جو بیک وقت قرآن و حدیث پر نہ صرف گہری نظر رکھتا ہو بلکہ اجتہادی قوت بھی اس کے اندر بدرجۂ اتم موجود ہو۔

برصغیر میں مسلمانوں کی آمد اور افزائش کے بعد جو تمدن سامنے آیا وہ اپنے دامن میں ایسی برائیاں لیئے ہوئے تھا جو اسلامی معاشرہ اور خصوصاً مسلمانوں کے عقائد کیلئے سم قاتل کا درجہ رکھتی تھیں۔ چنانچہ تشکیک کی اس فضا میں مسلمانوں کو اسلام کی اصل روح سے متعارف کرانے بدعات شنیعہ اور عقائد باطلہ سے بچانے کیلئے علمائے عظام اور فقہائے کرام نے جو خدماتِ جلیلہ انجام دیں ان کے بیان کیلئے ایک دفتر درکار ہے۔ انہوں نے ہر قسم کی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر حق گوئی اور بیباکی کا مظاہرہ کیا۔ اس سلسلہ میں دار ورسن کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اقتصادی مقاطعہ کا نشانہ بنے مگر حق کو عام کرنے سے گریز نہیں کیا۔

۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی کے بعد برصغیر میں جن فقہائے کرام نے اپنے منصب سے وفا کی اور عوام الناس کو فروعی مسائل کی الجھنوں سے نجات دلانے کیلئے اپنی خدمات وقف کر دیں ان میں مولانا وصی احمد محدث سورتی کا اسم گرامی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ آپ بیک وقت پائے کے محدث اور اعلیٰ درجہ کے فقیہہ کی تمام خصوصیات موجود تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ کتب احادیث کے حواشی اور کتب فقہ کی شرح پر بیک وقت آپ نے کام کیا اور ان کے مطالعہ سے آپ کی نکتہ رسی و علم و ادراک پر نمایاں روشنی پڑتی ہے۔

مولانا وصی احمد محدث سورتی امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ کے مقلد تھے اس لئے آپ مسائل پر غور و فکر میں فقہائے حنفیہ کو حجت تسلیم کرتے تھے۔ ویسے بھی امام ابو حنیفہ کو علم فقہ کا امام اعظم تسلیم کیا جاتا ہے۔ علامہ ابن حجر نے اپنی کتاب خیرات الحسان میں

امام شافعی علیہ الرحمۃ کا قول ان کے شاگرد ربیع بن سلطان سے نقل کیا ہے امام شافعی نے فرمایا کہ جس شخص نے امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی کتابوں میں نظر نہیں کی وہ علم فقہ میں تبحر حاصل نہیں کر سکتا۔

محدث سورتی علیہ الرحمۃ نے ۱۲۸۵ء سے مدرسۂ فیض عام کانپور میں فتویٰ نویسی کا آغاز کیا اور یہ سلسلہ تادمِ آخر یعنی ۱۳۳۴ھ تک جاری رہا۔ اس لحاظ سے آپ نے تحریر افتاء کا فریضہ تقریباً پچاس برس تک انجام دیا۔ آپ کے محرّرہ فتاویٰ کے جمع اور ضبط کرنے کا ابتداء سے کوئی اہتمام نہ ہسکا جس کی بناء پر کوئی جامع مجموعہ فتاویٰ منظر عام پر نہیں آسکا البتہ رسائل کی صورت میں آپ کے بیشتر فتاویٰ شائع ہو چکے ہیں۔ پٹنہ سے تحفۂ حنفیہ کا اجراء کے بعد مولانا ضیا الدین پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ نے جو محدث سورتی کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کے فتاویٰ کی نقل کو تحفۂ حنفیہ میں شائع کرانا شروع کیا لیکن یہ سلسلہ بھی تادیریوں قائم نہ رہ سکا قاضی عبدالوحید عظیم آبادی نے جو تحفۂ حنفیہ کے مالک و مدیر تھے۔ مولانا ضیاء الدین کو اس رسالہ کی ادارت کیلئے پٹنہ بلالیا۔ بعد میں کچھ تلامذہ نے جن میں ابو سراج مولانا عبدالحق پیلی بھیت علیہ الرحمۃ، مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ اور مولانا محمد فضل حق رحمانی شامل تھے۔ محدث سورتی کے فتاویٰ جمع کرنا شروع کئے اور رسائل کی صورت میں ”اظہار شریعت“ کے نام سے کئی حصوں میں شائع کئے۔ راقم الحروف نے محدچ سورتی کے مطبوعہ فتاویٰ بعد تلاش و جستجو جمع کئے ہیں۔ پیلی بھیت کے بھی کئی اصحاب نے جن میں مولانا افتخار ولی خان سر فہرست ہیں کچھ فتاویٰ فراہم کئے جو بہر حال اب کتابی

صورت میں شائع ہو سکتے ہیں۔ یہاں حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے چند فتاویٰ نذرِ قارئین کئے جارہے ہیں۔ انشاء اللہ کسی موقع پر تمام فتاویٰ کو مجموعہ کی صورت میں پیش کر دیا جائے گا۔

فتاویٰ

از سید بشارت علی۔ گونڈہ شوال ۱۳۱۹ھ

سوال: زید نے باجود فہمائش سمجھانے کے کئی بار یہ کلمات کہے کہ نعوذ باللہ انبیائ علیہم السلام گناہ میں مبتلا رہے اور انہوں نے گناہ کیا اور جھوٹ بولا۔ جب زید نے کلمات مذکور الصدر بار بار بہ تکرار کہے اور اس سے کہا گیا کہ ہر گز ہر گز ایسا نہ کہو تمام انبیائ علیہم السلام پاک و معصوم ہیں تو پھر اس نے یہ کہا کہ اچھا انبیاء کرام تو معصوم ہیں مگر اور جو مخلوق سب نے گناہ کیا اور گناہ میں متبلا رہے اور یہ بھی کہا کہ ہم کسی کو قطعی جنتی نہیں کہہ سکتے چنانچہ زید سے کہا گیا کہ یہ بھی تم نے بالکل خلاف کہا کیونکہ اصحب کبار اور عشرہ مبشرہ وشہداء وصالحین وغیرہ وغیرہ کی نسبت حدیث شریف ونص قطعی جنتی ہونے کی موجد ہے اور اکثر اشخاص مادر زاد ولی اللہ ایسے ہوئے ہیں کہ کبھی انہوں نے گناہ نہیں کیا۔ اور تمام عمر یاد الٰہی میں صرف کی ہے اور اسی پر ان کا خاتمہ ہوا۔ لیکن زید مذکور نے ہر گز فہمائش و سمجھانے کا خیال نہیں کیا اور برابر کلمات مذکورۂ بالا کہتا رہا اور زید حافظ کلام اللہ ہے۔ اور اردو فارسی کی کتابیں جن میں کہ مسائل وغیرہ مندرج ہوتے ہیں خرید تا بھی ہے اور متفرق مسائل بھی علماء سے استفسار کرتا رہتا ہے پس جس شخص کی ایسی گفتگو اور خیالات ہوں اس کی نسبت شرع میں کیا

حکم ہے۔اور اسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں؟

جواب:

رب زدنی علما صورت مستفسرہ میں زید ضرور گمراہ بد دین ہے۔انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی نسبت جو لمات کہ اس نے کہے ہیں وہ صریح کلمات توہین ہیں۔ان کا حکم بتصریح فقہائے کرام و محدثین عظام حد کفر تک پہنچتا ہے۔مگر ازانجا کہ سوال مین اس سے لفظ مشعر رجوع منقول ہے حکم کفر سے بچ گیا پھر بھی اس کے بدعتی گمراہ بد دین ہونے میں شک نہیں قطعاً وہ بد مذہب و خارج از دائرۂ اہل سنت و جماعت و داخل زمرۂ جہنمیان ہے۔ حضرت عشرۂ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قطعی جنتی ہونا تمام اہلسنّت کا عقیدۂ قطعیہ اجماعیہ ہے اور اس کا مخالف گمراہ بد دین ہے اور اس کے پیچھے نماز ممنوع۔علیٰ ما صرح به فی التبین والغنیة و فتح الله العین وامداد الفتاح والحاشیة الطحطاویة علی الدر المختار و رد المحتار۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرمتین ان مسائل میں:

1. بہت چھوٹی حمائل کا تعویذ بنا کر لڑکوں کے گلے میں لٹکانا جائز ہے یا نہیں اور خلافِ ادب ہو گا یا نہیں؟

گیارہویں شریف ہمارے مرشد پیران پیر رضی اللہ عنہ کی کرنا تو جائز ہے لیکن خواتین کا اجتماع کرنا چندہ جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بعد نماز وتر کے لوگ ایک سجدہ شکر کا کرتے ہیں اور سجدے میں جا کر دعا مانگتے ہیں

کیا یہ صرف ایک سجدہ کرنا اور دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب: ا۔ رب زدنی علماً قرآن عظیم کو اتنا چھوٹا لکھنا مکروہ ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو حمائل شریف لکھنے سے منع فرمایا ہے۔ رواہ ابو بکر بن ابی شیبہ اور غنیۃ المستملی میں ہے۔ **ویکرہ تصغیر المصحف و کتابتہ بقلم دقیق لان فیہ شبھتہ التحقیر الخ** (یعنی مکروہ ہے چھوٹا کرنا قرآن شریف کا اور لکھنا اس کا باریک قلم سے اسلئے کہ اس میں شبہ حقارت کا ہے۔) نہ کہ اتنے چھوٹے چھوٹے تعویذ کہ اس میں صریح کم وقتی اور دی میں بے قدری کا باعث ہے پرھ بے تمیز بچوں کے گلے میں ڈالنا ضرور اسے اہانت کیلئے پیش کرنا ہے اس سے احتراز چاہئے۔

۲۔ نیاز مبارک سراپا برکت و سعادت ہے اور اس کیلئے بطیب کا طر دچندہ ہونے میں بھی کوئی حرج نہیں مگر نا محرم خواتین کا جو موجب فتنہ اور صورت لہو ہے اس سے احتراز ضروری ہے۔

۳۔ اس سجدہ کے بارے میں ایک حدیث ذکر کی جاتی ہے جسے علماء نے موضوع فرمایا ہے اور اس پر عمل سے ممانعت کی ہے۔ کما فی الخامتہ من الغنیۃ شرح المنیہ للعلومتہ الجلی واللہ تعالیٰ اعلم حررہ العبد الفقیر الی اللہ القدیر وصی احمد الحنیفی الحنفی السنی فضیل رحمانی

سوال: مرسلہ گونڈل ماہ شوال ۱۳۱۹ھ

کتاب مالابد منہ مسنفہ قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتی مستند ہے یا غیر مستند ہے اور جو ان میں کلمات فکریہ کا ترجمہ لکھا ہے وہ صحیح ہے یا ان میں تشدّد کیا ہے تو کن کن مسائل میں ہے۔ آیا ان مسائل میں جو انبیاء علیہم السلام کی شان میں کوئی بدبخت کلمات کہے یا دیگر مسائل مفصل ارقام ہو۔

جواب: رب یسر لی امری۔ مالابد منہ عام کتب مسائل کی طرح ہے جو متاخرین نے تسنیف کی ہے۔ بعضمسائل کا خلات تحقیق ہونا ساری کتاب کو نامستند نہیں کرتا۔ وجوب تعظیم انبیاء کرام ان کی اہانت کفر ہونے کے بارے میں یہ اس قسم کے مسائل ترجمۂ مذکورمین لکھے ہیں۔ مسئلہ ”اگر کسے اہانت پیغمبراں کرد کافر شد“ اور اس کے بعد کا مسئلہ کہ ”ماہمہ جولاہیگانیم“ اور مسئلہ ”مردسے گفت رسول اللہ ﷺ چناں میکرد ودیگر گفت کہ ایں بےادبی است کافر شود“ مسئلہ ہر ملعون کہ درجناب پاک سرور کائنات ﷺ دشنام دہد۔ یا اہانت کندیا درامرے از امور دین او یا از صورت مبارک او یا در وصفے از اوصاف شریفۂ او عیب کند اگرچہ از راہ ہزل کردہ باشد کافر است۔ واجب القتل واجماع امّت بران ست کہ بےادبی واستحقاف ہر کس از انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کفر ست۔ خواہ فاعل او حلال دانستہ مرتکب شود یا حرام۔ قطعاً ویقیناً یہ سب مسائل حق ہیں ان میں اصلاً تشدد کو راہ نہیں۔

سوال: زید اپنے آپ کو حنفی کہتا ہے مگر اس کے حالات وعقائد یہ ہیں کہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھتا ہے اور نفس مولود کو اچھا نہیں جانتا۔ اور نفسِ عرس اولیاءاللہ کو بھی برا کہتا ہے۔ اور آمین

بالجہر کہنے کو اور سورۂ فاتحہ پڑھنا امام کے پیچھے اور رفع یدین کرنا واجب جانتا ہے اور ان علمائے غیر مقلدین کو جنہوں نے اپنی تصنیفات میں تمام مقلدین کو مشرکی بدعتی جاہل بلکہ کافر لکھا ہے کل علماء وغیرہ مقلدین پر ترجیح دیتا ہے اور ان کی یعنی غیر مقلدین کے اتقاء اور پرہیزگاری کی تعریف کرتا ہے اور غیر مقلدین کو باطناً ہر قسم کی مدد دیتا ہے تو ایسے شخص کو مقلد سمجھا جائے یا غیر مقلد اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں۔

الجواب: رب ارقنی الفقه کما رقتنی الحدیث۔ صورت مسئول عنہا میں زید قطعاً وہابی بلکہ کٹر غیر مقلد ہے اور اس کے پیچھے نماز ناجائز اور اس کی صحبت اور مجالست سے احتراز ضروری شرعی کہ صحبت اس کی ایک بددین کی صحبت ہے چنانچہ بعض اجلۂ آئمہ کے کلام میں یہ امر مصرح ہے نفس مجلسِ میلاد مبارک و نفسِ اعراس اولیائے کرام کو برا کہنا تو ظاہر ہے کہ ان ہی اصول مخذولۂ وہابیہ پر مبنی ہوگا اور اسورۂ فاتحہ خلف الامام کا ایجاب باوصف ادعائے حنفیت ضرور غیر مقلد ہے بلکہ بتصریح حضرت شیخ مجدد الف ثانی کے الحاد ہے اور آمین بالجہر و رفع یدین کو واجب کہنا تو صراحتاً نئی شریعت اپنے دل سے ایجاد کرنا ہے۔ تمام عالم میں کوئی عالم ان کے وجوب کا قائل نہیں تو زید ضرور خارقِ اجماع و مفتر علی الشرع ہے۔ تمام مقلدین آئمہ کو مشرک کافر کہنے والا بنصوص صریحاً احادیث صحیحہ واتفاق آئمہ فتویٰ کافر اور جو ایسے لوگوں کو علمائے مقلدین پر ترجیح دے اور ان کا مداح اور معتقد ہو خود اس کی مثل ہے۔ اس صورت میں تو اس کے پیچھے نماز ممنوع ناجائز ہونا در کنا مطابق حکم ظاہر احادیث صحیحہ وارشادات فقہائے کرام محض باطل ہے۔

حررہ العبد المسکین المتشبث بذیلِ سید المرسلین وصی احمد الحنیفی

الحنفی السنی بجاہ اللہ تعالیٰ عن شر کل غبی و غوی۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ملک برہما شہر مانڈلے میں دو فریق ہیں ایک کہتا ہے کہ بغیر محراب کے اور کسی جگہ امام کو امامت کے وقت نہ کھڑا ہونا چاہئے۔ اگر گرمی یا کسی سبب سے صحن میں وسط صف میں کھڑا ہو کر نماز پڑھائے گا تو بباعث چھوڑ دینے محراب کے نماز مکروہ ہوگی۔ فریق ثانی کہتا ہے کہ بیشک امام کو محراب میں کھڑا ہونا چاہئے لیکن بباعث گرمی یا کسی اور سبب کے وسط صف مین کھڑا ہو کر امامت کرے گا تو بغیر کراہت جائز ہے کیونکہ امام کا وسط میں کھڑا ہونا کتابوں میں آیا ہے اور صحن مسجد کو حکم مسجد کا ہے۔ اس مسئلہ کو بحوالۂ کتب حدیث و فقہ حل فرمائیں۔ بینو تو جروا۔

الجواب: وهو ملهم الحق والصواب

رب زدنی علما و ارزقنی فهما۔ فریق ثانی کا قول حق بالاتباع احق عند العاقل ہے اور فریق اول کا مقولہ مہمل عاطل اور محض باطل ہے اس واسطے کہ اصل حکم شرعی اور محکم فرعی یہ ہے کہ امام کسی طرف مائل نہ ہو بلکہ محاذات وسط صف میں کھڑا ہو۔ سرور عالم حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں توسطو الامام وسدو الخلل اخرجه الامام ابو داؤد من حدیث ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه۔ یعنی صف کے بیچ و بیچ میں کردو تم امام کو اور عین وسط صف کی برابری مین ان کو کھڑا کرو اور بند کر دو تم صف کی کشادگی اور فرجات کو اور مل کر کھڑے ہو تم تاکہ شیطان لعین کیلئے صف میں کھڑے ہونے کیلئے گنجائش

نہ رہے اور وہ مردود بسبب مجاورت کے وسوسہ اندازی کی طرف راہ نہ پائے۔ فان الشیطان یدخل فیما بینکم بمنزلۃ الحذف اخرجہ الامام الرابع الامام احمد رحمۃ اللہ فی مسندہ الشریف من حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ اعنھما۔ اسی سے ہمارے فقہائے کرام امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم ابو حنیفہ تابعی رویۃً وروایۃً سے حکایت کرتے ہیں کہ السنۃ ان یقوم الامام ازاء وسط الصف جیسا کہ وہ معراج وغیرہ میں مصرح اور کتب حالات شریعت صاحب معراج میں منقح ہے اور محرابوں کی بنا جو ڈالی گئی تو صرف اسلیئے کہ وہ نشانی ہوں محل قیام امام کیلیئے تاکہ وسط صف کی تعین میں خِفائ واشتباہ نہ رہے۔ اور تحصیل سنت توسط میں دقت نہ ہو۔ اور اس کے محاذات میں کھڑے ہونے سے وسط صف کا پانیوالا ہو۔ لان المحراب انما بنی علامۃ ملحل قیام الامام لیکون قیامہ فی وسط الصف کما ھو والسنۃ قالہ سیدنا العلامۃ محقق المتاخرین ابن العابدین فی رد المحتار۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام امام ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام کیلیئے سنت یہ ہے کہ محراب کے محاذات میں کھڑا ہو تاکہ تعادل و تما۔۔ نہ ہو۔ دونوں طرف سے مقتدی برابر ہوں اور فرفین امام میں کسی طرف کم بیش نہ ہوں چنانچہ مبسوط بکر رحمۃ اللہ علیہ میں ہے السنۃ ان یقوم فی المحراب لعتدل الطرفان۔ اور جب یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا کہ محاذات محراب مقصود لذاتہٖ نہیں بلکہ یہ ذریعہ اور وسیلہ ہے واسطے تحصیل مقصود اصلی کے کہ وہ توسط ہے تو محاذات محراب میں جبھی تک امام کھڑا ہو گا کہ اس سے مقصود اصلی فوت نہ ہو ورنہ محراب کو چھوڑنا ہو گا۔ اور اصل مقصود کا

جو توسط ہے ہاتھ میں لانا اس کو ضرور ہوگا۔ مثلاً مسجد صیفی یعنی گرمیوں میں نماز پڑھنے کی مسجد جو غیر پٹی ہوئی ہوتی ہے اور نرا صحن ہوتا ہے مسجد تشوی کے پہلو میں ہو جو سردی میں نماز پڑھنے کیلئے پٹی ہوئی ہوتی ہے اور چاروں طرف سے اس میں ہوا اور سردی کی حفاظت ہوتی ہے پس ایسی صورت میں جب نمازی کثیر ہو جائیں حتٰی کہ اس میں سمانہ سکیں تو امام کو چاہئے کہ محراب کو چھوڑ دے اور جانب دیوار میں کھڑا ہو تا کہ مقتدی دونوں طرف سے برابر ہو جائیں اور حدیث توسطوا الامام کے خلاف کار بند نہ ہونے پائیں۔ سیدنا المحدث البنیہ والفقیہ الوجیہ محقق ابن العابدین عازیا الٰی معراج فرماتے ہیں۔ ولو کان المسجدا لصیفی بجنب الشتوی امتلاء المسجد یقوم الامام فی جانب الحائط یستوی القوم من جانبیه انتهی کلامه الشریف۔ پھر یہ حکم کہ امام محاذاتِ محراب میں کھڑا ہو علی الاطلاق والعموم اور ہر امام کیلئے نہیں بلکہ اس امام کیلئے ہے جو بڑی جماعت کا امام ہو جس کو امام راتب کہتے ہیں اور بڑی جماعت کا امام نہ ہو اور چند اشخاص کی امامت کرتا ہو تو وہ مختار ہے چاہے وہ محاذات محراب میں کھڑا ہو خواہ محراب سے الگ کھڑا ہو۔ بشرطیکہ واجد سنت توسط ہو۔ امام شامی بعض آئمہ فقہ سے نقل کرتے ہیں کہ : السنة ان یقوم الامام ازاء وسط الصف الاترى ان المتحازیب ما نبعت الاوسط المسجد وهی قد عینت المقام الامام۔ پھر اس کے بعد فرماتے ہیں والظاهر ان هذا فی الامام الراتب لجماعة کثیرة لئسلا یلزم عدم قیامه فی الوسط فلو لم یلزم ذالك لا یکره۔ اور جب یہ محقق ہوا کہ امام ماموراس کا ہے کہ وسط صف میں کھڑا ہو محراب کے محاذی ہو یا

غیر محاذی اور خاص کر محراب ہی میں کھڑے ہونے کا اس کو حکم نہیں تو اگر صحن مسجد میں جس کو مسجد صیفی یعنی گرمیوں کی مسجد کہتے ہیں جو عین مسجد ہے نہ حکمِ مسجد مین ہے۔ امام وسط صف میں کھڑا ہو کر نماز پڑھائیگا تو بیشک مقیم سنت ہو گا اور شائبہ کراہت سے بالکل بری ہو گا۔ علاوہ برآں فروع فقیہہ بکثرت اس کے مثبت منجملہ ان کے کلام صاحب معراج کا ہے جس کو ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں اور گو اثبات مدعا کیلئے یہی کافی ہے اور عاقل فہیم کی تسکین کے واسطے وافی ہے لیکن بطور مشتے نمونہ از خرادرے دو قول اور بھی ہم درج کئے دیتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے السنة فی سنة الجفرات یاتی بها فی بیته والافان کان عند باب المسجد مکان صلاها فیه والاصلاها فی الشتو .. والصیفی ان کان للمسجد موضعاف الخ اور حافظ حدیث شیخ الاسلام بدالدین عینی علیہ الرحمۃ عمدۃ القاری شرح صحیح امام بخاری میں تحریر فرماتے ہیں و فی الذخیرة السنة فی انة الفجران یاتی بهما فی بیته فان لم یفعل فعند باب المسجد اذا کان الامام یصلی فیه فان لم یمکنه ففی المسجد الخارج اذا کان الامام فی المسجد الداخل و فی الداخل اذا کان الامام فی الخارج ۔ یعنی فجر کی سنتوں میں سنت طریقہ یہ ہے کہ آدمی گھر ہی سے پڑھ کر آیا کرے اور جو کسی نے گھر میں نہیں پڑھیں اور جماعت ہو رہی ہو تو مسجد کے دروازے پر پڑھے اور جو دروازہ میں کوئی جگہ قابل نماز پڑھنے کی نہ ہو تو امام اگر اندر مسجد کے نماز پڑھا رہا ہو تو مسجد کے صحن میں پڑھ لے اور جو امام صحن میں نماز پڑھا رہا ہو تو مسجد کے اندر سنتیں نہ پڑھے اور جس جگہ امام پڑھا رہا ہو اسی جگہ سنت نہ پڑھے کہ مکروہ ہے ظاہر ہے کہ جب امام

صحن مسجد میں نماز پڑھائے گا تو محراب میں کھڑا ہونا کیوں کر ہوگا۔ اور نیز بعض احادیث مرفوعہ سے بھی یہ مضمون مفہوم ہوتا ہے محاذاتِ محراب امر ضروری نہیں۔ معانی الاثار شریف اور بخاری شریف میں زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اور لفظ بخاری شریف کا ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتخذ حجرة قال حسبت انه قال من حصير فی رمضان فصلی فيها ليالی فصلی بصلاته ناس من اصحابه الحديث اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی واللفظ ایضاً للبخاری۔ قالت کان رسول الله ﷺ يصلی الليل فی وجدا ار الحجرة قصيرة فرائی الناس شخص النبی ﷺ فقام ناس من اصحابه يصلون بصلاته الحديث و من طريق اٰخر فی البخاری عن عائشه رضی الله تعالیٰ عنها ان النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم كان له حضير يبسط بالنهار و يحتجره بالليل فتاب اليه ناس فعفو او رادہ اور سوا اس کے حدیثیں بھی ہیں جو تعلیق المجلی شرح منیۃ المصلی میں درج ہیں۔ اور کتاب مذکور مطبع یوسفی واقع فرنگی محل من محلات لکھنؤ میں طبع ہوئی ہیں۔ طالب تحقیق کو چاہئے کہ اس کو منگا کر مطالعہ کرے واللہ تعالیٰ اعلم و علمه اتمه واحكم۔

حرره العبد المسكين المتشبث بذيل شفاعة سيد المرسلين خاتم النبيين الذی اعطاه علم الاولين والآخرين وجعله خازن علم المكنون ورفع له الدنيا فهو ينظر ليها والی ما هو كائن فيها الی يوم القيامة كانما ينظر اكفه كما هوا فخرج عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما عند الطبرانی من يوم المخرجين وصی احمد الحنيفی

الحنفی السنی کان اللہ ھماہ عن شر من یبتغی الفساد فی الدین (حصہ دوئم اظہار شریعت ص۷تا۱۰)

سوالات مرسلۂ مولوی حبیب اللہ امام جامع مسجد حافظ جمال صاحب واقع ڈیرہ اسماعیل خان سرحد کابل وزیرستان

سوال: ایک شخص نے درمیان ذکر امور محدثہ کے کہا کہ روضۂ مقدسہ پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدعت ہے اور مردارہ کی طرح واسطے ضرورت نقب مباح و مشروع ہوا ہے اگر خوف نقب ثابت ہوتا تو اس کا بنانا بھی ہرگز درست نہ ہوتا اس شخص کا قول درست ہے یا غلط بر تقدیر غلط اس کے واسطے سزائے شرعی کیا ہے۔

جواب: شخص مذکورہ کا قول محض باطل اور قائل ایسے قول کا عقل و دین سے بالکل بے بہرہ اور عاطل ہے۔ روضۂ منورہ مطہرہ علی صاحبہا الوف الصلوٰت الباھرہ والتسلیمات الزاھرہ کہ زمانۂ تابعین سے شکل روضہ بنا کیا گیا۔ جسے اب تک تمام علماء واولیاء کا قبلہ گاہ وموضع دعاوالتجا ہانہار کسی طرح سے بدعت نہیں ہو سکتا۔ اور مراد سے تمثیل کا لفظ ناپاک یعنی صرف لفظ مردار جس کی زبان بے باک سے نکلے سخت شدید شنیع قطیع تعزیر کا مستحق والعذاب الآخرۃ اکبر لو کانو الیعلمون اور اگر معنی حقیقی اس لفظ سے مراد ہوں تو قائل کے ایمان پر بھی حرف ہے والعیاذ باللہ حجاج نے کچھ لوگوں کو روضۂ مطہرہ کے گرد طواف کرتے دیکھا تو کہا انما یطوفون با اعواد ورمۃ علماء نے اس پر حکم کفر دیا۔ نقلہ العلامۃ الزرقانی فی شرح المواھب الدنیہ عن الکامل للمبرد۔

سوال: حضرت رسول مقبول ﷺ کو ندا من البعید جائز ہے یا ناجائز بہر تقدیر کس قسم کا ندا جائز اور کس قسم کا ندا ناجائز اور ہم سب کے ندا کو آپ ہر وقت سنتے ہیں یا نہیں اور ہمارے احوال و اقوال کا علم آپ کو ہر وقت حاصل ہے یا کسی خاص وقت میں بواسطۂ ملک یا بلا واسطہ و بالذات مفصل طرح سے اولہ صحیحہ سے بخط واضح ارشاد فرمایئے کہ مطلب بخوبی حاصل ہو۔

جواب: حضور اقدس ﷺ کی ندا من البعید جائز ہے حدیث حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس کی امام ترمذی وامام طبرانی وغیرہما اجلہ آمہ نے تصحیح کی ہے اس میں حضور اقدس ﷺ کی تعلیم کریم سے ایک نابینا کا اپنی دعا کا عرض کرنا اللھم انی اسئلك و اتوجه الیك نبیك محمد نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه الیك الی ربّی۔ اور عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیم سے زمان خلافت امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایک حاجتمند تابعی کا اپنی قضائے حاجت کیلئے پڑھنا مذکور ہے۔ و نیز حدیث اذا اراعونا فلینا دیا عباد الله اعیبونی یا عباد الله اعینونی کہ مروی ابن السنی ہے اور دونوں قدیم سے معمول مقبول علمائے دین ہیں اس کی سند کیلئے کافی ہیں ندا باعتبار لفظ منادی دو قسم ہیں۔ ندا باوصاف کریمہ، مثلاً یارسول اللہ، یا نبی اللہ، یاحبیب اللہ ﷺ یہ باتفاق جائز ہے۔ دوسرے ندا بعلم اکرم یعنی یا محمد یا احمد ﷺ اس میں اعلام طیبہ اوّل اور آخر اگر کوئی کلمۂ تعظیم نہ ہو تو غیر مروی میں ضرور ناجائز و حرام۔ قال الله تعالیٰ ولا تجعلو دعاء الرسول کدعاء بعضکم البعضا۔ اور مروی میں جس طرح حدیث مذکور اوّل بعض نے نظر باتباع اثر اجازت دی اور راجح یہ ہے کہ وہاں بھی یارسول اللہ وامثالہ سے تبدیل کرلے اور اگر اول و آخر

کلماتِ تعظیمیہ ہیں تو بعض نے مطلقاً اجازت دی اور راجح یہ ہے کہ اب بھی ممنوع ہے احتیاط اسی میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو صرف باوصاف کریمہ ہی ندا کرے تاکہ بالاتفاق جائز ہو۔ افادہ الامام احمد بن محمد الخطیب العسقلانی فی المواھب والعلامۃ احمد الشھاب الخفاجی فی النسیم و غیرھما رحمھم اللہ تعالیٰ۔ اور ندا باعتبار جواب دو قسم ہے اول وہ کہ توسل میں نص صریح ہو مثلاً یارسول اللہ حضور ﷺ میری شفاعت فرمائیں۔ یا رسول اللہ حضور ﷺ اپنے اس غلام کے حق میں دعا فرمائیں یارسول اللہ حضور ﷺ میری حاجت اپنے رب سے عرض کریں یارسول اللہ حضور ﷺ میرے کام اپنے مولیٰ سے بنوادیں۔ یہ باجماع جائز ہے۔ دوسرے وہ کہ خود حضور ﷺ سے حاجت ہو مثلاً یارسول اللہ ﷺ حضور میری مراد عطا فرمائیں، یارسول اللہ ﷺ حضور میری حاجت روا فرمائیں۔ یہ کلمات جب زبان مومن سے صادر ہوں گے قطعاً معنی تجوز و توسل پر محمول ہوں گے۔ کہ اس کا ایمان ہی اس پر قرینہ قاطعہ ہے جس طرح موحد کا انبت الربیع البقل کہنا کما لا یخفیٰ علی من لہ ادنی مسکۃ بالمعانی والبیان۔ ان الفاظ کو خدا نخواہی معانی حقیقہ پر حمل کرنا بلاوجہ قلب پر حکم لگانا اور مومن کے ساتھ اساءت ظن ارناح قنار وا مسلمان کو کافر بنانا ہے۔ وہابیہ خذلھم اللہ تعالیٰ اسی کے عادی و بادی ہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ اہل سنت کو اس ضلالت سے۔۔ اور اس غوایت سے مامون رکھے۔ آمین یارب العٰلمین بحرمتہ حبیبک خاتم النبیین۔ ہاں اگر کوئی شخص تصریحاً اپنا عقیدہ ظاہر کرے کہ وہ کسی غیر خدا کو مالک مستقل و معطی بالذات اور بے عطائے الٰہی قاضی حاجات جانتا ہے تو وہ ضرور کافر و مشرک ہوگا۔ بحمد اللہ تعالیٰ کلمہ گویوں میں اس کا احتمال بھی نہیں۔ افادہ

کل ذٰلك الامام خاتمة المحدثين تقی الملة والدین علی بن عبد الکافی السبکی رحمة اللہ تعالیٰ فی شفاء السقام سید عالم ﷺ کو حضرت حق عزوجل نے سمع وبصر وعلم محیط مابین المشرق والمغرب وحاوی مابین السمٰوات والارض عطافرمائے ہیں۔ جامع ترمذی شریف میں حدیث ہے انی ارنی ما لا ترون واسمع ما لا تسمعون اطت السماء وحق لھا ان تاط میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے ہو۔ اور سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے ہو۔ آسمان چرچرایا اور سزاوار ہے اسے یہ کہ چرچرائے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ واللہ انی لاری حوضی الاٰن۔ خدا کی قسم میں بیشک اپنے حوضِ کو اس وقت دیکھ رہا ہوں۔ ترمذی شریف کی حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے تجلی لی کل شئیٍ۔ ہر چیز میرے لئے روشن ہے۔ طبرانی نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ ان اللہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا اولی ماھو کائن فیھا الیٰ یوم القیامة کانما انظر الیٰ کفی ھذہ۔ بیشک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے میرے لئے دنیا کو اٹھادیا تو میں اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو ابو عمران عبدالبر وغیرہ کی حدیث میں ہے ان اللہ و کل بقبری ملکاً اعطاہ اسماع الخلائق۔ بیشک اللہ نے میرے مزار مبارک پر ایک فرشتہ متعین کیا ہے جسے تمام جہان کی آوازیں سننے کی قوت بخشی ہے جہاں کہیں کوئی مسلمان مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ فرشتہ عرض کرتا ہے یارسول اللہ ﷺ فلاں ابنِ فلاں حضور ﷺ درود عرض کرتا ہے۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آسمان زمین میں پانسو برس کی راہ کا بُعد ہے اور جنت کا فاصلہ تو اللہ ہی جانے جب پانسو برس کی راہ سے آسمان کے چر

چرانے کی آواز سنتے ہیں اور ہزاروں برس کی راہ کے فاصلے سے اپنے حوض مبارک کو نظر فرمارہے ہیں تو روئے زمین پر کوئی شہر کتنے ہی فاصلے پر ہو مدینہ طیبہ سے چند سال کی راہ کے بعد پر بھی نہ ہوگا ایسے پاک ومبارک سمع وبصر کے آگے تمام دنیا کی چیزیں اور آوازیں خواہ نخواہ ہی ایسا ہوا چاہیں جیسے پیش پا افتادہ اور اس میں معاذالہ سمع وبصر الٰہی سے تو ہم تساوی نہ ہوگا مگر نرے مجنوں یا اس بے دین کو جو اللہ کی قدر نہیں جانتا وما قدر واللہ حق قدرہ سمع و بصر الٰھی ازلی و ابدی واجب الذات واجب البقا مستحیل التغیر غیر متناہی وغیر محدود ہیں اور ازل سے ابد تک کے تمام اشیاء کو شامل ومحیط۔ پھر بعطائے الٰہی محبوبان خدا خصوصاً سید المحبوبین ﷺ کو سمع وبصر محیط تمام اشیائے دنیا ملجانا کیا بعید و مستلزم مساوات ہوسکتا ہے جیسا کہ اس فرشتے کی نسبت خود حدیث ہی میں ارشاد ہوا کہ اس کا سمع خلائق کو محیط ہے۔ اشیائے خارجیہ تو درکنا آئمہ دین نے تو یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ امت کے دلوں میں جو خطرے گزرتے ہیں جو ارادے پیش آتے ہیں ان سب پر حضور اقدس ﷺ مطلع ہیں اور فرمایا ہے وکل ذالك جلی عندہ لاخفاء بہ اور اس کی وجہ فرمائی ہے کہ حضور نورِ الٰہی سے دیکھتے ہیں۔ ونور اللہ لا ... شئی نور الٰہی پر کوئی شئے حجاب نہیں ہوتی امام ابن حاج مالکی مکی نے مدخل اور امام احمد قسطلانی شارح بخاری نے مواہب لدنیہ میں یہ تمام مضامین علمائے کرام سے نقل فرمائے۔ علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں فان النفوس القدسیۃ اذا تجردت عن العلائق عرجت والتصلت الملاء الاعلی فتری وتسمع الکل کا المشاھدہ۔ نفوس قدسیہ جب علائق بدنیہ سے جدا ہوتے ہیں ترقی فرماتے اور ملاءِ اعلیٰ سے ملجاتے ہیں ہر چیز کو ایسے دیکھتے اور سنتے

ہیں جیسے آنکھ کے سامنے ہی تفصیل۔ ان سب مباحث کی مع ازالۂ اوہام منکرین بحمد اللہ تعالیٰ و فضلہٖ مجدد مأتہ حاضرہ صاحب حجت قاہرہ المولوی محمد احمد رضا خان صاحب نے اپنی کتاب مستطاب و رسالۂ لاجواب مسمی بہ سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ میں فرمائی ہے۔ رزقنا اللہ و سائرہ اخواننا مطالعتہ اور ایصال صلاۃ و عرض اعمال پر ملائکہ کا متعین ہونا حضور کے اپنے سمع و بصر کے منافی نہیں کہ یہ داب بارگاہِ سلطانی ہے اور حضرت جل وعلا علام الغیب والشہادہ پھر اعمالِ عباد ہر صبح و شام ملائکہ کے حضور عرض کرتے ہیں جیسا کہ صحاح ستہ سے ثابت ہے۔

حررّہ:۔ العبد المسکین وصی احمد الحنیفی الحنفی السنی (اظہار شریعت، حصہ اول ۲تا۶)

اصلاح ندوۃ العلماء:

جہادِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانان بر صغیر افراتفری اور زوال کا شکار ہو گئے تھے فرنگی حکمرانوں کو اس خطہ کے ہندو باشندے یہ بات اچھی طرح باور کرا چکے تھے کہ جہادِ آزادی میں صرف اور صرف مسلمان شریک تھے۔ یہ جہاد صرف مسلمانوں اور ان کے علماء کی ایما پر کیا گیا تھا۔ جس کی بناء پر مسلمانوں پر ترقی کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے۔ خصوصاً علماء کی کڑی نگرانی کی گئی۔ نہ صرف یہ بلکہ مسلمانوں کے فقہی اختلافات کو ہوا دے کر بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی اساس اور بنیاد کو کمزور کرنے کی سازش کی گئی جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانانِ بر صغیر شدید افتراق و انتشار کا شکار ہو گئے اور جہادِ آزادی کے تقریباً نصف صدی بعد تک ان میں مرکزیت پیدا نہ ہو سکی۔ بر صغیر کی ہندو آبادی نے کشیدہ صورتحال سے حتی الامکان فائدہ اٹھایا اور تعلیمی میدان میں وہ مسلمانوں سے کہیں زیادہ آگے

نکل گئے۔ سرکاری ملازمتوں سے لیکر نجی کاروبار تک ہندو اثر غالب آگیا اور مسلمان قطعی طور پر اپنی اہمیت کھو بیٹھے۔ اس صورتحال کا چند درمند دل نہایت خاموشی سے جائزہ لے رہے تھے وہ جانتے تھے کہ جب تک مسلمانوں میں تعلیم کو عام نہیں کیا جائے گا اور محبت و یگانگت کو ان کے درمیان فروغ نہیں دیا جائے گا اس وقت تک یہ اپنا کھویا ہوا وقار حاصل نہیں کر سکتے۔ انگریزی تعلیم کو عام کرنے میں سر سید احمد خان بڑا اہم کردار ادا کر رہے تھے جبکہ مذہبی تعلیم کو نئے خطوط پر استوار کرنے کیلئے چند علماء امت مسلسل غور فکر میں غرق تھے۔ ایسے میں مدارس اسلامیہ کے نصاب کی اصلاح کیلئے ۱۸۹۳ء بمطابق ۱۳۱۰ھ میں مسلمانوں کی ایک مذہبی تنظیم ندوۃ العلماء کے قیام کی تحریک شروع ہوئی۔ (1)

بقول مولانا سید حسن مثنیٰ ندوی اصولی طور پر اس تحریک کا مرکزی مدرسۂ فیض عام کانپور تھا جہاں مولانا سید محمد علی کانپوری ثم مونگیری اور مولانا احمد حسن کانپوری درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مولانا محمد علی مونگیری مولانا احمد حسن کانپوری اور دیگر علماء نے اس نئی تنظیم و تحریک کے معاملات سرگوشیوں میں طے کیے اور مدرسۂ فیضِ عام کے سالانہ جلسہ دستار بندی کو اس تنظیم کی بنیاد رکھنے کیلئے استعمال کیا۔(2)

---

1 ابتداء میں اس نئی مجلس کا نام ندیۃ العلماء مشہور ہوا تھا لیکن بعد میں اسے بدل کر ندوۃ العلماء کر دیا گیا۔ (یادگار شبلی صفحہ ۲۸۴، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۱ء)

2 مولانا سید حسن مثنیٰ ندوی مضمون مجلس ندوۃ العلماء کی بین الاقوامی کانفرنس مطبوعہ روزنامہ حریت کراچی ۳، نومبر ۱۶۷۵ء

۱۳۱۰ھ میں مدرسۂ فیض عام کانپور کا سالانہ جلسۂ دستار بندی بڑے پیمانے پر منعقد کیا گیا اس جلسہ میں برصغیر کے علماء و مشائخ نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ ابتدائی وعظ و تقریر کے بعد مولانا محمد علی مونگیری نے ندوۃ العلماء کا پہلے سے مرتب کردہ خاکہ اجتماع کے سامنے پیش کیا۔ جسے تمام شرکاء جلسہ نے قبول کر لیا۔ اس مجلس کے قیام کی جب خبر عام ہوئی تو عرصے سے گھٹن اور حبس کی زندگی گزارنے والے مسلمانوں نے بری فراخدلی کے ساتھ مجلس کے قیام کا خیر مقدم کیا۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے یادگار شبلی میں " ندوۃ العلماء کے بانی" کے عنوان سے ایک تفصیلی بحث کا آغاز کیا ہے۔(1)

ہر چند وہ اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں کسی حد تک کامیاب رہے ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی گفتگو کو چند افراد تک محدود رکھنے کی دانستہ کوشش کی ہے۔ جو ایک محقق کے شایان اشن نہیں۔ یکطرفہ حوالوں کی بنیاد پر انہوں نے بڑے بڑے فیصلے دیدیئے ہیں۔ اور کسی ایسے عالم کا نام ندوہ کے ضمن میں نہیں آنے دیا جو بہ اعتبار مسلک ان کا ہم خیال نہ ہو۔ حتیٰ کہ انہوں نے شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی، مولانا احمد حسن کانپوری اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی کا بھی ذکر نہیں کیا۔ جو ایک صریح ناانصافی ہے۔ مدرسۂ فیض عام کے جلسۂ دستار بندی میں جن علماء نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی، شاہ محمد حسین الٰہ آبادی، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا محمد علی مونگیری، مولانا عبدالحق دہلوی حقانی، شاہ

---

1 ڈاکٹر شیخ محمد اکرم ص ۲۸۲، یادگار شبلی مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۱ء

سلیمان پھلواری، مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا محمد عادل کانپوری، مولانا حکیم مومن سجاد کانپوری وغیرہ شامل ہیں مگر نہ معلوم کن وجوہ کی بناء پر ندوہ کے ضمن میں ان افراد کا نام محققین کی تحریروں میں بہت کم ملتا ہے جو تعصب کی ایک بد ترین مثال ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی حیات شبلی میں لکھتے ہیں کہ ندوۃ العلماء کے قیام میں شامل افراد کا رابطۂ عقیدت ایک روحانی مرکز سے بندھا ہوا تھا۔ جس کا نام نامی اسم گرامی حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی تھا۔ تیرھویں صدی کے آخر میں اور چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں یہ ذاتِ گرامی سارے ہندوستان کی روحانی عقیدت کا مرکز تھی۔ سنتِ سنیہ، فقر و غنا، علم و عمل اور نور و معرفت کی تمام خوبیاں اس ایک ہستی میں جمع ہو گئی تھیں۔ (1)

علامہ سید سلیمان ندوی کا ی تجزیہ حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ مولانا لطف اللہ علیگڑھی، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا وصی احمد محدث سورتی کی عقیدت کا مرکز حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے مرید و خلیفہ تھے۔ یہاں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ علم تاریخ کو ہندوستان میں سائنسی بنیادوں پر جن افراد نے استوار کیا یا تو وہ سر سید احمد خان کے حلقۂ اثر میں شامل تھے یا اہلحدیث تھے، اسلئے تاریخ کے صفحات پر کسی ایک

---

1 مولانا سید سلیمان ندوی ص ۳۰۲، حیاتِ شبلی مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء

ایسے شخص کا نام نہ آسکا جس نے ردِّ وہابیت یا عدم تقلید کی مذمت میں سر گرمی کا مظاہرہ کیا ہو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخ کے وہ طالب علم جنہوں نے حاصل مواد پر اکتفا کیا آج تک حقیقت نا آشنا ہیں۔ اور کسی ایسی بات کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں جو فی زمانہ رائج تاریخی کتابوں میں موجود نہ ہو۔ بہر حال یہاں میرا مقصد ضمنی اختلافات کا بیان نہیں ہے اسلئے پھر میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔

ندوۃ العلماء کا قیام بظاہر تو بڑا خوش آئند تھا لیکن درونِ خانہ جلد ہی مختلف النوع مذہبی اختلافات کا گڑھ بن گیا۔ ان اختلافات کی ایک بڑی وجہ تو یہ تھی کہ اس میں شرکت کی دعوت عام تھی۔ ندوۃ کے اجلاسوں میں غیر مقلدوں، رافضیوں اور نیچریوں نے بڑی تعداد میں نہ صرف شرکت کی بلکہ اتحاد بین المسلمین کے نعرے کا سہارا لے کر کارپردازانِ ندوہ سے اس قدر قربت حاص کرلی کہ وہ ندوہ کے اجلاسوں کی روئیداد میں سر فہرست نظر آنے لگے۔ بات صرف یہیں تک محدود نہیں رہی بلکہ ان گروہوں کے سر کردہ افراد نے ندوہ کے پلیت فارم کو اپنے عقائد کے پرچار کے لئے استعمال کرنا شروع کردیا۔ متنازعہ مسائل پر تقاریر کی گئیں اور اتحاد بین المسلمین کے بجائے تفرقۂ امت کو ہوا دی گئی۔ ندوۃ العلماء کے جلسۂ دستار بندی منعقدہ کانپور کی روئیداد میں ہے کہ وہ جلسہ جو مسلمانوں کے ۔۔۔۔ اور ان کے باہمی نفاق کو اور ان کے مذہبی جھگڑوں کو دور کر سکتا ہے وہ صرف ندوۃ العلماء ہے اور یہ ہندوستان میں اپنی قسم کا پہلا اجلاس ہے۔ (1)

---

1 سیوف العنوہ علیٰ ذمائم الندوہ ص: ۳، سید امیر احمد مجددی فضل رحمانی، مطبوعہ بریلی ۱۳۱۵ھ

جلسۂ دستار بندی میں چونکہ ندوۃ العلماء کے قیام کا اچانک فیصلہ کیا گیا تھا۔ اسلئے اختلافی مسائل سامنے نہ آسکے۔ اور صرف خیر مقدمی تقاریر ہوئیں، جیسا کہ اس جلسہ کی روئیداد سے ظاہر ہے لیکن دوسرے سال مدرسہ فیض عام کانپور ہی میں پہلے باقاعدہ سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۵ء ۱۶ء ۱۷ء شوال ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں ندوۃ العلماء کے خد خال ہی بدل گئے۔ ناظم ندوہ مولانا محمد علی نونگیری مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور مولانا احمد حسن کانپوری ندوۃ العماء کے روحِ رواں تھے اور تینوں اشخاص رد وہابیت اور عدم تقلید مین ایک عرصہ تک سرگرم عمل رہ چکے تھے۔ اسلئے غیر مقلدوں اور دیگر فرقوں کے علماء کو تشویش لاحق ہوگئی اور انہوں نے پہلے باقاعدہ سالانہ اجلاس میں ندوۃ علاماء پر بڑی تعداد میں چھاپہ مارا اور اس کو اپنے مسلک اور عقائد کی ترجمانی کیلئے استعمال کرنا شروع کردیا۔ اخوت اور اتھاد کا کچھ اس انداز سے پرچار کیا گیا کہ تمام اسلامی قیود وضوابط کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اس اجلاس کی روئیداد کے مطابق علامہ شبلی نعمانی گلام حسنین کنتوری اور مولوی ابراہیم آروی نے نہ صرف اس اجلاس میں تقاریر کیں بلکہ بنیادی اراکین ندوۃ میں شامل کئے گئے۔ مولوی ابراہیم آروی جو عم تقلید کے پرچار میں سرفہرست تھے اپنا رسالہ ''اتفاق'' ندوہ کی کاروائیوں کیلئے وقف کردیا۔ اس رسالہ کو ندوۃ العلماء نے بھی پاس کی ااور تمام اراکین ندوہ اس کے خریدار قرار پائے۔ ایک اور غیر مقلد محمد احسن بہاری نے بھی اپنا رسالہ تحفہ محمدیہ جو کانپور سے شائع ہوتا تھا ندوہ کے لئے وقف کردیا۔ ان دونوں رسالوں میں مقلدین کی تذلیل کی گئی اور آئمہ اربعہ کے باہمی اختلافات پر بحث و مباحثہ کرکے یہ بات ثابت کرنے کی مسلسل کوشش کی جاتی

رہی کہ مقلدین آئمہ اربعہ پر خود ایک دوسرے کی تکفیر واجب آتی ہے۔(1)

شیعہ مجتہد علامہ غلام حسنین کنتوری نے بھی پہلے اجلاس میں تقریر کی اور علماء اہلسنت کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بلا فصل ثابت کرنے کے سلسلے میں ایسے دلائل دیے جن سے شیخین کی توہین ہوتی تھی۔ جلسہ کی روئیداد کے مطابق غلام حسنین کنتوری کے بیان سے حاضرین جلسہ کو فی الجملہ تکدر ہوااور بعض حضرات نے کچھ بولنا بھی چاہا مگر چونکہ یہ بات قرار پاچکی تھی کہ مجلس میں کسی قسم کی ردو قدح نہ ہواسلئے خاموشی اختیار کی گئی۔ ندوۃ العلماء کی کاروائی اس وقت ختم ہو گئی تھی مگر مجتہد صاحب کا بیان تنگی وقت کی وجہ سے ختم نہ ہوا تھا چنانچہ سہ پہر کو بھی جلسہ ہوا۔ بیان ختم ہونے کے بعد مولوی ابراہیم آروی نے بڑے شاندار الفاظ میں مجتہدین کا شکریہ ادا کیا۔(2)

اس جلسے کی روئیداد میں ہے کہ ہم مقلدان اور اہلحدیث ایک دوسرے کو موحد اور مومن جانتے ہیں اور کسی مومن کو مشرک اور بدعتی کہنا سخت گناہ سمجھتے ہیں اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز جانتے ہیں۔ (3)

اسی اجلاس میں مولانا شبلی نعمانی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ فروعات دین پر ہمارا اعتقاد نہیں۔ علم سے ہمارا مذہبی تعلق ہے کیونکہ مسلمانوں میں کوئی خصوصیت نہیں جس کو

---

1 سیوف العنوہ علیٰ ذمائم الندوہ ص: ۴

2 سیوف النعوہ علیٰ ذمائم الندوہ، ص: ۳۰۴

3 سیوف النعوہ علیٰ ذمائم الندوہ ص: 5

کلمۂ توحید پر اعتقاد ہے وہ مسلمان ہے۔(1) حد تو یہ ہے کہ مولانا محمد علی مونگیری نے بھی جو حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے مرید و خلیفہ تھے اپنا لب و لہجہ بدل لیا اور انہوں نے ندوۃ العلماء کے دوسرے اجلاس قیصر باغ لکھنؤ منعقدہ اپریل ۱۸۹۵ء میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مقلد اور غیر مقلد کا اختلاف ایسا ہے جیسا حنفی شافعی مالکی اور حنبلی کا اختلاف ہے۔ایک شے شافعیہ کے نزدیک فرض یا واجب ہے وہی حنفیہ کے نزدیک حرام و مکرو۔اب خیال کیجئے کہ بلحاظ عمل و اعتقاد دونوں فریقوں کے یہاں کس قدر فرق ہے۔اگر اس پر خیال کیجئے کہ فرض کو ممنوع اعتقاد کرنے والا اور حرام کو حلال جاننے والا کیسا ہے تو ایسا سخت حکم نکلے گا کہ ان چاروں گروہوں میں اسلامی شرکت بھی نہ رہے گی۔(2)

جلسۂ لکھنؤ میں ایک طویل نظم پڑھی گئی جس میں غیر مقلد مولوی نذیر حسین دہلوی اور شیعہ مجتہد غلام حسنین کنتوری اور حکومت وقت کی مدح کی گئی تھی۔ نظم کے کچھ اشعار بطور نمونہ یہاں درج کئے جا رہے ہیں۔(3)

وہ ذی علم و فن مجتہد دوراں	غلامِ حسنین پر جو ہے نازاں
ہوا مجلس ندوہ پر جن کا احسان	کیا متحد قوم کو جس نے ایجاں

الٰہی رہے اس کی توفیق یاور

1 سیوف النعوہ علیٰ ذمائم الندوہ ص: ۳

2 سیوف النعوہ علیٰ ذمائم الندوہ ص: ۸

3 سیوف النعوہ علیٰ ذمائم الندوہ ص: ۱۰-۹

کرے اب کی سال اور کچھ اس سے بڑھ کر

گورنمنٹ وکٹوریہ شاد بادا
دلش خرم و ملکش آباد بادا
فلک پر ہیں جب تک ستارے چٹکتے
زمیں پر رہیں جب تک جگنو چمکتے
گلستاں میں جب تک رہیں گل مہکتے
درختوں پہ جب تک ہیں طائر چہکتے
رہے لارڈ الگن کا اقبال یاور
مدارج ہوں لیفٹیننٹ صاحب کے برتر

ندوہ کے تیسرے اجلاس منعقدہ بریلی میں مولوی عبدالحق مصنف تفسیر حقانی نے مدارس اسلامیہ کے نصاب پر شدید نکتہ چینی کی اور کہا کہ "اگر ناگوار خاطر علماء نہ ہو تو صاف صاف عرض کردوں کہ پگڑی باندھ کر نکلے ہوئے عالم یا مولوی کا ہر علم میں بہت کم پایہ ہوتا ہے فقہ میں اس قدر مہارت نہیں ہوتی کہ معاملات کا فیصلہ کرسکے۔ وہ اس قابل نہیں ہوتا

کہ اس کو کہیں کا جج بنا دیا جائے۔(1) علماء اہلسنت کو جو پہلے مرحلہ سے ہی ندوۃ العلماء میں شامل تھے اس قسم کی باتوں سے تکدر ہوا خصوصاً عدم تقلید کے مسئلے کی اشاعت اور تقلید کے خلاف ندوۃ العلماء کی تقریروں اور تحریروں میں دلائل نے ان کو سخت تذبذب میں ڈال دیا۔ مولانا لطف اللہ رامپوری اور مولانا احمد رضا خان بریلوی تو پہلے ہی جلسہ کی کاروائی سے اس قدر دل برداشتہ ہوئے کہ انہوں نے جلسہ کے اختتام پر ناظم ندوہ اور جلسہ کی توجہ فساد فی الدین کی جانب مبذول کرائی اور اظہار حق کر کے ندوہ سے علیحدہ ہو گئے۔(2)

اس اجلاس میں مولانا احمد رضا خان بریلوی نے اصلاحِ نصاب پر ایک مقالہ بھی پڑھا تھا۔(3) جبکہ دیگر علماء اصلاح کے انتظار میں ندوہ سے تعاون کرتے رہے۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی چانکہ ناظم ندوہ مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے تلامذہ میں شامل تھے اسلئے ابتداء میں خاموش رہے۔ لیکن دوسرے جلسۂ لکھنؤ میں بھی وہی کچھ ہوا جو پہلے جلسے میں ہوا تھا چنانچہ انہوں نے اظہارِ حق کو ضروری تصور کرتے ہوئے اصلاح ندوہ کی جانب توجہ دی حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی تک بھی جو ان دنوں شدید استغراق کے عالم میں تھے ندوہ کی کاروائیاں پہنچیں اور آپ سخت کبیدہ خاطر ہوئے چنانچہ

---

1 سیوف النعوہ علیٰ ذمائم الندوہ ص: ۳۱

2 سیوف النعوہ علیٰ ذمائم الندوہ ص: ۳

3 سیوف النعوہ علیٰ ذمائم الندوہ ص: ۳

آپ کے صاحبزادے مولانا احمد میاں گنج مراد آبادی جب جلسۂ لکھنؤ میں شرکت کی اجازت لینے آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ وہ معاملات نفس ہیں لہٰذا وہاں جانے کی کوئی ضرورت نہیں(1)

حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کو مولانا وصی احمد محدث سورتی کی حق پرستی ہمیشہ عزیز رہی یہی وجہ ہے کہ جب محدث سورتی نے غیر مقلدوں کے رد میں "جامع الشواہد الاخراج الوہابین عن المساجد" مرتب کی تو شاہ فضل رحمٰن نے کسی قسم کے تردد کا اظہار نہیں فرمایا۔ اور معاملات شریعت میں آپ کے مشورہ کو ضروری قرار دیتے رہے بحیثیت خلیفہ مولانا وصی احمد محدث سورتی کیلئے یہ ضروری تھا کہ آپ ندوہ سے علیحدگی اختیار کرنے سے قبل یا اس کے خلاف کوئی فتویٰ دینے سے پہلے اپنے پیرو مرشد شاہ فضل رحمٰن سے رجوع کریں چنانچہ آپ نے لکھنؤ کے اجلاس منعقدہ ۱۳۱۲ھ کے بعد گنج مراد آباد حاضری دی اور تمام روئیداد اپنے پیرو مرشد کے گوش گزار کی چنانچہ شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی نے مولانا محمد علی مونگیری کو طلب کیا اور مفاسد ندوہ کے سلسلے میں بازپرس کی لیکن ان کے پاس سوائے خاموشی کے کوئی اور جواب نہ تھا۔ کیونکہ ندوہ پر تو تمام غیر مقلد، رافضی اور نیچری پوری طرح قبضہ کر چکے تھے یہی وہ مرحلہ ہے جہاں سے مولانا وصی احمد محدث سورتی کو اذنِ اظہار حق ملا اور آپ اصلاح ندوہ میں مصروف ہو گئے۔

پرفیسر انصار حسین نے لکھا ہے کہ مولانا وصی احمد محدث سورتی کو ابتدا ہی سے

---

1 مکتوب مولانا سید محمد رضا سندیلوی پوت داماد مولانا شاہ فضل رحمان بنام مولانا احمد رضا خاں ص: ۹۳

قومی اور مذہبی مشاغل سے خاص لگاؤ تھا۔ وہ ملک میں مذہبی علوم کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا چاہتے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ شاہ عبد الحق محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی جلائی ہوئی شمع کی روشنی کو دور دراز مقامات تک پھیلا دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ علم کے نام پر ہر مذہبی تحریک کو آگے بڑھانے میں خاص حصہ لیا کرتے ندوہ کے قیام کی تحریک میں اپنے پیر و مرشد شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے ساتھ شریک ہو کر گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ اور اس کے استحکام کیلئے سعیٔ بلیغ فرمائی مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مولانا شبلی نعمانی اور ان کے بعض رفقاء کے مذہبی خیالات سے آپ متفق نہیں ہوسکے اور ندوہ سے علیحدگی اختیار کرنا پڑی۔ نیز شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی اور ان کے مریدین نے بھی ندوہ سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔(1)

ندوۃ العلماء کے مفاسد کا ہندوستان میں سب سے زیادہ نوٹس مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور مولانا عبد القادر بدایونی نے لیا اور اصلاح ندوہ کے ضمن میں نہایت سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی نے بتداء میں ناظم ندوہ مولانا محمد علی مونگیری سے مفاسد ندوہ پر بات چیت کی اور برابر اصلاح پر زور دیتے رہے۔ اصلاحِ ندوہ کے سلسلے میں بریولی سے شائع ہونے والے رسائل اور واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اس سلسلہ میں مولانا وصی احمد محدث سورتی کے ساتھ جو علماء کام کر رہے تھے ان میں مولانا احمد میاں گنج مراد آبادی خلف مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی، مولانا محمد عادل کانپوری، مولانا شاہ محمد

[1] پروفیسر انصار حسین کانپوری ص ۱۹، ہمارے گنج گرانمایہ مضمون مطبوعہ ماہنامہ پیامِ حق کراچی جولائی ۱۹۵۸ء

حسین الٰہ آبادی، مولانا حکیم خلیل الرحمٰن پیلی بھیتی تلمیذ رشید مفتی لطف اللہ علی گڑھی، مولانا ہدایت رسول لکھنوی اور مولانا احمد حسن کانپوری وغیرہ شامل تھے لیکن ۲۳؍ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی وفات کے بعد یہ تمام حضرات مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی قیادت میں متحد ہو گئے۔ ندوۃ العلماء کی مخالفت صرف ان ہی علماء تک محدود نہیں تھی بلکہ گنگوہ اور دیوبند کے علماء بھی اس سے کنارہ کشی اختیار کیے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں کہ ندوہ میں مولانا محمود الحسن دیوبندی کی ابتدائی شرکت کے باوجود مولانا رشید احمد گنگوہی ندوۃ کی تحریک سے حسن ظن نہیں رکھتے تھے۔(1)

ایک مرحلہ پر جب علماء اہلسنّت کی دعوتِ اصلاح نے زور پکڑا تو اراکین ندوہ نے علماء دیوبند اور بریلی کے دیرینہ اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علماء دیوبند کو ندوہ میں شرکت کی دعوت دی۔ لیکن علماء دیوبند بھی ندوہ کی مذہبی اور اخلاقی صورتحال سے آگاہ ہو چکے تھے۔ اسلئے انہوں نے اس میں شرکت قبول نہیں کیا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی نے تو ایک فتویٰ میں ندوۃ کے عزائم و قیام کی سخت مذمت کی۔ ایک شخص محمد احسان اللہ غزنوی نے آپ سے استفسار دربارۂ ندوہ کیا تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا۔

"یہ جلسہ، جلسۂ ہمدردئ اسلام میں نہیں ہے بلکہ جیسا اس مسئلہ میں ظاہر کیا گیا ہے اس کے موافق باعث ہدم اسلام ہے۔ پس اس میں شرکت اور اس کی اعانت اصلاً درست

---

1 یادگار شبلی ص: ۲۸۸

نہیں ہے'' فقط واللہ اعلم بندہ رشید احمد عفی عنہ۔(1)

اس وقت تک علماء اہلسنت نے کھل کر ندوۃ العلماء سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی تھی اور نہ ہی ندوہ کی حمایت سے عوام الناس کو منع کیا تھا کیونکہ علماء اہلسنت کو اس بات پر یقین تھا کہ ندوۃ العلماء کے طریقۂ کار میں ضرور تبدیلی واقع ہو گی۔ مگر یہ تمام خوش فہمیاں اس وقت کافور ہو گئیں جب ندوہ کے سرکردہ افراد نے ندوۃ العلماء کا تیسرا اجلاس بریلی میں منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ یہ اعلان دراصل ایک اعلانِ جنگ تھا کیونکہ اصلاح ندوہ کی تمام کوششوں کا مرکز بریلی قرار پاچکا تھا۔ اور مولانا احمد رضا خان بریلوی دعوت اصلاح میں سر فہرست تھے۔ چنانچہ علماء اہلنست نے ضروری تصور کیا کہ اجلاس بریلی سے قبل ایک مرتبہ پھر ناظم ندوہ سے مفاسد ندوہ کو دور کرنے کی درخواست کی جائے۔ اس مقصد کیلئے مولانا وصی احمد محدث سورتی کو بحیثیت سفارت کار مقرر کیا گیا اور محدث سورتی ناظم ندوہ کے نام مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ایک خط لے کر جس میں پابندی اور مذہب اہلسنت کی درخواست کی گئی تھی۔(2) کانپور پہنچے اور کئی دن تک مسائل پر بات چیت کرتے رہے مگر کوئی مثبت جواب نہ ملا نتیجتاً پیلی بھیت واپس آ گئے(3)

---

1 مہر گنگوہ در رد ندوہ ص: ۱۲

2 مولانا احمد رضا خان اور ناظم ندوہ مولانا محمد علی مونگیری کے درمیان اصلاح کے ضمن میں ہونے والی تمام خط و کتابت ''مراسلات سنت و ندوہ'' کے نام سے ۱۳۱۳ھ میں مطبع نظامی بریلی شائع ہو چکی ہے۔

3 سر گزشت وماجرائے ندوہ ص: ۳، مرتبہ مولانا عبدالحئ پیلی بھیتی مطبع نادری پریس بریلی ۱۳۱۳ھ

اس عرصے میں مولانا احمد رضا خان بریلوی ردِ ندوہ میں اپنا فتویٰ ''القدوہ الکشف دفین الندوہ'' تحریر فرما چکے تھے۔ اس فتوے کو اطراف و اکناف ہند میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ کیونکہ اس میں مختلف بلاد و امصار کے تقریباً پچپن علماء اہلسنت کی مواہیر ثبت تھیں۔(1) مولانا وصی احمد محدث سورتی کو پیلی بھیت پہنچنے پر یہ فتویٰ مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ایک مکتوب کے ہمراہ موصول ہوا جس میں مولانا احمد رضا خان بریلوی نے آپ سے مفاسدہ ندوہ کے رد میں فتویٰ تحریر کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ محدث سورتی نے اس مکتوب کا جواب ۲، شعبان ۱۳۱۳ھ کو تحریر کرتے ہوئے مولانا احمد رضا خان بریلوی کو لکھا۔ مطالعہ استفتاء دربارۂ ندوہ سے مستفید ہوا کیا لاجواب جواب آپ نے افادہ فرمایا ہے ۔"جزا کم اللہ عنی و عن سائر اهل السنة خیر الجزاء" میری تحریر کا کوئی اثر پڑنا بظاہر ممکن نہیں معلوم ہوتا مگر آج میں نے بڑے شد و مد کی تحریر روانہ کر دی ہے۔ آپ دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ نتیجہ مطلوبہ مرتب کرے اور ان کی عنان کو حق کی طرف منعطف کرے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔(2)

مولانا وصی احمد محدث سورتی نے اپنے مکتوب میں جس تحریر کا ذکر کیا ہے وہ آپ کا ناظم ندوہ مولانا محمد علی مونگیری کے نام مکتوب تھا لیکن ارباب ندوہ کی جانب سے حسب سابق خاموشی برقرار رہی البتہ مولانا محمد علی مونگیری نے مولانا وصی احمد کے مکتوب کا

---

1 ''فتاویٰ القدوہ الکشف دفین الندوہ'' مطبوعہ قادری پریس بریلی ۱۳۱۳ھ

2 مکتوبات علماء ص: ۱۰۷، مرتبہ حافظ سید عبدالکریم قادری مطبوعہ مطبع اہل سنت بریلی۔

جواب ارسال کیا مگر اس میں بھی کسی مثبت اقدام کا تذکرہ موجود نہیں تھا۔ محدث سورتی نے مولانا احمد رضا خان کو ۱۱؍ شعبان ۱۳۱۳ھ کو ایک اور خط تحریر کیا جس میں مولانا محمد علی مونگیری کے خط کا حوالہ بھی دیا تھا۔

بحر العلوم مولانا و بالفضل مولٰنا مولوی احمد رضا خان صاحب عمت فیوضا تہم المشارق والمغارب السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میں نے سابق کے عریضہ میں نظر فیض اثر سے گزارنا تھا کہ جناب ناظم صاحب پر میری تحریر کا کوئی اثر نہیں پڑنے کا مگر ان کو متنبہ کروں گا چنانچہ میں نے ایک عریضہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے یہ عنایت کی کہ فوراً جواب دیا۔ الفاظ اس کے بعینہٖ مرقوم ذیل ہیں۔

"عزیزی السلام علیکم ورحمۃ اللہ ! محبت نامہ نے پہنچ کر مسرور کیا۔ آپ کا غصہ یا خفگی چونکہ خلوص کی وجہ سے ہے اسلئے مجھے مسرت ہوتی ہے۔ بریلی کی انجمن اسلامیہ نے دعوتِ جلسہ کی اور مولوی احمد رضا خاں صحاب کا خلاف ذکر کیا اور مولوی خلیل الرحمٰن صاحب(1) وغیرہ نے بھی حالت دریافت کی اراکین اب تک اس بات پر ہیں کہ بریلی میں

---

1 مولانا خلیل الرحمٰن سہارنپوری حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے فرزند تھے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ مظاہر العلوم میں پائی ۱۲۹۱ھ بمطابق ۱۸۷۴ء کی روئیداد مظاہر العلوم کے تقسیم انعامات کے نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے میر=زاہد رسالے میں امتیازی نمبر پائے تھے۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد عمارتی لکڑی کا کام شروع کیا۔ جس کا صدر مقام پیلی بھیت تھا۔ ندوۃ العلماء کی تحریک کی ابتداء ہی سے اس سے منسلک ہوگئے۔ اجلاس دوئم منعقدہ لکھنؤ میں اراکین مجلس انتظامی میں شامل تھے۔ ۱۲۲۳ھ مطابق ۲۸ فروری ۱۹۳۶ء کو ندوہ کے نائب ناظم بااختیارات ناظم منتخب ہوئے بعد میں ۱۹۱۵ء میں مولانا عبدالحئی رائے بریلوی کو ان کی جگہ ناظم منتخب کر لیا گیا۔ آخر عمر میں

جلسہ ہونا چاہئے دیکھئے کیا ہو" انتہی کلامہ بقدر الحاجۃ اصل حال یہ ہے کہ ناظم صاحب برائے نام ہیں۔ قابو اور ہی لوگوں کا ہے ارا کین مودین میں کوئی خوش عقیدہ نہیں۔ جو خوش عقیدہ تھے مانند شاہ محمد حسین الٰہ آبادی (1) وغیرہ وہ لوگ بھی ندوہ کی حرکتوں سے متنفر ہو کر اب کی سال سے علیحدہ ہو گئے ہیں اب باقی ماندہ ارا کین میں سب سے اول درجے کے دخیل شبلی معتزلی ہیں اور دوسرے درجہ کے مولوی خلیل الرحمٰن صاحب سہارنپوری، مولانا شبلی نے ان کو لکھا ہے کہ جس طرح ہو ندوہ کا جلسہ بریلی میں ہی ہونا چاہئے" (2) وصی احمد حنفی از پیلی بھیت ۱۱؍ شعبان ۱۳۱۳ھ

محدث سورتی نے ندوہ کا اجلاس بریلی میں منعقد ہونے سے قبل اختلافات کو دور

سہارنپور میں مقیم تھے۔ ۱۰؍ ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ بمطابق ۴؍ فروری ۱۹۳۶ء کو سہارنپور میں وفات پائی (ماخوذ۔ حیات عبدالحئی ص ۱۵۱، مطبوعہ دارالمصنفین جامع مسجد دہلی ۱۹۷۰)

1 شاہ محمد حسین الٰہ آبادی نامور عالم، عربی کے زبردست ادیب اور مرشد کامل تھے۔ آپ ۱۸۵۳ء محلہ بہادر گنج مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ مولانا نعمت اللہ فرنگی محلی، مولانا ابوالحسنات عبدالحئی فرنگی محلی اور قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے تعلیم پائی۔ تکمیل درسیات کے بعد حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ اور شیخ الاسلام علامہ سید احمد دحلان مکی سے سند حدیث حاصل کی۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے ارادت و خلافت کا شرف حاصل تھا۔ ہندوستان کے روحانی و علمی حلقوں میں آپ کو بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ ندوۃ العلماء کے بانیوں میں تھے لیکن بعد میں اہلسنّت کے علماء کی فہمائش پر اصلاح ندوہ پر آمادہ ہوئے اور جلد ہی ندوہ چھوڑ دیا۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے یادگار شبلی مطبوعہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور میں لکھا ہے کہ شاہ محمد حسین الٰہ آبادی کی ندوہ سے علیحدگی ایک بڑی محرومی ہے۔ ۹؍ رجب ۱۳۲۲ھ کو سماع کی ایک محفل میں عالم وجد میں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

2 مکتوبات علماء ص: ۱۰۸

کرنے کی متعدد تدابیر کیں۔ مولانا محمد علی مونگیری اور محدث سورتی میں استاد و شاگرد کا رشتہ ہونے کی وجہ سے حد درجہ قربت تھی۔ اسلئے علماء اہلسنت کو اس بات کا یقین تھا کہ اصلاح ندوہ کے سلسلہ میں مولانا محمد علی مونگیری سے کوئی کارروائی صرف محدث سورتی ہی کرا سکتے ہیں مولانا محدم علی مونگیری کی کیفیت سے محدث سورتی بخوبی واقف تھے۔ جیسا کہ آپ نے مولانا احمد رضا خان کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا تھا کہ ”ناظم ندوہ برائے نام ہیں قابو اور ہی لوگوں کا ہے“ ،اس لئے یہ طے کیا گیا کہ مولانا محمد علی مونگیری کو ندویوں کے حصار سے رہائی دلادی جائے۔ مگر اس وقت تک مولانا مونگیری ندوہ کے تنخواہ دار ملازم قرار پاچکے تھے چنانچہ مولانا احمد رضا خان نے یہ تجویز پیش کی کہ ان کو بریلی کے مدرسہ میں بحیثیت صدر مدرس بلالیا جائے۔ محدث سورتی نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور آپ شوال ۱۳۱۴ھ میں پھر کانپور پہنچے تا کہ مولانا مونگیری سے مذاکرات کر سکیں۔ مگر محدث سورتی کے کانپور پہنچنے کے بعد اس تجویز کی اطلاع ان اراکین وار بابِ ندوہ کو ہوگئی جو مولانا محمد علی مونگیری کی شخصیت کی آڑ میں وہ اہلسنت کو دھوکہ دے کر اپنے عقائد کو عام کر رہے تھے چنانچہ انہوں نے مولانا محدم علی مونگیری کے گرد اپنا دائرہ تنگ کر دیا۔ اور اس تجویز کو کسی حد تک ناکام بنادی امحدث سورتی نے ایک مکتوب کے ذریعہ مولانا احمد رضا خان کو ان حالات کی اطلاع دی جس کا متن درج ذیل ہے۔

”بعد اہدیٰ ہدیہ سنیہ۔ میں نے حسب ارشاد صواب بنیاد محض بنظرِ خیر خواہی اسلام تدابیر اصلاح میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ حتیٰ کہ جناب مولانا مولوی محمد علی صاحب

کو حضور کی ملازمت کیلئے آمادہ کیا بلکہ ان سے عہد وثیق لیا چنانچہ تاریخ روانگی سے بھی میں حضور کو اطلاع دے چکا مگر افسوس کہ بجوہ عدیدہ شاہد مقصود منصۂ ظہور پر جلوہ گر نہ ہو سکا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔۔۔وصی احمد حنفی از کانپور۔۔۵ا، شوال ۱۳۱۳ھ

ادھر علماء اہلسنت کی جانب سے اصلاح ندوہ کی کوششیں جاری تھیں اور ادھر اربابِ ندوہ بریلی میں اجلاس منعقد کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ بریلی علماء اہلسنت کا مرکز ودار الخلافہ تھا۔ اسلئے ارباب ندوہ کو یہ فکر بھی لاحق تھی کہ کہیں اجلاس ندوہ درہم برہم نہ ہو جائے چنانچہ انہوں نے اجلاس سے قبل بریلی اور اس کے قرب وجوار میں آباد شہروں میں وفود بھیجے جن کو خاص تاکید کی گئی کہ وہ خود کو سنی ظاہر کرتے ہوئے ندوہ کا پرچار کریں اور عوام اہلسنت کو جو علماء حق پسندی کی بناپر مخالف ندوہ ہو گئے ہیں ندوہ کے حق میں ہموار کریں۔ اس سلسلہ میں مولانا شاہ سلیمان پھلواری پیلی بھیت پہنچے اور تائید ندوہ میں پیلی بھیت کے عوام کو ہموار کرنے کیلئے کئی ایک تقاریر کیں۔ ۱۳ا، ذی القعد ۱۳۱۳ھ کو مولانا وصی احمد محدث سورتی نے ایک خط مولانا احمد رضا خان بریلوی کو لکھا کہ گذشتہ جمعہ کو شاہ سلیمان صاحب بغرض اشاعت ندوہ میں معہ چند ندویوں کے وارد پیلی بھیت ہوئے۔ پیشتر امام اور خوش عقیدہ لوگوں مثل حکیم خلیل الرحمٰن خان صاحب وغیرہ نے قبل از خطبہ ان کی فہمائش کی ندوہ کے بارے میں آپ کچھ نہ فرمائیں بندہ نے بھی اتنا کہا کہ مجھ کو ندوہ والوں سے ڈر معلوم ہوتا ہے انہوں نے فرمایا کہ میں کچھ نہ کہوں گا مگر بطور تدبیر ماتقدم کے میں حضور کے افادات اور ان کا خط مطبوع اپنے ہمراہ لیتا گیا تھا کہ

ان کا کچھ اعتبار نہیں اگر کچھ خلاف گفتگو کی فوراً مواخذہ کروں گا۔ مگر بحمد للہ صراحتاً تو کیا اشارۃً بھی انہوں نے ندوہ کا ذکر نہ کیا۔ شاہ محمد شیر (1) صاحب سے ملے انہوں نے بھی چٹکیاں لیں چنانچہ شاہ صاحب سے ناخوش بھی ہوئے (2)

اصلاح ندوہ کے سلسلہ میں پیلی بھیت کے علماء و مشاہیر نے بھی بے پناہ دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ مولانا عبدالحیٔ نے سر گزشت و ماجرائے ندوہ میں لکھا ہے کہ "پیلی بھیت کے اہل عمل و رؤساء و معززین مثل مولانا حافظ شوکت علی، رئیس اعظم پیلی بھیت، جناب محمد عبداللطیف خان صدر انجمن اسلامیہ پیلی بھیت، جناب محمد عبداللہ خان تاجر، مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولوی عتیق احمد امام مسجد جامع پیلی بھیت، مولانا عبدالحق مدرس تلمیذ رشید مولانا وصی احمد محدث سورتی وغیرہم اکابر کا شکر اہلسنت پر لازم ہے کہ ان حضرات اور ان کے اصحاب کے اثبات و استقامت و سعی و ہدایت نے بحمد للہ روزِ اوّل سے اس سلامی شہر کو مفاسد ندوہ سے پاک رکھا ہر چند داعیان ندوہ نے جی توڑ کر عرق ریزیاں کیں مگر ناکام رہے۔ مسجد جامع وغیر کے جلسوں میں دندان شکن جواب سنے خود علی جناب کمالات نصاب جناب شاہ جی محمد شیر میاں صاحب دامت برکاتہم نے بھی اپنے ارشاد ہمت کو حمایت سنت میں صرف فرمایا۔ یہاں تک کہ ایک گل گلزار ندوہ نے دم ملاقات ان

---

1 پیلی بھیت کے ایک صاحب سلسلہ بزرگ شاہ جی محمد شیر میاں

2 ـــــــ مکتوبات

کے حملہ شیرانہ کے حضور اپنی پھلواری کا رنگ پھیکا اور روزن پھول سے ہلکا پایا۔(1) گل سے شگفتہ گئے تھے اور غنچہ سے بستہ اٹھے۔ منہ کھولنے کا موقع ہاتھ نہ آیا۔(2)

شاہ سلیمان پھلواروی کے فوراً بعد پیلی بھیت کے عوام اہلسنت نے شہرۂ آفاق خطیب مولانا ہدایت رسول رامپوری ثمہ لکھنوی کو پیلی بھیت آنے کی دعوت دی تاکہ شاہ صاحب ندوہ کے سلسلہ میں درونِ خانہ پیلی بھیت کے چند افراد سے جو جوڑ توڑ کر گئے ہیں اس کا رد کیا جاسکے۔ مولانا ہدایت رسول کی آمد پر حامیان ندوہ بڑے جز بز ہوئے پیلی بھیت کے ایک عالم اور مولانا وصی احمد محدث سورتی کے شاگرد رشید مولانا صفدر علی پشوری حامیانِ ندوہ میں شامل تھے۔ چنانچہ انہوں نے مولانا ہدایت رسول لکھنوی کی تقاریر روکنے کی سعی کی۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی ہمیشہ سے دلائل و براہین پر زور دیتے تھے اور کسی پر اپنا مسلک و عقیدہ مسلط کرنے کے روادار نہ تھے۔ اس لئے آپ نے مولانا صفدر علی پشوری کو حمایت ندوہ سے منع نہ فرمایا تا آنکہ ندوہ کی حقیقت خود ان پر عیاں نہ ہو گئی۔ مولانا احمد رضا خان کے نام ایک مکتوب میں محدث سورتی لکھتے ہیں کہ ''مولانا لکھنوی تشریف لائے تھے۔ مولوی پشاوری نے بعض میرے احباب سے کہا کہ ہم ندوہ کی طرف سے مامور ہیں کہ مولانا لکھنوی کو بیان نہ کرے دیں ایک بجے جس وقت ہم جامع مسجد پہنچے اسی وقت دوسرے دروازے سے مولوی پشاوری بعض ندویوں کے ساتھ پہنچے۔ عبداللہ خان صاحب نے ان

---

1 مولانا شاہ سلیمان پھلواروی

2 سرگزشت و ماجرائے ندوہ ص: ۱۱

سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ لوگوں کا کچھ ایسا ارادہ ہے انہوں نے کہا ہاں، بیشک، عبداللہ خان نے کہا بہتر جو آپ کی رائے میں آوے کیجئے۔ مگر پھر مجھ سے بھی شکایت نہ کیجئے۔ تب مولوی مشاوری کے ہوش ہرن ہوئے، خجل ہو کر مولانا لکھنوی سے کہنے لگے ندوہ میرا پیر ہے میں ندوہ کا مرید ہوں، اس کو کوئی برا کہے گا تو میں اپنی جان دے دوں گا۔ عبداللہ خان صاحب نے کہا کہ اگر آپ نہیں سن سکتے ہیں تو آپ کیوں شریک بیان ہوں۔ نماز پڑھ کر چلے جایئے۔ بعد نماز مولانا لکھنوی ممبر پر بیٹھے اور کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ مولوی پشاوری وغیرہ صحن میں ٹہل رہے تھے بعد بیان کے مولوی پشوری نے خود ہی کہا کہ دو تین دن قیام فرمایئے تاکہ بقیہ لوگوں کے شبہے رفع ہو جائیں۔ اور ندوہ کیا ہے صرف پلاؤ اور قورمہ کی فکریں ہو رہی ہیں۔(1)

مولانا عبدالقادر بدایونی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کو اجلاس بریلی سے قبل ہندوستان کے اسی ۸۰ سے زائد علماء نے ندوہ کے سلسلہ میں علماء اہلسنت کے مؤقف کی تائید و حمایت میں ایک سو سے زائد خط تحریر کئے جو ۱۳۱۴ھ میں بریلی سے مکتوبات علماء و کلام اہل صفا کے نام سے کتابی شکل میں شائع کر دیئے گئے تھے۔ اس مجموعۂ مکتوبات میں فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان کے نام مولانا وصی احمد محدث سورتی کے آٹھ خطوط شامل ہیں جن میں محدث سورتی نے ندوۃ العلماء سے اختلافاتِ اہلسنت پر بڑی مفصل روشنی ڈالی ہے۔

مولانا وصی احمد محدث سورتی نے اجلاس بریلی ۱۳۱۳ھ کے دوران بھی اختلافات

---

1 مکتوبات علماء ص: ۱۱۰

کو دور کرنے کے سلسلے میں حتی الامکان کوشش کی۔ آپ نے مولانا لطف اللہ علی گڑھی مولانا محمد علی مونگیری، مولانا عبدالحق دہلوی حقانی، مولانا خلیل الرحمٰن سہارنپوری خلف مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور شاہ سلیمان پھلواروی سے مولانا احمد رضا خان اور مولانا عبدالقادر بدایونی کی ملاقاتیں کروائیں۔ کئی کئی گھنٹے مذاکرات جاری رہے حتّٰی کہ مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور مولانا عبدالحق حقانی نے تو علماء اہلسنّت سے وعدہ فرمایا کہ اختلافات کو اجلاس کے انعقاد و اختتام سے قبل ہی دور کر دیا جائے گا لیکن جلسہ شروع بھی ہوا اور ختم بھی ہو گیا۔ مگر اختلافات اپنی جگہ برقرار رہے مولانا عبدالحیٔ پیلی بھیتی نے ''سرگذشت ندوہ'' میں اجلاس بریلی کے دوران کی جانے والی مصالحتی کوششوں کا بڑا تفصیلی احاطہ کیا ہے۔

ندوۃ العلماء کا چوتھا اجلاس میرٹھ میں ہوا۔ اس عرصہ میں مولانا وصی احمد محدث سورتی اپنی کتاب ''تعلیق المجلی'' کے پروف پڑھنے اور اس کی اشاعت میں مصروف تھے لیکن آپ کی توجہ ندوہ کی جانب سے نہیں ہٹی تھی۔ بلکہ آپ برابر ندوہ سے شائع ہونے والی مطبوعات اور ندوہ کی روئیداد ملاحظہ فرما رہے تھے۔ ۴ صفر ۱۳۱۴ھ کو پیلی بھیت سے آپ نے مولانا احمد رضا خان کو ایک خط تحریر کیا اور ندوہ کی روئیداد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ ''ندوہ نے ایک مختصر کیفیت طبع کرائی ہے اور اس کے دو حصے کر کے ایک حصہ کو جس میں بڑی بے تہذیبی کے شنیع کلمات لکھے ہیں محمد احسن بہاری کی طرف منسوب کیا ہے جو خاص ناظم صاحب کے ملازم ہیں اور تحفۂ محمدیہ کا جو ناظم صاحب نے اپنے زر نقد سے جاری کیا ہے اہتمام اور حساب و کتاب ان کے متعلق کیا ہے حقیقت میں اس حصہ اوّل کے محرّر میری

رائے میں ناظم صاحب ہی معلوم ہوتے ہیں ار یہ محمد احسن وہی ہیں جو ایام ندوہ بریلی میں حاضرِ خدمت ہوئے تھے۔ جب حضور نے فرمایا کہ روئیداد کی عبارت ناظم نے نہیں لکھی بلکہ کسی اور نے لکھی ہے۔ ناظم کی نظر شاید اس پر نہیں پڑی۔ تو انہوں نے کہا کہ نہیں وہ ناظم صاحب کی تحریر ہے۔ فقط، دوسرا خط منشی نہال احمد کے نام لکھا ہے جو خاص دفتر ندوہ کے محرر ہیں۔ اپنے یہاں کی تصنیف میں اس کیفیت کے اکادیب کا رد ملحق کرنا مناسب ہے(1)

۱۶ ربیع الآخر ۱۳۱۴ھ کو مولانا وصی احمد محدث سورتی کو ندوہ کے رد میں لکھے جانے والے رسائل موصول ہوئے۔ ان رسائل کے بارے میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کو اپنی رائے تحریر کرتے ہوئے ایک مکتوب میں لکھا کہ زعنم الجلہ مع غزوہ رسائل پہنچے۔ بہت رسائل بحمد اللہ اعلیٰ درجہ کی قبولیت پر فائز ہیں ''زعم الجہلہ'' اور ''سطوہ'' اور ''غزوہ'' کی تحریر عالم طبائع کے نہایت پسند ہوئی۔ عبارتیں ایسی سلیس اور روزمرہ حال کے موافق ہیں کہ ہر قسم کا ناظر ان کے مطالعہ سے محظوظ ہوتا ہے اور بے اختیار واہ واہ کہہ اٹھتا ہے۔ آئندہ کو بھی ایسے عنوان کی تحریر اگر ہوں گی تو نہایت مؤثر ہونگی۔ ندوہ کے سب ہفوات کا قلع و قمع ہو گیا۔ ان کی بھی خبر لینا بہت ضروری ہے۔(2)

۱۳۱۴ھ میں حیدر آباد کے ممتاز عالم مولانا عبدالرزاق المکی نے ایک رسالہ ندوہ کے مفسدات کے رد میں ''فتاوی السنہ لالجام الفتنہ'' کے نام سے تحریر فرمایا۔ اس رسالہ پر

---

1 مکتوبات علماء ص: ۱۱۱

2 مکتوبات علماء ص: ۱۱۱

ہندوستان کے متعدد علماء کی تقاریظ موجود ہیں۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی نے اپنی تقریظ میں تحریر فرمایا کہ ''میں ندوۃ العلماء کے جلسۂ اول کانپور اور جلسۂ دوئم لکھنؤ دونوں میں باصرار مولانا ناظم ندوہ (محمد علی مونگیری) شریک ہوا۔ اور ہمیشہ کوشش کرتا رہا کہ ندوہ مفاسد شرعیہ بری رہے۔ اراکین خاص بااختصاص میں وہ حضرات غالب ہیں جو دین کو برباد کیا چاہتے ہیں اور ان کی ہی رائے صائب تصور کی جاتی ہے اور ان ہی کی تجویز منظور ہوتی ہے بالآخر تیسرے جلسہ بریلی میں شریک نہ ہوا۔ لیکن خواہاں اصلاح ندوہ رہا۔ مولانا ناظم اور حضرت صدر (مولانا لطف اللہ علی گڑھی) سے بہت کچھ عرض کیا لیکن سود مند نہ ہوا۔ اراکین ندوہ کی ہٹ دھرمی روز بروز بڑھتی جارہی ہے اور بے قیدی برابر ترقی پاتی ہے۔ کتب سابقہ کے علاوہ اب جو اراکین ندوہ نے دو چار تحریریں مصلحین ندوہ کے جواب میں شائع کی ہیں ان سے بالکل یقین ہوتا ہے کہ ندوہ کے غرض اصول و فروع شرعیہ دونوں کو ضرر پہنچانا ہے۔ اور اس میں وہ لوگ یہ نفع سوچتے ہیں کہ ترقی دنیا حاصل کرنے کیلئے یہی طریقۂ نیچریہ اختیار ہو سکتا ہے۔ کہ اسلام صرف کلمہ گوئی کا نام سنت صرف شیعیت کے مقابل۔ باقی جس قدر فرقے سب سنیوں میں داخل اختلاف عقائد کا نتیجہ اس کو ندوہ سچا اسلام تصور کرتا ہے۔ رہا مدرسہ اگر بالفضل اس میں کتب دینیہ وحنفیہ کے ہوں لیکن فلسفہ جدید بغیر رد کے بدولت پروفیسروں کی لیاقت دیانت سے یقین ہے کہ انجام کار اصول اسلام کو طالب علم ہی سمجھیں گے اور جب اصول وضروریات اسلام کا یہ رنگ لازم آتا ہے تو سنت اور حنفیت کا کیا ذکر۔ اس کے استحصال کیلئے تو غیر مقلدین کا سنی قرار دیا جانا ہی کافی تھا۔ انا

للہ وناا الیہ راجعون۔(1)

ندوۃ العلماء کا پانچواں اجلاس شاہجہان پور میں منعقد ہونا قرار پایا۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی کی مصروفیات میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ تصنیف وتالیف کی جانب آپ نے مکمل توجہ کردی تھی جس کی بناء پر جلسوں میں شرکت اور پیلی بھیت سے باہر کا سفر تقریباً ترک کردیا تھا۔ شاہجہاں پور میں ندوہ کے اجلاسوں کی اطلاع ملی تو آپ نے معذرت طلب کی لیکن مولانا عبدالقادر بدایونی کے اصرار پر شاہجہاں پور روانگی کا قصد فرمایا۔ دراصل مولانا عبدالقادر بدایونی کی قیادت میں اجلاس ندوہ کے موقع پر ایک وفد شاہجہاں پور جارہا تھا کہ وہاں پر عوام اہلسنت کو مفاسد ندوہ سے آگاہ کرسکے۔ اس وفد میں مولانا وصی احمد محدث سورتی اور آپ کے صاحبزادے سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی، مولانا مولوی حسن رضا خان بریلوی، نواب سلطان احمد خان بریلوی، مولانا حکیم عبدالقیوم بدایونی، مولانا جمیل الدین خطیب جامع مسجد بدایوں، مولانا مولوی حافظ بخش متوطن آنولہ مدرس مدرسہ محمدیہ چودھری گنج اور حکیم مولوی محمد مومن سجاد کانپوری وغیرہم شامل تھے۔(2) شاہجہاں پور میں اجلاس ندوہ سے قبل وفد نے اراکین ندوہ سے مختلف مسائل پر بات چیت کی اور حسب سابق دعوت اصلاح دی۔ ندوہ کی جانب سے جن اراکین نے گفتگو کی ان میں مولانا عبداللہ انصاری، مولوی جمیل الدین احمد خان بہادر ڈپٹی کلکٹر اور نواب عبدالرشید خان

---

1 فتاویٰ السنۃ لالجام الفتنہ ۵۲، مولانا عبدالرزاق المکی الحیدر آبادی، مطبوعہ مطبع اہلسنت وجماعت بریلی ۱۳۱۴ھ

2 عرش صور ص: ۱۱، مولانا حکیم محمد مومن سجاد کانپوری مطبوعہ مطبع اہلسنت بریلی ۱۳۱۶ھ

تحصیلدار شاہجہاں پور اور سابق ڈپٹی کلکٹر شاہجہاں پور جناب عثمان خان شامل تھے۔ اجلاس ندوہ کی صدارت مولانا محمد شاہ رامپوری کو کرنا تھی لیکن ان کے غیر مقلد ثابت ہونے پر طے کیا گیا کہ مولانا احمد حسن کانپوری سے صدارت کرائی جائے علمائے اہلسنت کی اجلاس ندوہ کے موقع پر شاہجہاں پور میں موجودگی بیشتر علماء وارا کین نے اجلاس ندوہ میں شرکت سے اجتناب کیا۔ ان افراد میں میاں سید فخر عالم، مولانا ریاست علی خان، مولوی فضل المجید، مولوی نور عالم ساکن سرحد، مولوی محمد گل ساکن مراد آباد، منشی سخاوت حسین مجسٹریٹ شاہجہاں پور اور حاجی عبدالمجید خان پیلی بھیتی وغیرہ شامل تھے علماء اہلسنت نے ایک ہفتہ سے زائد شاہجہاں پور میں قیام کیا اور مفاسد ندوہ کو بلا خوف عام کیا۔ متعدد تقاریر کیں اور ردِ ندوہ میں رسائل تقسیم کئے نتیجتاً اہل ندوہ کو شاہجہاں پور سے خاطر خواہ تائید وحمایت حاصل نہ ہو سکی۔ اور علماء اہلسنت فریضہ حق ادا کر کے شاہجہاں پور سے رخصت ہو گئے۔(1)

ندوہ کے مفاسد کی تشہیر سے علمائے اہلسنت ندوہ کی اصلاح میں تو کامیاب نہ ہو سکے البتہ ندوہ کو حسب توقع مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ وہ ندوہ جس کو ایک یا دو سال کی مدت میں مستحکم تنظیم کا روپ دھار لینا چاہئے تھا کئی سال تک کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہوا کے دوش پر ہچکولے کھاتا رہا۔ اس کے علاوہ علماء اہلسنت کی کوششوں سے ندوہ کے اندر بھی گروہ بندی شروع ہو گئی۔ انتظامی معاملات لائحہ عمل کی تیاری اور اس ک نفاذ کے سلسلے میں رسہ کشی نے

---

1 یہ تمام تفصیلات حکیم محمد مومن سجاد کانپوری کے رسالہ عرش صور بر ندبہ شاہجہاں پور، مطبوعہ ۱۳۱۶ھ سے اخذ کی گئی ہیں۔

اس قدر زور پکڑا کہ ناظم ندوہ مولانا محمد علی مونگیری کو اپنے وقار کے تحفظ کیلئے ندوہ کی نظامت سے مستعفی ہونا پڑا۔

حیات عبدالحئی کے مصنف نے لکھا ہے کہ بالآخر ندوۃ العلماء کی تاریخ میں وہ نازک موڑ آگیا جو تقریباً تمام تحریکوں اور کوششوں کی تقدیر بن چکا ہے یعنی مجلسِ انتظامی ندوۃ العلماء کے اندرونی اختلافات مزاجوں کے عدم توافق بلکہ تضاد اور تناقض کی بناء پر مولانا سید محمد علی مونگیری نے بار بار کی کوششوں اور ارکان کی معذرت وانکار کے بعد ندوۃ العلماء کی نظامت سے استعفیٰ دے دیا اور وہ جلسہ انتظامیہ منعقدہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ بمطابق ۱۹ جولائی ۱۹۰۳ء میں منظور ہو گیا۔(1)

مولانا محمد علی مونگیری کے استعفیٰ کے بعد مولانا مسیح الزماں شاہجہانپوری ناظم مقرر ہوئے اور انہوں نے بھی ۲۱ اپریل ۱۹۰۵ء کو نظامتِ ندوہ سے استعفیٰ دے دیا۔ پھر یہ سلسلہ برابر جاری رہا ایک ایک کر کے تمام مقلد ندوہ سے علیحدہ ہوتے رہے حتیٰ کہ ۱۹ جولائی ۱۹۱۳ء کو ندوہ کے روح رواں مولانا شبلی نے بھی اختلافات کی بناء پر ندوہ سے استعفیٰ دے دیا۔ یہاں مولانا شبلی کا تفصیلی ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ شبلی نعمانی واحد شخصیت تھے جن کی ذات علماء اہلسنّت کیلئے وجہ تنازعہ بنی ہوئی تھی۔ علماء اہلسنّت ندوہ میں شامل افراد کو پابند صوم و صلوٰۃ دیکھنا چاہتے تھے۔ جبکہ مولانا شبلی عالم دین ہونے کے باوجود پابند شرع نہ تھے۔ ان پر عدم پابندیٔ نماز، عورتوں سے میل ملاقات اور دینی معاملات میں آزاد خیالی کے

---

1 حیات عبدالحئی ص ۱۴۷، سید ابوالحسن علی ندوی مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۷۰ء

الزامات عائد ہوتے تھے۔ علامہ شبلی دارالعلوم ندوہ کو اسلامی ہندوستان کا سب سے بڑا مذہبی مرکز قرار دیتے تھے لیکن داالعلوم ندوہ کو اسلامی ہندوستان کا سب سے بڑا مذہبی مرکز قرار دیتے تھے لیکن دارالعلوم کی چہار دیواری میں مذہب کا جو حال تھا اس کے بارے میں خود علامہ شبلی ایک مکتوب میں مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کو لکھتے ہیں کہ :

''اس میں کچھ شبہ نہیں کہ طلباء میں تقدس کا اثر نہیں ہے۔ آپ نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ایک دفعہ ندوہ کے لڑکے ڈیپوٹیشن کے طور پر بھیکن پور بھی گئے تھے۔ ان کی وضع سے آپ نے سمجھا کہ علیگڑھ کے لڑکے آئے ہیں۔ یہ میری موجودگی سے قبل کا زمانہ تھا اس کی وجہ میں نے بہت سوچی اس کے سوا اور کئی نہیں کہ ابتداء سے آج تک کوئی پرنسپل اور بااثر نہیں ملا'' ۔(1)

اس صورتحال کے باوجود شبلی نعمانی ''الندوہ'' کے صفحات میں دعویٰ کرنے لگے کہ ندوۃ العلماء تمام ہندوستان میں سب سے بڑی مقتدر جماعت ہے چنانچہ اہل دیوبند کو شبلی کا یہ دعویٰ گراں گزرا۔ اور دیوبند نے ندوہ کے مفسدات کو اچھالنا شروع کر دیا۔ ڈاکٹر شیخ اکرام لکھتے ہیں کہ ''اس زمانہ میں ندوہ کا ڈنکہ چاروں طرف بج رہا تھا لیکن ندوہ کے حریف کا رسالہ '' القاسم'' بار بار لکھتا تھا کہ ''آواز دہل شنیدن از دور خوش است'' والا معاملہ ہے اور فی الواقع اگر مولانا کے خطوط غور سے پڑھیں تو خیال ہوتا ہے کہ یہ طعن بے بنیاد نہ تھا۔(2)

---

1 مکاتیب شبلی حصہ اول ص: ۱۹۵

2 یادگار شبلی ص: ۳۵۷

ان حالات میں علماء اہلسنت سے توقع رکھنا کہ وہ ندوہ کی حمایت کریں کس طرح ممکن تھا کیونکہ اہلسنت تو پابندی مذہب میں تمام امت پر سبقت حاصل کئے ہوئے تھے وہ کس طرح اس مذہبی کجروی پر مہر تصدیق ثبت کر سکتے تھے۔ اس تمام اکھیل میں ایک شخصیت ہر اختلافی موڑ پر سر فہرست نظر آتی ہے اور وہ ہے مولوی عبد الحئ رائے بریلوی کی ذات۔ دراصل ندوہ میں اس شخص کی ۲۵ دسمبر ۱۸۹۵ء میں شمولیت اور بحیثیت مددگار ناظم کے انتخاب کے بعد سے ہی مقلدین کے انخلاء ار ندوہ پر غیر حنفی اور غیر مقلدین کا غلبہ شروع ہو گیا تھا۔ مولوی عبد الحئ نے اپنی عبا میں شریعت و طریقت کے ہفت رنگ کے پیوند لگا رکھے تھے۔ اور کبھی اپنے اصل رنگ کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ لیکن اس کے باوجود عدم تقلید ان کی عبا کا بنیادی رنگ تھا۔ جس کا اندازہ ان کی تحریروں اور ندوہ میں شمولیت کے بعد ان کے کردار سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ دراصل اکثریت سے کٹ کر کبھی بھی اقلیتی تحریکیں پروان نہیں چڑھ پاتی ہیں اس لئے مولوی عبد الحئ کیلئے یہ ناگزیر تھا کہ وہ مقلدین سے کٹ کر یا ان کا ندوہ سے فوری طور پر پتہ صاف کر کے ندوہ کے معاملات پر گرفت کر لیں اسلئے وہ شروع سے ہی مقلدین کی آڑ میں اپنا کھیل کھیلتے رہے اور بالآخر علامہ شبلی نعمانی کے استعفیٰ کے بعد ۳ اپریل ۱۹۱۵ء کو وہ ندوہ کے ناظم منتخب ہو گئے اور مرتے دم تک اس حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اس تمام عرصے میں ندوہ غیر مقلدین کا گڑھ بن چکا تھا چنانچہ مولوی عبد الحئ کے بعد نواب حسن علی خان ناظم مقرر ہوئے اور ان کے فوراً بعد ہی مولوی عبد الحئ کے لڑکے حکیم سید عبد العلی ناظم ندوۃ العلماء مقرر ہوئے جس کے بعد ندوہ کی نظامت اور

ندوہ عبدالحئی کے گھر تک محدود ہو کر رہ گیااور آج بھی مولوی ابوالحسن علی ندوی کا سکہ ندوہ پر چلتا ہے ان تماما حالات اور واقعات کی روشنی میں اگر علماء اہلسنّت کے ندوہ کی پالیسیوں سے اختلاف پر نظر ڈالی جائے تو بخوبی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ علماء اہلسنت کی نگاہِ دور رس نے مستقبل میں ندوہ کے خد وخال کا اندازہ لگا لیا تھا۔اور وہ جانتے تھے کہ اگر ندوہ کے مفاسد کو عام نہ کیا گیا تو عوام الناس کو مستقبل میں شدید دھوکہ اٹھانہ پڑے گا۔آج ندوۃ العلماء سے متعلق جتنی کتابیں اور مضامین شائع ہو رہے ہیں ان میں دانستہ اختلافی مسائل کو نہیں چھیڑا جاتا کیونکہ ندوہ کے ابتدائی اختلافی حالات اگر سامنے آئے تو عوام الناس کو انصاف کے مواقع میسر آجائیں گے۔ چنانچہ ندوہ سے شائع ہونے والی سیرت مولانا محمد علی مونگیری، حیات عبدالحئی، تاریخ ندوۃ العلماء حیات شبلی اور دیگر کتابوں میں ندوہ کے ابتدائی حالات و واقعات اور اختلافات پر گفتگو نہیں کی گئی ہے جس کی بناء پر اب تک تصویر کا صرف ایک ہی رخ سامنے آسکا ہے۔ علماء اہلسنّت کی ندوہ کے قیام میں کوششوں اور اصلاح ندوہ کی تحریک کو بہر حال ندوۃ کا تذکرہ کرتے ہوئے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا وصی احمد محدث سورتی کی ندوہ کے قیام میں شرکت اور بعد میں مفاسد ندوہ کو عام کرنے کی جدو جہد کو پورے ہندوستان میں بنظرِ استحسان دیکھا گیا، خصوصاً فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان نے کئی مقامات پر محدث سورتی کی خدمات کا بہت توصیفی انداز میں تذکرہ کیا ہے۔حاشیۂ المعتقد المنتقد میں فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ فاضل کامل، کوہ استقامت و کنز کرامت ہمارے دوست اور محبوب مولانا مخدوم وصی احمد حنفی محدث سورتی وطناً جاور

مقیم پیلی بھیت اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے اور وہ دین کی نصرت کرتے ہوئے اور بدعتیوں کا استحصال کرتے ہوئے باقی رہیں۔اور اللہ تعالیٰ ان کو حق پر پوری طرح قائم رکھے۔ ہمارے یہ دوست مولانا محمد علی مونگیری کے شاگرد تھے جو کہ ندوہ کے ناظم ہیں اور مولانا لطف اللہ کے بھی شاگرد تھے جو کہ ندوہ کے صدر تھے مگر مولانا وصی احمد کے قدموں کو یہ لوگ لغزش نہ دے سکے۔ حالانکہ مولانا کی معاش ندوہ سے وابستہ تھی جس نے آپ لکے ساتھ عداوت کی اور آپ کو نقصان پہنچایا۔ لیکن مولانا نے دین پر دنیا کو ترجیح نہیں دی اور میں نے اسی دن سے انہیں ''الاسد الاسد الاشد الارشد'' کا خطاب دیا اور وہ اس کے اہل ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ کے مستحق ہیں۔(1)

۱۳۲۱ھ میں مدارس میں ندوہ کا اجلاس ہونا قرار پایا۔اس موقع پر فاضل بریلوی کے خلیفہ و مرید الحاج منشی محمد لعل خان ویلوری مدارسی نے عوام الناس کو ندویوں کے عقائد باطلہ سے آگاہ کرنے کی مہم شروع کی اس ضمن میں انہوں نے بڑے پیمانے پر پمفلٹ اور کتابچے شائع کر کے عوام میں تقسیم کئے محدث سورتی کا نظر ثانی شدہ فتویٰ ''انفوالشواہد'' بھی تقسیم کیا گیا جس کے نتیجے میں اجلاسِ ندوہ درہم برہم ہو گیا اور ندویوں کو خفت کا سامنا کرنا پڑا۔اس کامیابی پر فاضل بریلوی نے الحاج منشی لعل خان کو مبارکباد دی۔اور خط تحریر کیا جس میں آپ نے ندوہ کے سلسلے میں محدث سورتی کی خدمات کا واشگاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ ''الحمد للہ کہ اللہ عزوجل نے مدارس میں ندوہ مخذولہ پر آپ کو فتح نمایاں بخشی۔الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ

---

1 المتعقد المنتقد ص: ۲۳۳، مولانا احمد رضا خان مطبوعہ مکتبۂ حامدیہ لاہور۔

نے علماء کو حق کی طرف رجوع کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہاں میں بے شمار نعمتیں اور اجر کثیر عطا فرمائے اور آپ جیسے عالی ہمت خادم سنت, ہادم بدعت اہل سنت میں بکثرت پیدا کرے۔ آمین۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم اجمعین۔ آمین۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ آپ اور مولانا قاضی عبدالوحید صاحب اور مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی کی شان کا ایک ایک سنی بھی ہر شہر میں پیدا ہو جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ اہلسنّت کا طوطی بول جائے۔(1)

ہندوستان میں ترک تقلید کی تحریک اور جامع الشواہد

1 خزانۂ کرام ص:۷، حکیم منشی محمد لعل خاں ویلوری مطبوعہ مطبع حنفیہ پٹنہ ۱۳۲۴ھ

نافع الخلق مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ سراج الامت حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے مقلد تھے غیر مقلدوں اور خصوصاً محمد بن عبدالوہاب نجدی کے قائد و خیالات کا اتباع کرنے والوں کو وہ لائق تکفیر تصور کرتے تھے۔ دراصل یہ ان کے والد مولانا محمد طیب سورتی علیہ الرحمۃ کی تعلیماتو تربیت کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اپنی اولاد کو اتنے جامع انداز میں تقلید کی اہمیت اور ضرورت سے آگاہ کیا کہ وہ غیر مقلدوں کو خرج از ملت تصور کرنے لگی۔ ۱۸۵۷ھ سے قبل اور اس کے بعد ہندوستان میں عدم تقلید کی تحریک نے بہت زور پکڑ لیا تھا۔ خصوصاً سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل دہلوی کی نیم سیاسی اور نیم مذہبی تحریک جہاد نے اس فتنہ کو عام کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اس گروہ نے جو شاہ ولی اللہ کے مکتب ہ فکر سے اپنی نسبت کا دعویدار تھا۔ ایسی کتابیں تحریر کیں اور ایسے عقائد و نظریات کا پرچار کیا جو مسلمانوں کے مابین شدید فرقہ ورانہ اختلافات کا باعث بنے۔ سرزمین عرب میں جہاں سے اس فتنہ نے سر اٹھایا تھا غیر مقلدوں اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کا اتباعکرنے والوں کی سرکوبی کی جاچکی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا بیان ہے کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور ان کی جماعت سے علماء حجاز اور عوام کو سخت تعصب و عناد تھا۔ سلطنتِ عثمانیہ نے وہابی ہونے کو عملاً ایک بہت بڑا جرم قرار دے رکھا تھا۔ اور وہابیوں کی جماعت ایک باغیانہ جماعت سمجھی جاتی تھی۔(1)

---

1 ابوالکلام آزاد کی کہانی خود ان کی زبانی ص: ۱۰۴، مرتبہ: مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی مطبوعت۔۔لاہور ۱۹۶۰ء

اس کے برخلاف ہندوستان میں غیر مقلدوں کی تحریک روز بروز فروغ پارہی تھی اوراس کی تائید وحمایت میں سینکڑوں کتابیں اور رسالے شائع ہو چکے تھے۔۱۸۵۷ء کے بعد شاہ اسحٰق سے وابستگی کا اظہار کرنے والے میاں نذیر حسین دہلوی غیر مقلدین کی جماعت کے امام قرار پائے اوران کی نگرانی میں اس جماعت کے عقائد و نظریات کی اشاعت و تبلیغ کا کام جاری تھا۔ میاں نذیر حسین کو ہندستان میں برسرِ اقتدار انگریز حکمرانوں کی مکمل حمایت حاصل تھی اس لیے غیر مقلدوں سے ٹکر لینا یاان کا محاسبہ کرنا حکومت وقت کی مخالفت کے مترادف تھا۔ لیکن اس کے باوجود ۱۸۵۷ء سے قبل امام المتکلمین مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ سیف المسلول مولانا فضل رسول بدایونی علیہ الرحمۃ، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی علیہ الرحمۃ اور مولانا نقی علی خان علیہ الرحمۃ اور ۱۸۵۷ء کے بعد مولانا ارشاد حسین رامپوری علیہ الرحمۃ، مولانا برکات احمد ٹونکی علیہ الرحمۃ، مولانا عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمۃ، مولانا لطف اللہ علی گڑھی علیہ الرحمۃ، مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ، مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ، اور دیگر علماء نے عدم تقلید کے فتنہ کی سرکوبی کیلئے کھل کر کام کیا۔ مولانا ارشاد حسین رامپوری علیہ الرحمۃ نے میاں نذیر حسین کے اعتقادات پر مشتمل کتاب معیار الحق کا رد انتصار الحق کے نام سے لکھا اور مولانا احمد حسن کانپوری علیہ الرحمۃ نے غیر مقلدوں کے عقائد کے رد میں ایک کتاب تنزیہہ الرحمٰن تصنیف فرمائی۔ جس کی تقریظ و تصدیق میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی علیہ الرحمۃ نے بھی غیر مقلدوں کے عقائد پر سخت تنقید کی۔

مکہ معظمہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی علیہ الرحمہ اور مولانا خیر الدین علیہ الرحمہ

(والد بزرگوار مولانا ابوالکلام آزاد) ردِّ وہابیت میں بہت پیش پیش تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں علماء مکہ نے والد مرحوم (مولانا خیر الدین) سے کہا کہ وہابی عقائد کی کتابیں اردو میں ہیں جنہیں وہ سمجھ نہیں سکتے نیز محمد بن عبدالوہاب نجدی کے عقائد کا ردّ بھی کافی طور پر نہیں ہوا ہے۔ شیخ احمد دحلان نے اس بارے میں خاص طور پر زور دیا اور اس طرح والد مرحوم نے ایک کتاب نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھی جو ان کی تصانیف میں سب سے بڑی ہے اس کا نام ''نجم۔۔ الرحمٰن الشیاطین'' ہے۔(1)

یہ کتاب دس جلدوں میں ختم ہوئی ہے اور ہر جلد بہت ضخیم ہے۔ اس کتاب کی ترتیب اس طور پر ہے کہ ایک سو چودہ مسئلے ما بہ النزاع منتخب کئے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد جزئی اختلافات کے استحصاء کی وجہ سے ہوگئی ہے۔ ہر مسئلے کیلئے ایک باب قائم کیا ہے۔ اور اس میں پہلے قرآن سے پھر احادیث سے پھر اقوال علماء سے رد کا التزام کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب ایک سو چودہ ابواب پر مشتمل ہے۔ ایک جلد صرف مقدمہ میں ہے۔ اور چونکہ وہ ان مسائل کے متعلق نہیں اسلئے معلومات کے اعتبار سے بھی کار آمد ہے اس میں اصولی طور پر عقائد اہلسنّت پر بحث کی گئی ہے۔ اور ہر طرح کے اختلافات کو ختم کر کے اپنے مسلک کو بہت شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے۔ انتظام یہ کیا گیا تھا کہ کتاب کی تصنیف و اشاعت ایک ساتھ ہو چنانچہ پہلی جلد جوں ہی تیار ہوئی چھپ گئی۔ اسی طرح دوسری جلد بھی یہ دونوں جلدیں سرکاری

---

1 اصل کتاب میں بھی اس کتاب کا نام اسی طرح درج ہے اور مولوی عبدالرزاق نے حاشیہ پر لکھا ہے کہ اصل مسودہ میں بھی کتاب کا نام اسی قدر لکھا ہوا ہے۔

پیرس "مطبع میری" میں چھپی ہیں۔ لیکن چونکہ اس کے درمیان میں سفر درپیش آگیا اسلئے بقیہ جلدیں چھپ نہسکیں۔ اس کے علاوہ ایک اور رسالہ بھی مطبع میں شائع ہوا ہے جس میں والد مرحوم نے وہ ایک سو چودہ مسئلے بلا تردید کے اس طور پر درج کئے گئے ہیں کہ ایک لام یں وہ ہیں اور دوسرے میں وہ عقائد ہیں جن کو وہ عقائد اہلسنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ شریف مکہ کی فرمائش اور مفتی حجاز شیخ احمد دحلان کے اصرار سے اس رسالہ کو مرتب کیا گیا ہے۔(1)

سرزمین عرب پر ردّ وہابیت کے زور شور نے ہندوستان کے غیر مقلدوں میں بڑی بے چینی پیدا کرتی تھی چنانچہ وہ مسلسل اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ عدم تقلید کی تحریک کو مستحکم بنانے کیلئے کسی صورت مرکز المسلمین مکہ معظمہ کے اربابِ اختیار سے تائید و حمایت حاصل کی جائے مگر ان کو اپنی ہر کوشش میں منہ کی کھانی پڑی، ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان سے علماء وہابیہ کی ایک جماعت جو اکتیس افراد پر مشتمل تھی اپنے عقائد کی تائید حاصل کرنے مکہ معظمہ پہنچی اس جماعت میں مولوی محمد انصاری، مفتی محمد مراد بنگالی، شیخ عبداللطیف، قاضی محمد سلیمان جو ناگڑھی، اور کئی افراد شامل تھے۔ اس جماعت کے مکہ معظمہ پہنچنے پر مولانا خیر الدین نے جو ان دنوں مکہ میں ہی تھے شدید احتجاج کیا ار شریف مکہ سے مطالبہ کیا کہ ان کے عقائد کی تحقیقات کریں چنانچہ شریف نے ایک مجلس مقرر کردی اور مولانا خیر الدین نے اس مجلس کے سامنے علماء کی اس جماعت سے سترہ سوالا تکئے جن میں

---

1 ابوالکلام آزاد کی کہانی ص: ۱۰۸

وجوب تقلید شخصی، استجاب قیام، زیارت قبور کیلئے سفر اور استمداد و توسل بالصالحین وغیرہ سے متعلق جوابات طلب کئے گئے تھے۔ بقول مولانا ابو الکلام آزاد " اس موقع پر بجز تین شخصوں کے اور سب نے تقیہ کیا اور کسی نے بھی استقامت نہ دکھائی" (1)

چنانچہ اکتیس افراد پر مشتمل اس جماعت کو خارج البلد کر دیا گیا۔ اور حجاز کی پولیس نے انہیں جدہ لاکر برٹش کونسل کے حوالہ کر دیا جہاں سے یہ لوگ جہاز میں بیٹھ کر بمبئی واپس آگئے۔ (2)

سرزمین حجاز سے علماء وہابیہ کی جماعت کا اخراج بظاہر علماء اہلسنّت کے نزدیک بڑا مستحسن تھا لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کے وہابیوں کی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ مناظروں اور مباہلوں کی دعوت عام ہو گئی۔ فقہ کی عدم ضرورت پر اصرار کیا گیا۔ اور بعض متشدد افراد نے مقلدوں پر کفر کے فتوے لگائے جیسا کہ کتاب "اعتصام السنّہ" مطبوعہ کانپور مصنفہ مولوی عبداللہ محمدی ساکن مؤالٰہ آباد میں درج ہے کہ چاروں ائمہ اربعہ کے پیروکار اور چاروں طریقوں کے متبع یعنی حنفی مالکی شافعی حنبلی اور چشتی قادری نقشبندی و مجددی یہ سب لوگ کافر ہیں۔(3)

غیر مقلدوں کی ان فتنہ سامانیوں نے سوادِ اعظم میں ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا۔ علماء

---

1 ابوالکلام آزاد کی کہانی ص: ۱۰۶

2 یہ تمام تفصیلات بھی ابوالکلام کی کہانی سے اخذ کی گئی ہیں۔

3 اعتصام السنہ س: ۷۷-۸، مصنفہ مولوی عبداللہ محمدی، مطبوعہ کانپور۔

اہلسنّت نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس گروہ کے سر براہ میاں نذیر حسین کو انگریز حکمرانوں کی پوری طرح تائید و حمایت حاصل ہے بلا خوف و خطر اور مصلحت سے بالا تر ہو کر اس فتنہ کی شدید مذمت کی جبکہ علماء کی ایک جماعت نے جو بعد میں دیوبندی مکتبہ فکر کی صورت میں ظاہر ہوئی عدم تقلید کے فتنہ کی تردید میں مجرمانہ خاموشی اختیار کی جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ نہ صرف مسلمانوں میں فرقہ اہلحدیث کا اضافہ ہو گیا بلکہ قادیانیت اور پرویزی فتنہ انکار سنت کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں میاں نذیر حسین نے کمپنی کی حکومت کا ساتھ دیا تھا اور معاصر علماء کے مؤقف کی جو انگریزوں کے خلاف جہاد کر رہے تھے تائید نہیں کی تھی۔ میاں نذیر حسین کی سوانح عمری ''الحیاۃ بعد المماۃ'' میں مولوی فضل حسین بہاری نے لکھا ہے کہ میاں صاحب حکومت انگلشیہ کے بڑے وفادار تھے، زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں جبکہ دہلی کے چند مقتدر اور بیشتر معمولی مولویوں نے انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ دیا تو میاں صاحب نے نہ اس پر دستخط کئے اور نہ مہر لگائی۔ وہ خود فرماتے تھے کہ ''میاں وہ ہلٹر تھا بہادر شاہی نہ تھی، وہ بے چارہ بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا۔ حشرات الارض کی طرح خانہ بر اندازوں نے تمام دہلی کو خراب، ویران تباہ اور برباد کر دیا۔ شرائط امارت و جہاد بالکل مفقود تھے۔ ہم نے تو اس فتویٰ پر دستخط نہیں کیا۔ مہر کیا کرتے اور کہا لکھتے، مفتی صدر الدین خاں صاحب چکر میں آ گئے۔ بہاد شاہ کو بھی بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں ہے مگر وہ باغیوں کے ہاتھ کٹھ پتلی

ہو رہے تھے کرتے تو کیا کرتے۔(1)

میاں نذیر حسین نے جنگِ آزادی کے دوران جبکہ فرنگی سپاہی دہلی میں ہر گلی اور کوچہ کو پھانسی گھاٹ میں تبدیل کر چکے تھے۔ مجاہدوں کی یورشوں سے انگریزوں کو بچانے میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے مجاہدینکو جہاد سے باز رکھنے اور ان میں مایوسی پھیلانے کی بھی ہر ممکن کوشش کی۔ جیسا کہ ''الحیاۃ بعد المماۃ'' کے بعض واقعات سے ظاہر ہے۔ حتیٰ کہ میاں نذیر حسین کو کمپنی کی حکومت کا تحفظ اس قدر حاصل تھا کہ جس زمانے میں پورا شہر دہلی محصور اور قلعہ بند ہو تھا تو وہ آزادانہ طور پر دہلی کے گلی کوچوں میں گشت کرتے رہتے تھے۔ ''حیاۃ بعد المماۃ'' میں درج ہے کہ ''عین حالت غدر میں کہ جب ایک ایک بچہ انگریزوں کا دشمن ہو رہا تھا۔ میاں صاحب ایک زخمی میم لیسنس کو رات کے وقت اٹھوا کر اپنے گھر لے آئے پناہ دی، علاج کیا، کھانا دیتے رہے، اس وقت اگر ظالم باغیوں کو ذرا خبر بھی ہو جاتی تو آپ کے قتل اور خانماں بربادی میں مطلق دیر نہ لگتی۔ طرہ اس پر یہ تھا کہ پنجابی کٹرہ وال مسجد کو تلغلباً باغی دخل کئے ہوئے تھے اور اسی سے ملا ہوا میاں صاحب کا زنانہ مکان تھا۔ اس میں اس میم کو چھپائے رہے اور ساڑھے تین ماہ تک کسی کو یہ معلوم نہ ہوا کہ حویلی کے مکان میں کتنے آدمی ہیں۔ تین مہینوں کے بعد جب پوری طرح امن ہو گیا تب اس میم کو جواب تندرست ہو چکی تھی انگریزی کیمپ میں پہنچا دیا کس کے صلہ میں میاں صاحب اور ان کے اہل خانہ کو مبلغ ایک ہزار تین سو روپیہ اور انگریزی سرکار سے

---

1 الحیٰوۃ بعد المماۃ ص: ۱۲۵، مولوی فضل حسین بہاری، مطبوعہ مکتبہ شعیب کراچی۔۱۹۵۹ء

وفاداری کے سر ٹیفکیٹس ملے۔(1)

ان تمام واقعات کی روشنی میں نذیر حسین اوران کی جماعت کوانگریزوں کا مخالف کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ جب ۱۳۰۰ء بمطابق ۱۸۸۳ء میں میاں نذیر حسین نے سفر حج کاارادہ کیاتوان کو خیال پیدا ہوا کہ شاید مخالفین مکہ میں کوئی رکاوٹ پیدا کریں چنانچہ انہوں نےاس رادہ کااظہار فرنگی حکمرانوں سے کیا۔بقول مولاناابوالکلام آزاد ” مولانانذیر حسین نے چونکہ غدر میں مسز لیسنس کی جان بچائی تھی۔اسلئے حکام سے ان کے تعلقات اچھے تھے۔انہوں نے ڈپٹی کمشنر دہلی کے ذریعہ سے فارن آفس (دفتر خارجہ) میں سلسلہ جنبانی کی اور جدہ میں برٹش کونسل کے نام ایک سفارشی چٹھی بھجوائی جس میں لکھا تھا کہ ان کی حفاظت کی جائے اور جو ضرورت انہیں پیش آئے حتی الامکان اس میں پوری طرح مدد دی جائے۔“ (2)

میاں نزیر حسین نے ۱۰اگست ۱۸۸۳ء بمطابق ۵ذی قعد ۱۳۰۰ھ کو کمشنر دہلی مسٹ رجے ڈی ٹریملیٹ اور مسز لیسنس کے شوہر سے بھی سفارشی خطوط حاصل کئے جن میں لکھا تھا کہ ”مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بڑے مقتدر عالم ہیں جنہوں نے نازک وقتوں میں پانی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے وہ اپنے فرض زیارت کعبہ کے ادا کرنے کو مکہ جاتے ہیں میں امید کرتا ہوں کہ جس کسی برٹش گونمنٹ افسر کی وہ چاہیں

---

1 الحیٰوۃ بعد المماۃ ص: ۱۲۷،(مذکورہ سر ٹیفکیٹس کی نقول بھی اسی کتاب میں شامل ہیں)

2 ابوالکلام کی کہانی س: ۱۱۹

گے وہ ان کو مدد دے گا کیونکہ وہ کامل طور پر اس مدد کے مستحق ہیں۔(1)

مولانا ابوالکلام آزاد کا بیان ہے کہ ''ہندوستان میں اس وقت چونکہ تقلید اور عدم تقلید کا فتنہ زور پر تھا اور مولانا نذیر حسین غیر مقلدین کے سب سے بڑے شیخ سمجھے جاتے تھے اسلئے فوراً مکہ اطلاع دی گئی کہ جماعت وہابیہ کا سب سے بڑا سرغنہ آرہا ہے اگر یہاں کوئی کارروائی نہ کی گئی تو اس بات کو وہابی حجاز میں اپنی فتح سے تعبیر کریں گے اور عوام میں اس سے بہت بڑا فتنہ ہوگا۔ ساتھ ہی ساتھ مولانا نذیر حسین کی کتابوں اور فتاویٰ کے بعد مطالب کا عربی میں ترجمہ کر کے پیش کیا گیا۔(2)

جامع الشواہد کی اشاعت:

میاں نذیر حسین کی سفر حجاز پر روانگی سے قبل یعنی ذیقعد ۱۲۷۸ھ میں غیر مقلدوں اور مقلدوں کے درمیان شہر دہلی میں جو میاں نذیر حسین کا ہیڈ کوارٹر تھا شدید تنازعہ پیدا ہو گیا۔ نزاع کی یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ دیوانی اور فوجداری عدالت میں مقدمات دائر ہو گئے میاں نذیر حسین نے اس سلسلہ میں کمشنر دہلی سے مدد چاہی اور کمشنر نے فریقین کے بعض افراد کو اپنی کوٹھی پر طلب کر کے باہم ملاپ اور دفع فساد کرانا چاہا۔ چنانچہ ۲۸ء ذیقعد ۱۲۹۸ھ کو ایک معاہدہ مابین فریقین ہوا جس کی رو سے ایک دوسرے پر

---

1 الحیٰوۃ بعد المماۃ ص: ۱۴۰

2 ابوالکلام کی کہانی س: ۱۲۰

اعتراضات کا حق ختم کر دیا گیا۔ اس معاہدہ پر فریقین میں موجود علماء و طلباء اور شہریوں کے دستخط موجود تھے۔ دہلی کے عوام اہلسنّت نے اس معاہدہ کا مکمل احترام کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر لی لیکن غیر مقلدوں نے اس معاہدے کو بڑی تعداد میں شائع کرا کے پورے ہندوستان میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ یہ معاہدہ نہیں فتویٰ ہے جو فریقین کے علماء نے مشترکہ دستخطوں سے جاری کیا ہے۔(1)

غیر مقلدوں کی یہ حرکت سوادِ اعظم کیلئے بہت تکلیف کا باعث ہوئی خصوصاً دہلی کے علماء اہلسنّت نے اس کا سختی سے ساتھ نوٹس لیتے ہوئے ہندوستان کے علماء سے اپیل کی کہ وہ غیر مقلدوں کے اس پروپیگنڈہ کا جواب دیں اور غیر مقلدوں کی مذہبی حیثیت مسلمانانِ ہند پر واضح کریں۔ علماء کی اس اپیل کا پورے ہندوستان میں خیر مقدم کیا گیا اور متعدد کتابیں و رسالے ردِ وہابیہ میں شائع ہوئے۔

تنازعہ عملی سے پیدا ہونے والی کشیدگی ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی کہ میاں نذیر حسین کے ارادۂ حج نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ایک مرتبہ پھر علماء اہلسنّت کمر بستہ ہو گئے۔ ادھر مکہ مکرمہ سے مولانا خیر الدین علیہ الرحمہ نے علماءِ ہند کے نام مکتوب ارسال کئے کہ وہ میاں نذیر حسین کے عقائد کے سلسلے میں فتویٰ ارسال کریں تاکہ یہاں ان کی مضبوط گرفت کی جا سکے۔ اس موقع پر مولانا وصی احمد محدث سورتی نے میاں نذیر حسین اور

1 جامع الشواہد مرتبہ مولانا وصی احمد محدث سورتی مطبوعہ مطبع فیض محمدی لکھنؤ

ان کے تلامذہ کی عبارتوں سے ایک فتویٰ جامع الشواهد فی اخراج الوهابین عن المساجد ترتیب دیا جس پر علماء دہلی، دیوبند، لدھیانہ، کانپور، فرنگی محل اور بمبئی کے دستخط و مواہیر ثبت تھے۔ یہ فتویٰ مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کے دار الافتاء سے جاری ہو کر مطبع فیض محمدی لکھنؤ سے شائع ہوا اور پورے ہندوستان میں تقسیم کیا گیا۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی نے اس فتویٰ کی کچھ کاپیاں ہندوستان کے عازمین حج کے ساتھ حجاز بھی روانہ کیں۔ مولانا عبد القادر بدایونی علیہ الرحمۃ خلف مولانا فضلِ رسول بدایونی علیہ الرحمۃ بھی اس سال حج بیت اللہ کی زیارت کو جا رہے تھے چنانچہ مولانا وصی احمد نے ان کے ہاتھ جامع الشواہد مولانا خیر الدین، مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو ارسال کی جو حجاز میں ردِ وہابیت کی تحریک میں پیش پیش تھے۔

غرض جب میاں نذیر حسین اپنی جماعت کے ہمراہ مکہ معظمہ پہنچے تو وہاں صورتحال ہی مختلف تھی۔ مولانا خیر الدین حجاز کے حکام کو تمام حقائق سے آگاہ کر چکے تھے اس لئے مکہ میں میاں نذیر حسین اور ان کی جماعت کی نگرانی شروع ہو گئی۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے میاں نذیر حسین کے ورودِ مکہ اور قیام مکہ کی بڑی جامع تفصیلات بیان کی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ”اس زمانہ میں ہندوستان میں ایک فتویٰ ”جامع الشواہد فی اخراج الوہابین عن المساجد“ کے نام سے مرتب ہوا تھا۔ والد مرحوم (مولانا خیر الدین) نے مولانا نذیر حسین مرحوم کے عقائد کی فہرست زیادہ تر اسی جامع الشواہد سے اخذ کی تھی۔ البتہ معیار الحق (میاں صاحب کی کتاب) سے تقلید شخصی کے عدم وجوب اور التزام و تعین تقلید شخصی کے مفاسد اور امام

صاحب کی تابعیت سے تاریخی طور پر انکار اور تحدید دہ دردہ کی عدم صحت اور تحدید ظل مثلین کی عدم صحت اور بعض دیگر مسائل مختلف فیہ میں مذہب محدثین کی توثیق وغیرہ کا ترجمہ کیا گیا تھا اور یہ استدلال کی اگیا تھا کہ ان سے امام صاحب کی تحقیر و توہین مقصود ہے بہر حال نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا نذیر حسین اور مولانا لطف حسین عظیم آبادی معہ ایک اور رفیق کے گرفتار کر لئے گئے اور ایک نہایت ہی تنگ و تاریک مجلس میں قید کر دیئے گئے۔ چند دن بعد شریف مکہ نے بلایا اور جب انہوں نے اپنی گرفتاری کی وجہ دریافت کی تو بتایا گیا کہ تمہیں وہابی عقائد رکھنے کی وجہ سے گرفتار کیا گیا ہے۔ مکہ معظمہ اسلام کا اصل مرکز ہے اسلئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ فاسد عقائد رکھنے والوں کا احتساب کریں تاکہ وہ گمراہ نہ کر سکیں۔ دوسرے دن شریف کے یہاں ایک مجلس منعقد ہوئی اور اس میں والد مرحوم (مولانا خیر الدین) سے کہا گیا کہ ان کی عقائد کی فہرست پیش کریں۔ فہرست میں سب سے پہلا الزام امام صاحب (امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ) کی توہین کا تھا اور باقی مذکورہ الزمات تھے۔ مولوی نذیر حسین کی طرف سے مولوی تلطف حسین تقریر کرتے تھے۔ انہوں نے کہا ہم پر یہ جو الزام ہے کہ ہم وہابی ہیں اور محمد بن عبدلوہاب نجدی کی جماعت سے ہیں بالکل غلط ہے۔ ہم قرآن وحدیث کو مانتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔(1)

مختصراً مولانا خیر الدین نے شریف مکہ کی مجلس میں میاں نذیر حسین کے عقائد وہابیہ کی کھل کر تفصیلات پیش کیں اور میاں نذیر حسین اپنی اور اپنے شاگردوں کی تحریر

---

1 ابوالکلام کی کہانی ص: ۱۲۱ تا ۱۲۲

کردہ باتوں سے کھلے بندوں منکر ہوتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے اپنی کتاب ''معیار الحق'' کے بعض مندرجات سے بھی برأت چاہی۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد ''اس پر ثبوت'' میں جامع الشواہد پیش کی گئی انہوں نے کہا کہ یہ مخالفین کی چیز ہے اور ہم اس کے ذمہ دار نہیں اس پر کسی پشاوری (1) کا ایک رسالہ پیش کیا گیا جو مولانا نذیر حسین کا شاگرد تھا۔ مگر انہوں نے اس سے بھی بے تعلقی کا اظہار کیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ مولانا نذیر حسین مرحوم مجمل و مختسر بیان دے کر معاملے کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ آخر انہوں نے اس بیان پر اکتفا کیا کہ ہمارا عقیدہ اہلسنّت و جماعت کا ہے۔ آئمہ اربعہ کو ہم مانتے ہیں، چاروں کو حق پر سمجھتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کو اپنا پیشوا جانتے ہیں۔ ان سے بغض کو خلاف شیوہ ایمان سمجھتے ہیں اور کتب فقہ پر عمل کرنا جب تک قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہو خود ہمارا شیوہ ہے۔ (2)

مکہ معظمہ میں میاں نذیر حسین کی اس پر جان بخشی نہ ہوئی بلکہ شریف مکہ کے

---

1 مذکورہ پشاوری صاحب کا پورا نام اکون صدیق پشاوری تھا۔ یہ میاں نذیر حسین کے شاگرد تھے۔ اور انہوں نے ایک رسالہ ''نصر المومنین'' میں صاحب کے حسب حکم تحریر کیا تھا جس میں ختم نبوت پر بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ''خاتم النبیین'' الف لام عہد خارجہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ بعض کے خاتم ہیں۔ استغفر اللہ، میاں نذیر حسین نے پشاوری سے مکہ میں لاتعلقی ظاہر کی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ میاں صاحب کا عزیز شاگرد تھا اور ۱۸۵۷ء کے غدر میں جب میاں صاحب انگریز میم کو اٹھا کر گھر لائے تھے تو یہ شخص ان کے ساتھ تھا جیسا کہ ''الحیاۃ بعد المماۃ'' کے صفحہ ۱۲۸ پر میاں صاحب کے اپنے بیان سے ظاہر ہے۔ عالم دین ہونے کا دعویٰ کرنے والے ایک شخص کی گفتگو میں یہ تضاد بڑا تعجب خیز اور میاں صاحب کے کردار اور مسلک کو سمجھنے کیلئے کافی ہے (مرتّب)

2 ابوالکلام کی کہانی ص: ۱۲۲

یہاں تیسری پیشی پر انہوں نے اور ان کے رفیق مولوی سلیمان ابن الحجاج اسحٰق جونا گڑھی نے اپنے عقائد کے انکشاف پر شریف مکہ کے روبرو ایک توبہ نامہ تحریر کیا اور تحریراً حنفی العقیدہ ہونے کا اعلان کیا جب یہ اطلاعات ہندوستان پہنچیں تو ہر طرف اس فتنہ عظیم کے استیصال پر خوشیاں منائی گئیں مگر مکر کے بندوں کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ ان افراد نے مکہ سے ہندوستان واپسی پر اپنی اس شکست کو مصلحت پر تعبیر کیا۔ اور از سر نو وہابیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں والئ حجاز نے اپنی توہین محسوس کی اور ان افراد کے توبہ نامے بڑی تعداد میں شائع کر کے تقسیم کروا دیئے تاکہ عوام اہلسنّت پر صحیح صورتحال واضح ہو سکے۔

۱۳۳۷ھ بمطابق ۱۹۱۹ء میں غیر مقلد مولوی ثناالله امرتسری نے ہندوستان خصوصاً پنجاب میں آئمہ اربعہ کی تکفیر کرنے اور فتنہ انگیزی میں تمام غیر مقلدوں کو پس پشت ڈال دیا چنانچہ امرتسر کے ہفت روزہ اخبار "الفقیہہ" نے اپنی ۵؍ جولائی ۱۹۱۹ء کی اشاعت میں یہ توبہ نامے من و عن شائع کر دیے۔ اخبار لکھتا ہے کہ ۔۔۔ ناظرین با تمکین۔ یہ وہ توبہ نامہ ہے کہ مذہب وہابیہ کے امام مولوی نذیر حسین سورج گڑھی ثم الدہلوی مع جماعت وہابیہ ۱۳۰۰ھ میں جب حج کے واسطے مکہ معظمہ گئے اور والی حجاز کو ان کی لامذہبیت کی اطلاع ہوئی تو ان کو گرفتار کرا کے محکمہ علیہ میں طلب کیا تب مولوی نذیر حسین نے وہابیت سے توبہ کی اور بقلم خاص تحریر کیا کہ اب میں وہابیت سے تائب ہوا اور مذہب حنفی اختیار کیا۔ چنانچہ وہ توبہ نامہ حسب الحکم والی حجاز کے (مطبع میریہ واقع مکہ معظمہ) ۲۶؍ ذی الحجہ میں ۱۳۰۰ھ میں طبع ہو کر اطراف عالم میں پہنچا ہر ملک کے لوگ اس توبہ نامہ سے واقف ہیں۔ اصل توبہ نامہ مطبوعہ مکہ معظمہ حافظ عبدالله مرحوم (امام مسجد جامع بہار) کے مکان میں موجود ہے اور اس کی نقل عالم اہل اسلام کی یاد دہانی کے واسطے شائع کی جاتی ہے۔

نقل توبہ نامہ:

بسم الله الرحمن الرحيم. نحمده و نصلی علیٰ رسوله الكريم. اما بعد فان السيد المولوی محمد نذير حسين الدهلوی والحاج المولوی سليمان ابن الحاج اسحاق الجوناگڈی من غير المقلدين وصلا الیٰ مكة المكرمة فلما ظهر حالهما احضرا فی المحكمة العلية واستتامافتا باعن العقيدة الضالة الجديدة والطريقة الخبيثة الوهابية بين يدی حضرة المشيره المفتحم والدستر المكرم والوزير المعظم والی ولاية الحجاز دوالتو السيد عثمان نوری لا زالت شمش اجلاله من افق الاقبال بازغة و كتبا بقلمهما ما ترجمته هذا و كذلك تاب كل من كان عقيد كعقيدتهما من

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد، مولوی سید نذیر حسین دہلوی اور مولوی الحاج سلیمان ابن الحاج اسحاق جوناگڑھی جو کہ سردار ہیں ایک گمراہ فرقہ غیر مقلدین وہابیہ کے۔ یہ دونوں اشخاص مکہ مکرمہ میں آئے جب ان کی حقیقت کھلی تو ان دونوں کو محکمہ عالیہ میں طلب کیا گیا باز پرس ہوئی پس دونوں نے توبہ کی اس نئے گندے عقیدے اور طریقہ خبیثیہ وہابیہ سے حجاز مقدس کے فرمانرواو والی سید عثمان نوری (ان کے اقبال کا سورج ہمیشہ ضفگن رہے) کے دربار میں دونوں اشخاص نے اپنے قلم سے ایک توبہ نامہ لکھا جو درج ذیل ہے اور اس طرح تمام حاضرین میں سے جو لوگ

رفقائهما و ممن اقام بمكة المكرمة وذالك فى السادس والعشرين من ذى الحجة من عام ١٣٠٠هجرى

اس عقیدے کے حامل تھے اور جو ان کے ہم عقیدہ رفیق تھے اور مکہ میں مقیم تھے سب نے توبہ کی۔

۲۶ء ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ

بسم الله الرحمٰن الرحيم، حامداً ومصليا اما بعد فان العاجز السيد محمد نذير حسين متبع السنة والجماعة عقيدة و فعلاً انا اعلم ان خلافها من المذاهب كلها سوء سواء كان من الرافضيه والخارجية والوهابية وانى افتى موافقا للمذهب الحنفى وانا حنفى المذهب وتبت مما اخطاءت و صلى الله تعالىٰ علىٰ سيّدنا محمد وعلىٰ آله واصحابه اجمعين۔

الراقم السيد محمد نذير حسين بقلمه

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حامداً مصلیاً اما بعد ناچیز سید محمد نذیر حسین متبع ہے سنت و جماعت کا از روئے عقیدہ و عمل کے مجھے معلوم ہے کہ مسلک اہلسنّت کے علاوہ ہر مذہب برا ہے۔ خواہ رافضیہ کا ہو خواہ خارجیہ کا یا وہابیہ کا اور میں مذہب حنفی پر فتویٰ دیتا ہوں اور حنفی ہوں اور جو مجھ سے لغزشیں ہوئی ہیں ان سے توبہ کرتا ہوں صلوٰۃ وسلام نازل ہوں ہمارے آقا و سردار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کے آل پر صحابہ پر اور سب پر۔

الراقم السید محمد نذیر حسین بقلم خود

بنیادی طور پر جامع الشواہد کی ترتیب و اشاعت کا مقصد سرزمین حجاز پر میاں نذیر حسین کے عقائد کی گرفت تھا لیکن بعد میں یہ فتویٰ غیر مقلدوں کے رد میں ایک جامع دستاویز کی شکل اختیار کر گیا۔ اور تقریباً نصف صدی تک اس فتویٰ کی گونج ہندوستان میں سنائی دیتی رہی۔ غیر مقلدوں کے رد میں لکھی جانے والی بیشتر کتابوں میں علماء نے اس فتویٰ کو اپنا ماخذ بنایا اور بیشتر کتابوں میں بطور ضمیمہ بھی اسے شامل کیا گیا۔ ہر چند اس فتویٰ پر مختلف بلاد و امصار کے علماء کی مواہیر ثبت ہیں اور اس فتویٰ کی عبارتوں کی تصدیق موجود ہے لیکن اس کے باوجود غیر مقلد ہمیشہ اس کی صحت سے انکار کرتے رہے۔ چنانچہ غیر مقلد مولوی ابو سعید محمد حسین بٹالوی نے اپنے پرچے اشاعۃ السنہ نمبر ۵ جلد ششم بابت ماہ رجب ۱۳۰۰ھ میں ایک اشتہار دیا جس کی عبارت یہ تھی کہ جو شخص ان اعتقادات اور عملیات کو جو کہ فرقۂ غیر مقلدین کی طرف ایک پرچ جامع الشواہد مطبوعہ فیض محمدی لکھنؤ میں منسوب کر دیئے گئے ہیں ان کی کتب معتبرہ سے ثابت کر دے تو ہزار روپے نقد پائے۔ (1) مولانا عبد العلی آسی مدراسی نے اپنے رسالہ تنبیہ الوہابین میں اس اشتہار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ غیر مقلدوں نے عوام مقلدین حنفیہ کو بہکانے اور شک میں ڈالنے کے واسطے یہ ایک نیا طریقہ نکالا تا کہ وہ عوام پر یہ تاثر دے سکیں کہ جو کچھ ہمارے بارے میں تحریر کیا جا رہا ہے وہ سب غلط اور بے بنیاد ہے جبکہ فتویٰ جامع الشواہد میں مفتی لبیب نے پہلے ہی سے بایں خیال کہ کسی منکر کو ان عقائد و اعمال کو مان لینے میں گنجائش انکار نہ ہو ہر ایک عبارت کو بحوالہ ہندسہ صفحہ

---

1 مولانا عبد العلی آسی مدراسی ص: ۴۳۳، تنبیہ الوہابین ضمیمہ ختم المبین مطوعہ آسی لکھنؤ ۱۳۰۸ھ

کتاب مع تصریح نام مطبع و مصنف کتاب کے صاف صاف لکھ دیااور ان ہی غیر مقلدین کی چھپی ہوئی تحریروں سے ان کے عقائد فاسدہ اور اعمال کاسرہ کو بخوبی ثابت کر دیا ہے پھر اب ان مسائل کے طلب ثبوت میں اشتہار دینا کس قدر تجاہل اور فریب دہی عوام ہے۔اور کتنی بڑی دھوکہ بازی کا یہ کام ہے۔ (1)

اسی زمانہ میں مولوی رشید احمد گنگوہی سے ایک شخص نے سوال کیا کہ زید اپنے آپ کو حنفی بتاتا ہے اور وہ مولوی نذیر حسین کا مداح ہے اور یوں کہتا ہے کہ جامع الشواہد میں جو عقائد غیر مقلدین کے درج ہیں وہ غلط ہیں۔صاحبِ جامع الشواہد نے غیر مقلدوں پر تہمت کی ہے؟

مولوی رشید احمد گنگوہی نے جواب دیا کہ ”غیب کی بات کو اللہ جانتا ہے مگر اصل حال یہ ہے کہ اس زمانہ میں غیر مقلد تقیہ کر کے اپنے آپ کو حنفی کہہ دیتے ہیں اور واقعہ میں حنفیہ کو شرک بتلاتے ہیں خود مولوی نذیر حسین نے مکہ معظمہ میں غیر مقلد ہونے سے تبری اور حلف کیا اور حنفی اپنے آپ کو بتلایا اور ہندوستان میں وہ ہر روز سخت غیر مقلد تھے اور اب بھی وہ ایسے ہی ہیں۔ سو امام کا جب یہ حال تو ان کے مقتدی کیسے کچھ ہوں گے۔اور مولوی نذیر حسین کا حنفیوں کو بدتر از ہنود کہنا معتبر لوگوں سے سنا گیا ہے اور خود مخلص ان کے شاگرد ان کے تقلید شخصی کو شرک بتلاتے ہیں۔تو یہ شخص مداح ان کا کس طرح حنفی ہو سکتا ہے۔یہ دعویٰ اس کا قابلِ قبول نہیں بظاہر حال اور جامع الشواہد سے لاریب دوسرے غیر مقلدین

---

1 مولانا عبدالعلی آسی مدراسی ص: ۴۳۳،تنبیہہ الوہابین ضمیمہ ختم المبین مطوعہ آسی لکھنؤ ۱۳۰۸ھ

بھی تبریٰ کہتے ہیں مگر جس جس رسائل سے صاحب جامع الشواہد نے عبارتیں نقل کی ہیں ان میں ہرگز تحریف نہیں چند موقع سے بندہ نے بھی اس کا مطالعہ کر دیکھا ہے اور یہ عقائد بعض غیر مقلدین کے بعض معتبروں کی زبانی دریافت ہوئے۔ اور وہ اس کا اقرار کرتے ہیں۔ (1)

فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان سے بھی ۱۰ شوال ۱۳۰۵ھ میں مولانا محمد فضل الرحمٰن امام جامع مسجد صدر بازار فیروزپور پنجاب نے غیر مقلدوں کے سلسلہ میں ایک مسئلہ دریافت کیا جس کا جواب فاضل بریلوی نے "النھی الاکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید" کے تاریخی نام کے ساتھ ایک رسالہ کی شکل میں دیا۔ اسی جواب کی دلیل سوئم میں فاضل بریلوی نے جامع الشواہد فی اخراج الواہبین عن المساجد کو ماخذ بنایا ہے اور لکھا ہے کہ مجنا مولوی وصی احمد صاحب سورتی سلمہ اللہ تعالیٰ نے عقائد غیر مقلدین نقل کرکے ان کے بعض عملیات بھی جامع الشواہد میں تلخیص کئے ہیں یہاں کے چند کلمات بطور التقات لکھنا کافی سمجھتا ہوں۔ (2)

جامع الشواہد مختلف بلاد و امصار سے مختلف اوقات میں متعدد بار شائع ہو چکی ہے بعد تحقیق اس کی اشاعت کے سلسلہ میں جو معلومات فراہم ہوئی ہیں ان کی ترتیب یہ ہے۔

1. مطبع فیض محمدی لکھنوی ۱۲۹۸ھ تعداد اشاعت دس ہزار

---

1 محمد عاشق الٰہی میرٹھی ص: ۱۷۸، تذکرۃ الرشید حصہ اول مطبوعہ عاشقیہ قیصر گنج روڈ میرٹھ

2 فتاویٰ رضیہ ص: ۳۰۰، جلد سوئم مؤلفہ فاضل بریلوی مطبوعہ سنی دارالاشاعت مبارک پور اعظم گڑھ ۱۹۶۱ء

2. مطبع نظامی کانپوری ۱۳۰۰ھ تعداد اشاعت دو ہزار

3. مطبع گلزار محمدی لاہور ۱۳۰۳ھ تعداد اشاعت پانچ ہزار

4. فیض بخش درفاع پریس لاہور ۱۳۰۸ھ تعداد اشاعت ایک ہزار

5. مطبع کریمی لاہور ۱۳۵۲ھ تعداد اشاعت ایک ہزار

6. مکتبۂ نبویہ لاہور ۱۹۵۸ء تعداد اشاعت ایک ہزار

7. مکتبۂ اہلسنت پیلی بھیت ۱۳۷۲ھ تعداد اشاعت ایک ہزار

8. مطبع ریاض آگرہ (سن اشاعت و تعداد نامعلوم)

اس کے علاوہ جن کتابوں میں جامع الشواہد کو بطور ضمیمہ پیش کیا گیا ان کی تفصیل یہ ہے۔

1. فتح المبین مؤلفہ مولانا منصور علی خان مطبع دارالعلم والعمل فرنگی محل لکھنؤ ۱۳۰۱ھ

2. تنبیہ الوہابیین مؤلفہ مولانا عبدالعلی آسی مدراسی مطبوعہ آسی مدراسی لکھنؤ ۱۳۲۰ھ

3. نصر المقلدین مؤلفہ حافظ احمد علی بٹالوی مطبوعہ مطبع آسی مدراسی لکھنؤ ۱۳۲۰ھ

4. اخراج المنافقین مؤلفہ مولانا نبی بخش حلوائی مطبع کریمی لاہور ۱۳۵۲ھ

جامع الشواہد کو اکثر علماء نے ماخذ کے طور پر استعمال کیا ہے ایسی کتب کی فہرست طویل ہے چنانچہ تفصیل سے گریز کرتے ہوئے یہاں جامع الشواہد کا اصل متن شائع کیا جارہا

ہے جو مولانا عبد العلی مدراسی کے رسالہ تنبیہ الوہابین کے ساتھ طور ضمیمہ شائع ہوا تھا۔اور اس میں تمام بلاد وامصار کے علماء کرام کی مواہیر تصدیقات وتقریظات بھی شامل ہیں۔

ایک غلط بیانی کاازالہ:

مقامی تذکرہ نویس جناب ایوب قادری نے اپنی کتاب جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں تحریک مجاہدین پر نظر ڈالتے ہی جس کے سر گروہ سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی تھے اور جنہوں نے انگریزوں کے خلاف مسلمانان ہند کی بڑھتی ہوئی نفرت کارخ سکھوں کی طرف پھیرنے کی ناکام سعی کی تھی۔اس تحریک کا تاریخی پس منظر، معاصر واقعات اور ہندوستان میں وہابی تحریک کے ساتھ ہونے والی مبینہ زیادتیوں کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے۔ محمد ایوب قادری نے اس ضمن میں یکطرفہ فیصلہ دیتے ہوئے معاصر اور غیر معاصر کی تمیز بھی اٹھادی اور بیک قلم ان تمام کتابوں کا تحریک مجاہدین کے ضمن میں تذکرہ کر دیا جو تحریک مجاہدین کی ناکامی کے پچاس یا ساٹھ سال بعد ضبط تحریر میں آئی تھیں۔اس وقت تک وہابی عناصر مختلف چولے بدل چکے تھے۔اور صرف فرقہ اہلحدیث سے وہابی مراد لی جاتی تھیجیسا کہ بعد میں وہابی مولوی محمد حسین بٹالوی نے حکومت برطانیہ کی باقاعدہ وفاداری کا اعلان کیا

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے جس طرح ابوالکلام آزاد نے میر عظمت اللہ بے خبر بلگرامی کے رسالہ ''غبار خاطر'' کا نام اپنے مجموعۂ مکاتیب کیلئے مستعار لیا ہے اسی طرح انہوں نے حضرت محدث سورتی کے رسالہ ''جامع الشواہد'' کا نام بھی سوامی شر دھانند کو جامع مسجد دہلی میں لے جانے اور منبر رسول پر بٹھا کر تقریر کروانے کی حمایت میں اپنے تصنیف کردہ ایک رسالہ کیلئے مستعار لیا اور اس کا نام جامع الشواہد لدخول غیر المسلم فی المساجد رکھا۔(خواجہ رضی حیدر)

اور سرکاری تحریرات میں وہابی کی بجائے اہل حدیث لکھے جانے کا باقاعدہ احکام جاری کرائے۔ایسی صورت میں حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش اور وہ بھی ان افراد کی جانب سے جو تاریخی شعور کو اپنی جاگیر تصور کرتے ہیں۔تاریخ کے ساتھ صریح ناانصافی ہے۔

محمد ایوب قادری نے اپنی کتاب میں ''بعض علماء کا کردار'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ ''بہت سے علماء نے مذہبی خدمات سمجھ کر وہابیوں کی مخالفت کی۔ حکومت نے ایسے علماء کی سرگرمیوں کو بہ نظر استحسان دیکھا اور ان علماء کو بالواسطہ ان خدمات کا معاوضہ دیا۔ وہابیوں کو نماز پڑھنے سے روکا گیا، مقدمات قائم کرکے ان کے قبضے سے مسجدیں نکالی گئیں۔ مولوی وصی احمد سورتی ثم پیلی بھیتی (ف ۱۳۳۴ھ) نے ایک فتویٰ ''جامع الشواہد فی اخراج الوہابین عن المساجد'' مرتب کیا۔گمنام سے گمنام مولوی نے اس پر دستخط کئے۔ اس فتوے کی خوب تشہیر ہوئی۔ (1)

حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی کے رسالہ ''جامع الشواہد'' کو تحریک جہاد کے ضمن میں پیش کرنے کی یہ کوشش تاریخی شواہد کی روشنی میں بے جوڑ اضافہ معلوم ہوتی ہے جو سراسر بدنیتی پر مبنی ہے، جناب ایوب قادری جیسے زود رقم تذکرہ نویس کی جامع الشواہد

---

[1] محمد ایوب قادری ص: ۶۲، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء مطبوعہ کراچی جون ۱۹۷۶ء (واضح رہے کہ انہیں الفاظ و خیالات پر مبنی ایک اور عبارت ایوب قادری نے سید احمد بریلوی پر جعفر تھانیسری کی کتاب کے مقدمہ میں درج کی ہے جو ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس غلط فہمی کو بار بار ضبط تحریر میں لاکر اسے تاریخ کا حصہ بنانا چاہتے ہیں۔ ایک تذکرہ نویس کو اس قسم کی مبینہ تحریری بدعنوانیوں سے گریز کرنا چاہئے تاکہ مستقبل کا مؤرخ اس کے بارے میں صالح رائے قائم کرسکے۔

کے تاریخی پس منظر سے لاعلمی بڑی مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے انہوں نے اپنے کرم فرماؤں کی مزید خوشنودی کیلئے حوالوں کے اجتماع کی کثرت ضروری سمجھی ہو اور اس افراتفری میں وہ یہ بھول گئے ہوں کہ جامع الشواہد کا سنِ اشاعت و ترتیب ۱۲۹۸ھ ہے جبکہ تحریک جہاد تقریباً نصف صدی قبل کا قصہ ہے۔ جہاں تک جامع الشواہد پر گمنام سے گمنام مولویوں کے دستخط کی بات ہے تو میں صرف اتنا بتادینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس فتویٰ پر قاری عبدالرحمٰن پانی پتی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی محمود الحسن، مولوی یعقوب نانوتوی، مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا محدم عادل کانپوری، مولانا محدم علی مونگیری، اور مولانا محدم مہدی فرنگی محلی کے نام دستخط کرنے والوں میں قابلِ ذکر ہیں۔ جو اس زمانے میں نہ صرف ہندوستان گیر شہرت کے حامل تھے بلکہ مختلف مدارس میں درس و تدریس کے فرائض بھی انجام دے رہے تھے۔ یہاں ایک بات اور قابل ذکر یہ ہے کہ "جامع الشواہد" کا مقصد میاں نذیر حسین دہلوی کے عقائد کو لم نشرح کرنا تھا جیسا کہ "جامع الشواہد کی اشاعت کے باب میں درج کیا جاچکا ہے اور میاں نذیر حسین کو کمشنر بریلی و انگریزوں کی مکمل تائید حاصل تھی اسلئے "جامع الشواہد" پر یقیناً ان علماء نے جو بالواسطہ یابلا واسطہ حکومت ہند سے وابستہ تھے وقتی مصلحتوں کے پیش نظر دستخط یا تصدیق سے گریز کیا ہوگا۔ کیونکہ جامع الشواہد کی ترتیب و اشاعت اس وقت انگریزوں سے دشمنی لینے کے مترادف تھی۔ اسی طرح جناب ایوب قادری کا یہ بیان بھی بے بنیاد ہے کہ "وہابیوں کی مخالفت کرنے والے علماء کی سرگرمیوں کو حکومت بہ نظر استحسان دیکھتی تھی اور ان کو ان

خدمات کا بلا واسطہ معاوضہ ادا کرتی تھی“ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جو لوگ حکومت برطانیہ کی باقاعدہ وفاداری کا اعلان کرتے ہوں اور حج پر روانگی کیلئے بھی پانے مجازی خداؤں کی سفارشی چٹھیوں کو ضروری سمجھتے ہوں ان کے خلاف کام کرنے والے علماء کی سرگرمیوں کو حکومت کس طرح بہ نظر استحسان دیکھتی ہو گی۔ یوں بھی انگریز نے برصغیر میں اپنے قدم تادیر جمائے رکھنے کیلئے اپنے حاشیہ برداروں کا پوری طرح تحفظ کیا اور ان کو مالی فائدے پہنچائے۔ مصلحت بھی اسی میں تھی کہ وفاداروں کے حلقوں کو کشادہ کیا جائے تاکہ ان کے مخالفوں کی سرپرستی کی جائے۔

تبلیغی سفر

حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کی عملی زندگی کا آغاز جہادِ آزادی ۱۸۵۷ء سے ہوتا ہے جب آپ نے اپنے والد گرامی کے ہمراہ سورت سے حجاز مقدس کی جانب ہجرت کی اس وقت حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کی عمر تقریباً ۱۹ برس تھی۔ اور اغلب یہی ہے کہ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کا یہ پہلا سفر تھا ہجرت ایک مقدس سفر کی حیثیت رکھتی ہے اور اگر یہ ہجرت کسی مقدس سرزمین کی سمت ہو تو پھر اس کا تقدس دو آتشہ ہو جاتا ہے۔ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ نے نہایت مصروف شب و روز بسر کئے قال اللہ و قال

رسول ﷺ کی روح پرور فضا کیلئے آپ نے بیرونِ پیلی بھیت سفر اختیار کیا۔ بریلی، گنج مراد آباد، کانپور، لکھنؤ، رامپور، شاہجہاں پور، اور بدایوں تو آپ اکثر و بیشتر تشریف لے جایا کرتے تے لیکن دور دراز مقامات کا سفر طویل وقفے کے بعد اختیار کرتے۔ اس تمام آمد و رفت کا مقصد ہمیشہ تبلیغ دین ہوتا تھا۔ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کی تحریروں سے پتہ چلتاہے کہ آپ نے ۱۲۹۱ھ میں دہلی، ۱۲۹۳ھ حیدر آباد اور ۱۳۱۱ھ میں اجمیر و ٹونک کا سفر اختیار کیا لیکن ان دوروں کی تفصیلات کہیں درج نہیں ہیں البتہ ۱۲۹۱ھ میں حکیم محمد واصل خان برادر بزرگ حکیم اجمل خان سے دہلی میں ۱۲۹۲ھ میں حضرت مولانا عبدالفتاح گلشن آبادی سے بمبئی میں اور ۱۳۱۱ھ میں نواب محمد علی خان والی ٹونک سے ملاقاتیں ثابت ہیں۔

عظیم آباد (پٹنہ) کا سفر:

حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ نے ۱۳۱۸ھ میں پٹنہ کا سفر اختیار کیا۔ جہاں مدرسۂ اہل سنت پٹنہ کا سالانہ جلسہ رجب المرجب کی ۷ء سے ۱۳ء تاریخ تک منعقد ہونے والا تھا۔ یہ جلسہ ہر چند جلسۂ دستار بندی کی حیثیت رکھتا تھا لیکن مدرسہ کے مہتمم قاضی محمد عبدالوحید حنفی فردوسی علیہ الرحمۃ نے جلسہ میں شرکت کیلئے اتنی کثرت سے علماء کو مدعو کیا تھا کہ یہ جلسہ ایک عظیم الشان سنی کانفرنس کی شکل اختیار کر گیا۔ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کا اس مدرسہ اور قاضی عبدالوحید فردوسی عظیم آبادی علیہ الرحمۃ سے خاص تعلق تھا کیونکہ محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے عزیز شاگرد مولانا ضیاالدین پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ اور

مولانا فضل حق رحمانی علیہ الرحمۃ اور مولانا معزاللہ خاں پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ اس مدرسہ میں مدرس اول، مدرس دوم اور مدرس چہارم کے منصب پر کام کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ بحیثیت ممتحن اس سال پٹنہ پہنچے تھے اور آپ کو معول معاوضہ بھی قاضی عبدالوحید نے پیش کیا تھا جیسا کہ اس جلسۂ امتحان کی مطبوعہ روئیداد بنام تاریخی دربار حق و ہدایت سے ظاہر ہے۔(1) اس جلسہ میں مولانا محمد اعجاز حسین مجددی رامپوری مولانا ہدایت اللہ خان جونپوری، مولانا حکیم سراج الحق علیگڑھی، مولانا حافظ بخش بدایونی، مولانا ظہور الحسن رامپوری، مولانا عبید اللہ الٰہ آبادی، حکیم خلیل الرحمٰن خان پیلی بھیتی، مولانا عبدالسلام جبلپوری، مولانا سید احمد ولائتی، مولانا عبدالکافی الیہ آبادی، مولانا عبدالقتدر بدایونی، مولانا فضل مجید بدایونی، مولانا حکیم مومن سجاد کانپوری، مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری، مولانا شاہ محمد اجمل الٰہ آبادی، مولانا سید محمد فاخر الٰہ آبادی، مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا حکیم عبدالقیوم بدایونی، مولانا حسن رضا خان بریلوی، مولانا شاہ عبدالصمد سہوانی، مولانا حامد رضا خان، مولانا عبداللطیف سورتی تلمیذ مولانا عبدالحئ لکھنوی، مولانا محمد رمضان خان اکبر آبادی، مولانا شاہ امین احمد بہاری، کے علاوہ معززین و مشائخین نے شرکت کی۔

امرتسر کا سفر:

حضرت محدث سورتی مجلس علماء امرتسر کی دعوت پر ۶ رجب ۱۳۳۰ھ کو امرتسر

1 دربارِ حق وہدایت ص: ۲۴، مرتبہ محمد عبدالوحید حنفی فردوسی مطبوعہ مطبع حنفیہ پٹنہ ۱۳۱۹ھ

پہنچے۔ آپ کی امر تسر آمد کا مقصد مجلس علماء حنفیہ امر تسر کے اجلاس میں شرکت کرنا تھا۔ جو مسجد مہر آفتاب میں ۶،۷،۸،۹،۱۰ ا رجب المرجب کو ہونا قرار پایا تھا۔ علماء اہلسنت کی ندوۃ العلماء سے علیحد گی کے بعد یہ معمول بن گیا تھا کہ جس شہر میں ندوۃ العلماء کا سالانہ اجلاس منعقد کیا جاتا وہاں علماء اہلسنت بھی جمع ہوتے، اور ندوہ کے مفاسد کو عوام پر واضح کرتے۔ اس سال ندوہ کا اجلاس امر تسر میں ہو رہا تھا۔ چنانچہ مجلس علماء حنفیہ امر تسر نے علمائے اہلسنت کو امر تسر مدعو کرنے کی ذمہ داری لی اور عظیم الشان سنی کانفرنس کا انعقاد کیا۔ پٹنہ سے امر تسر تک حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے ہمراہ سفر کرنے والوں میں قاضی عبدالوحید فردوسی عظیم آبادی علیہ الرحمۃ، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمۃ، ابو المساکین مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ مدیر تحفۂ حنفیہ پٹنہ اور سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد خلف سعید حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ شامل تھے۔ جلسہ کی روئیداد کے مطابق بدایوں سے مولانا محب احمد بدایونی علیہ الرحمۃ اور دیگر علماء ساتھ ہوئے اور علماء اہلسنت کا یہ قافلہ ۶، رجب بروز پنجشنبہ دو بجے دن امر تسر پہنچا۔ اسٹیشن پر مجلس علماء حنفیہ کے بانی و ناظم مولانا مفتی محمد عبدالصمد علیہ الرحمۃ، مولانا شاہ عبدالغنی اور منشی عبدلعزیز علیہ الرحمۃ نے ایک کثیر جماعت کے ساتھ علماء کا استقبال کیا۔ مولانا مولوی حافظ بخش علیہ الرحمۃ مدرس اول مدرسۂ محمدیہ بدایوں اور مولانا حکیم عبدالحئی بدایونی علیہ الرحمۃ پہلے ہی امر تسر پہنچ چکے تھے۔ علماء کی رہائش و قیام کا انتظام کٹرہ رام گڑھ میں کیا گیا تھا۔ ۶، رجب بعد نمازِ ظہر علماء اہلسنت کے جلسہ کا آغاز مسجد مہر آفتاب میں ہوا۔ تلاوت قرآن حکیم، حمد و نعت کے بعد

علمائے پنجاب نے تقاریر کیں۔ خصوصاً مولانا غلام قادر بھیروی علیہ الرحمۃ تلمیذ مفتی صدر الدین آزردہ علیہ الرحمۃ نے نہایت عالمانہ تقریر کرتے ہوئے ندوہ کی برائیاں بیان کیں اور فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان سے ملاقات کی تمنا ظاہر کی(1) رات کو بعد نماز عشاء حافظ غلام رسول نے تلاوتِ کلام مجید سے جلسہ کا آغاز کیا پھر درود شریف کی کثرت ہوئی میز بانوں کی جانب سے مولانا سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمۃ نے اہل امر تسر کی دنی حمایت کی تعریف کرتے ہوئے ندوہ کی گمراہیاں بیان کیں۔

۷؍رجب بروز جمعہ ۱۳۲۰ھ بعد نماز فجر علماء کی فرودگاہ پر مذاکرۂ علمیہ ہوتا رہا۔ بعد نماز جمعہ جلسہ شروع ہوا اور مولانا محب احمد بدایونی علیہ الرحمۃ بھی جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ اس طرح علماء کی کثرت میں اضافہ ہوتا رہا۔ مولانا ضیاء الدین علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ علماء اہلسنّت کی امر تسر آمد سے شہر میں دھوم مچ گئی اور ہر طرف سے عوام وخواص علماء اہلسنت کی خدمت میں پہنچ کر ندوۃ العلماء کے خبائث معلوم کر کے اس سے دستبردار ہوتے رہے۔ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ نے ۱۰؍رجب المرجب کو آخری اجلاس سے خطاب کیا۔ اور معجزات فخرِ موجودات سید دوعالم ﷺ بیان کئے اور ندوہ کے مفسدات سے عوام کو تفصیلاً آگاہ کیا۔ محدث سورتی علیہ الرحمۃ کا امر تسر میں قیام تقریباً ۱۵ دن رہا۔

حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ نے ۱۹۱۲ء میں انجمن نعمانیہ لاہور کے پچیسویں

1 ''روداد جلسۂ اہلسنت'' امر تسر ص: ۱۵، مرتبہ ابوالمساکین مولانا ضیاء الدین مطبوعہ مطبع حنفیہ پٹنہ ۱۳۲۰ھ

سالانہ اجلاس میں شرکت کی۔ یہ اجلاس جو چار روزہ کانفرنس پر مبنی تھا اس اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل تھا کہ ایک ہی وقت میں علماء و مشائخ عظام کی اتنی بڑی تعداد اس سے قبل لاہور میں بیک وقت ایک جگہ جمع نہیں ہوئی تھی۔ علامہ نور بخش توکلی لکھتے ہیں کہ خوش قسمتی سے اس اجلاس میں مشاہیر علماء کرام و صوفیاء عظام کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ بجائے تین روز کے چار روز تک متواتر جلسہ ہوتا رہا۔ اور سامعین کے اصرار کے باوجود رات کو بارہ بجے تک جلسہ کو جاری رکھنا پڑا اور بفضلہٖ تعالیٰ سامعین بھی جوق در جوق ہر وقت موجود اور کمال اشتیاق سے ہمہ تن گوش رہتے تھے۔(1) علامہ شاہ حسین گردیزی نے لکھا ہے کہ اس اجتماع کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ دیگر علماء کرام کے علاوہ برصغیر پاک و ہند کے تین ممتاز عالم دین مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ، مولانا دیدار علی محدث الوری اور حضر پیر مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمۃ بھی اس جلسہ میں بیک وقت موجود تھے۔ اور تینوں حضرات کا وعظ بھی ایک ہی دن ہوا۔ یہ تینوں بزرگ ۱۲۹۵ھ میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری علیہ الرحمۃ کے پاس دورۂ حدیث میں شامل تھے اور ۳۵ سال بعد ان کے باہم اجتماع نے جلسہ کی رونق دوبالا کر دی تھی۔(2) اس اجلاس کی پہلی اور افتاحی نشست ۲۷ دسمبر کو بعد نماز جمعہ شروع ہوئی انجمن نعمانیہ کے صدر اور روزنامہ رفیق ہند لاہور کے ایڈیٹر مولانا محرم علی چشتی

---

1 انجمن نعمانیہ کا ماہور رسالہ شمارہ نومبر ۱۹۱۲ء مطبوعہ لاہور۔

2 عظیم الشان کانفرنس ص: ۹۰، شاہ حسین گردیزی، مضمون مطبوعہ سنی کانفرنس نمبر ترمان اہلسنت کراچی اکتوبر ۱۹۷۸ء

علیہ الرحمۃ نے اپنی افتتاحی تقریر میں علماء کرام ومشائخ عظام کی آمد کا خیر مقدم کرتے ہوئے انجمن کے مقاصد پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد ملک محمد عمر حیات ٹوانہ مولانا اکرام الدین نجاری علیہ الرحمۃ امام و خطیب مسجد وزیر خاں لاہور، مولانا مفتی ولی محمد جالندھری علیہ الرحمۃ، مولانا عبد الحمید پانی پتی وگیر نے تقاریر کیں اور جلسہ رات گئے تک جاری رہا۔ دوسری نشست ۲۸، دسمبر کو صبح دس بجے شروع ہوئی جس سے مولانا محمد ذکار چشتی بگوی علیہ الرحمۃ خطیب بادشاہی مسجد لاہور مولانا غلام امد شوق فریدی علیہ الرحمۃ اور مولانا عبدا لحکیم پشاوری علیہ الرحمۃ نے خطاب کیا۔ ظہر بعد پھر جلسہ شروع ہوا جس کے آغاز پر خواجہ سید غلام محی الدین گولڑوی علیہ الرحمۃ نے تلاوت کلام مجید فرمائی اس کے بعد فخر طریقت اعلیٰ حضرت قبلۂ عالم پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمۃ نے ایاک نعبد الخ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے نہایت فصیح وبلیغ اور عالمانہ تقریر فرمائی کہ عوام تو عوام علماء ومشائخ بھی عش عش کر اٹھے۔ مولانا نور بخش توکلی علیہ الرحمۃ جنہوں نے اس جلسہ کی روئیداد مرتب کی تھی۔ لکھتے ہیں کہ جب پیر صاحب قبلہ عالم تقریر فرمارہے تھے تو اہل علم پر وجدان کی کیفیت طاری تھی۔ خلیفہ تاج الدین کی حالت کو تو کوئی صاحب حال ہی سمجھ سکتا ہے۔(1)

ملفوظات مہریہ میں درج ہے کہ قبلۂ عالم کے بعد اہلسنت کے مشہور عالم مولانا شاہ وصی امد محدث سورتی علیہ الرحمۃ نے عصر تک تقریر فرمائی۔ محدث سورتی نے اپنی تقریر کے شروع میں فرمایا کہ سبحان اللہ حضرت پیر صاحب نے ابتدا میں اتنی بلند پرواز فرمائی کہ

---

1 انجمن نعمانیہ لاہور کا ماہوار رسالہ ص: ۴

ارباب علم کو محو حیرت کردیا۔اور آخر میں اس قدر عام فہم مسائل فقہ پر گفتگو فرمائی کہ عوام کو بھی مضمون ذہن نشین کرادیا۔(1) عصر کے بعد مولانا دیدار علی شاہ محدث الوری علیہ الرحمۃ نے مغرب تک تقریر فرمائی اور بعد نماز عشاء مولانا احمد حسین خان رامپوری علیہ الرحمۃ، مولانا شفقت حسین بلاری علیہ الرحمۃ، مولانا محمد یعقوب علیہ الرحمۃ، مولانا محمد عمر مراد آبادی، مولانا عبدالحلیم اور مولانا عبدالحمید پانی پتی نے خطاب کیا۔۲۹ دسمبر کو صبح دس بجے سے نماز عصر تک جاری رہا۔ ۳۰ دسمبر کو دس بجے سے نماز ظہر تک حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی اور مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ نے تقاریر فرمائیں۔ ظہر سے عصر تک مولانا محمد فاضل جالندھری، مولانا سید محمد امین علیہ الرحمۃ اور عصر سے مغرب تک دیوان سید محمد علیہ الرحمۃ سجادہ نشین پاک پتن شریف و مولانا دیدار علی محدث الوری علیہ الرحمۃ نے خطاب کیا آخر میں مولانا امجد علی اعظمی انصاری علیہ الرحمۃ نے فاضل بریلوی کا مرتب کردہ مسودۂ عقائد عوام کے سامنے پیش کیا جسے علمائے کرام نے مظور کیا۔اختتام جلسہ کے بعد حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ نے تقریباً پندرہ یوم لاہور میں قیام کیا۔(2)

سیالکوٹ کا سفر:

پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری علیہ الرحمۃ نے ۱۹۰۴ء میں مذہبی اور قومی خدمات کے لئے ایک جماعت انجمن خدام الصوفیہ کے نام سے لاہور میں قائم کی جس کی

---

1 ملفوظات مہریہ از مولانا گل فقیر احمد پشاوری مطبوعہ گولڑہ شریف راولپنڈی۔

2 ملفوظات مہریہ از مولانا گل فقیر احمد پشاوری مطبوعہ گولڑہ شریف، راولپنڈی۔

تقریباً پورے ہندوستان میں ضلعی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ پیر سید جماعت علی شاہ علیہ الرحمۃ کے حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ سے برادرانہ مراسم تھے جس کی بظاہر وجہ یہ تھی کہ پیر صاحب حضرت شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی علیہ الرحمۃ اور مولانا احمد حسن کانپوری علیہ الرحمۃ کے شاگرد تھے اوعر اپنے عہد کی ان دونوں عظیم شخصیتوں سے حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کی قرابت داری تھی۔ پیر سید جماعت علی شاہ علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے سے مولانا سید خادم حسین علیہ الرحمۃ نے محدث سورتی علیہ الرحمۃ سے علم حدیث پڑھا اور سند حاصل کی تھی۔ چنانچہ پیر صاحب اور محدث سورتی علیہ الرحمۃ باہم بہت زیادہ شیر شکر تھے۔ پیر صاحب کے مریدوں کی پیلی بھیت میں اچھی خاصی تعداد تھی اور پیر صاحب اکثر و بیشتر پیلی بھیت تشریف لایا کرتے تھے۔ خصوصاً اردو کے سب سے وقیع نعت گو شاعر قاضی خلیل الدین حسن حافظ پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ سے آپ کے بڑے دیرینہ مراسم تھے۔ انجمن خدام الصوفیہ کے اجلاس منعقدہ مئی ۱۹۱۵ء میں شرکت کیلئے پیر سید جماعت علی شاہ علیہ الرحمۃ کی خصوصی دعوت پر حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ سیالکوٹ پہنچے اور تقریباً دو ہفتہ قیام کیا۔ ماہنامہ انوار الصوفیہ کی ایک اطلاع کے مطابق ۱۱ مئی ۱۹۱۵ء کو بعد نماز عشائ انجمن خدام الصوفیہ کے جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی جلسہ کی صدارت مولانا مولوی حاجی وصی احمد صاحب محدث سوتی علیہ الرحمۃ ناظم مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کر رہے تھی۔ مولوی محمد امانت اللہ بنارسی علیہ الرحمۃ نے کرام و محبت صوفیائے کرام پر تقریر فرمائی حضرت امیر ملت (پیر جماعت علی شاہ علیہ الرحمۃ) نے خوش ہو کر تمغہ عنایت فرمایا۔ اس کے بعد

شیخ محمد ابراہیم آزاد وکیل میکانیر اور شیخ نثار احمد وکیل نے صوفیانہ کلام سنایا جس سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔امیر ملت نے ان کو بھی تمغے عطافرمائے۔اس کے بعد ختم شریف ہوااور حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ نے دعاپر جلسہ کا اختتام کیا۔(1)

کلکتہ کاسفر:

حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ ۱۷ شعبان ۱۳۱۹ھ بمطابق یکم دسمبر ۱۹۰۱ء مجلسِ اہل سنت کلکتہ کی دعوت پر پیلی بھیت سے بریلی اور پھر بریلی سے کلکتہ پہنچے۔ مجلس اہلسنت کلکتہ نے ہندوستان کے مختلف بلاد وامصار سے علماء اہل سنت کو اظہار حق کیلئے مدعو کیا تھا کیونکہ انہی ایام میں ندوۃ العلماء کا جلسہ کلکتہ میں ہونے والا تھا حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ جو ندوۃ العلماء کے ابتدائی اجلاسوں میں شرکت کے بعد ندوۃ میں غیر مقلدین کی شمولیت پر احتجاجاً ندوہ سے علیحدہ ہوگئے تھے ہمیشہ سے ندوہ کے مفسدات سے عوام اہل سنت کو آگاہ کرتے رہتے اور اس ضمن میں سفر بھی اختیار کرتے تھے۔اجلاس پٹنہ کے موقع پر علماء اہلسنت نے ایک مرتبہ پھر ارباب ندوہ کو مناظرہ کی دعوت دی لیکن ندوی حضرات نے کوئی جواب نہ دیا چنانچہ طے کیا گیا کہ اس دعوت کی کلکتہ کے اجلاس کے موقع پر تجدید کی جائے۔ اس سلسلے میں فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کے ایک خلیفہ الحاج منشی لعل خان علیہ الرحمۃ نے جو کلکتہ میں مقیم تھے بڑا اہم کردار ادا کیا اور اجلاس ندوہ سے قبل دعوتِ مناظرہ کو بصورت اشتہار شائع کرا کے نہ صرف تقسیم کیا بلکہ اخبارات میں بھی شائع کرایا

---

1 ماہنامہ انوار الصوفیہ لاہور ص:۸،ماہ جون ۱۹۱۵ء

جس کے جواب میں مولوی شاہ نظام الدین ندوی نے مناظرہ کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے منصفین کے دو بنچوں کے قیام کی ضرورت پر زور دیا چنانچہ علماء اہلسنت نے کلکتہ کے آٹھ حکم مقرر کئے جن میں مولانا احمد حسن کانپوری علیہ الرحمۃ، مولانا شاہ عبدالوہاب لکھنوی علیہ الرحمۃ، مولانا ہدایت اللہ خان جونپوری علیہ الرحمۃ، مولانا شاہ امین احمد سجادہ نشین بہار شریف علیہ الرحمۃ، مولانا شاہ بدر الدین سجادہ نشین پھلواری شریف علیہ الرحمۃ، مولانا محمد عادل کانپوری علیہ الرحمۃ، ودیگر علماء شامل تھے۔ متکلمین و مناظرین میں مولانا شاہ عبدالصمد سہوانی علیہ الرحمۃ، مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ، مولانا عبدالسلام جبلپوری علیہ الرحمۃ، مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی عظیم آبادی علیہ الرحمۃ اور مولانا حکیم مومن سجاد کانپوری علیہ الرحمۃ شریک تھے۔ مناظرہ کی یہ دعوت ۱۶ اگست ۱۹۰۱ء کے اخبار نصرت الاسلام کلکتہ میں شائع کی گئی چنانچہ ارباب ندوہ کلکتہ پہنچے اجلاس اختتام پذیر ہوا مگر مناظرہ کی یہ دعوت جسے ابتداً قبول کر لیا گیا تھا بعد میں خاموشی کے ساتھ رد کر دی گئی۔ جو علماء اہلسنت کیلئے کلکتہ میں بری کامیابی ثابت ہوئی۔ مجلسِ اہلسنت کی دعوت پر جو علماء کلکتہ پہنچے ان میں فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ، مولانا محمد عادل کانپوری، مولانا شاہ عبدالصمد سہوانی علیہ الرحمۃ، قاضی عبدالوحید عظیم آبادی علیہ الرحمۃ، مولانا عبدالسلام جبلپوری علیہ الرحمۃ اور دیگر علماء شامل تھے۔ اس موقع پر علماء اہلسنت کے ایک وفد نے جس میں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ اور حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ شریک تھے مولانا خیر الدین دہلوی اور والد بزرگوار مولانا ابو الکلام آزاد سے بھی ملاقات کی تھی اس ملاقات کا

تذکرہ مولانا محمود احمد قادری نے تذکرہ علماء اہلسنت میں بھی کیا ہے۔ کلکتہ میں علماء اہلسنت نے کئی روز قیام کیا اور عوام کو برابر مفاسد ندوۃ العلماء سے آگاہ کرتے رہے۔

معمولات

وظیفۂ روز وشب:

حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے معمولات دینی و دنیوی علماء سلف وصالحین کا آئینہ تھے۔ آپ ہر کام میں احکامِ شریعت کو پیش نظر رکھتے تھے اور فرماتے کہ ایک مسلمان کا اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا، ملنا جلنا سب کچھ اللہ کیلئے اور رسول ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔ کم گوئی آپ کا شیوۂ خاص تھا۔ مدرسہ ہو یا مسجد، گھر ہو یا محفل آپ اکثر و بیشتر خاموش رہتے اور اختلافی مسائل میں صرف اس وقت رائے دیتے جب آپ سے دریافت کیا جاتا۔ مدرسہ یا گھر پر بغرض ملاقات آنے والے حضرات سے نہایت انکسار کے ساتھ مصافحہ کرکے متعلقین کی خیریت دریافت فرماتے اور ان کے حق میں دعائے خیر کرتے پھر اس وقت تک خاموش رہتے جب تک آنے والا گفتگو کا آغاز نہ کرتا۔ چھوٹے اور بڑوں کی یکساں تعظیم فرماتے۔ اور بسا اوقات اس درجہ انکسار سے کام لیتے کے مخاطب پر رقت طاری ہو جاتی۔ پیلی بھیت کے ایک بزرگ قبلہ محمد احمد خان نے راقم الحروف کو ایک ملاقات میں بتایا کہ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کی علمیت اور لیاقت کا شہرہ پورے ہندوستان میں عام تھا۔ اور خلقِ خدا دور دراز سے سفر کرکے آپ کی زیارت کیلئے پیلی بھیت آتی تھی۔ مدرسہ اور مسجد میں ہمیشہ مسافروں کا قیام رہتا تھا جن میں بڑی تعداد طالب علموں اور علماء کی ہوتی تھی۔ میں نے حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کو تقریباً پندرہ برس نہایت قریب سے دیکھا کیونکہ آپ ۱۲ ربیع الاول کو صبح ہمارے گھر میلاد میں شریک ہوتے۔ ار

فاتحہ خوانی تک قیام فرماتے۔آپ ہمیشہ نظریں نیچی رکھتے اور بہت کم مخاطب کی سمت دیکھتے۔ بچوں سے خصوصی انس وپیار تھا یہی وجہ تھی کہ قرب وجوار کے تمام بچے نماز عصر کے بعد آپ کے چاروں طرف حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے اور آپ ان کو نصیحت فرماتے رہتے۔ عموماً نماز عصر سے مغرب تک مسجد میں قیام فرماتے لیکن اس دوران بچوں کے علاوہ کوئی اور شخص آپ کے قریب نہ جاتا۔ کیونکہ آپ وظائف میں مصروف رہتے تھے آپ تہجد کے بعد وظیفہ پڑھتے اور نماز فجر سے کچھ قبل گھر کے تمام افراداور مدرسہ کے طالب علموں کو بیدار کرتے۔ اگر کوئی کسلمندی کا اظہار کرتا تو آپ اس پر پانی ڈال دیتے اکثر آپ کے برادرِ خورد مولانا عبداللطیف شکوہ کرتے تو فرماتے میں تو اس لئے ہی پانی ڈال رہا ہوں تاکہ مر جائے، جب نماز نہیں پڑھ سکتا تو پھر زندہ رہنے کا کیا حق ہے؟ نماز فجر کے بعد آپ قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے اور اشراق کی نماز سے قبل ناشتہ کرتے اور کچھ دیر مطب میں بیٹھتے پھر مدرسہ تشریف لے جاتے بارہ بجے دوپہر کے قریب کھانا تناول فرماتے اور کچھ دیر قیلولے کے بعد ظہر کی نماز کو جاتے اور ظہر کے بعد سے عصر تک طالب علموں کو حدیث شریف کا درس دیتے مغرب اور عشاء کے درمیان خاندان کی بچیوں کو حدیث کا درس دیتے جس میں محلہ کی عورتیں بھی کثیر تعداد میں شریک ہوتی تھیں۔ عشاء کی نماز کے بعد رات گئے تک لکھنے پڑھنے میں مصروف رہتے۔ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ نہایت دھیمی آواز میں گفتگو فرماتے حتیٰ کہ محافل وعظ اور دیگر اجتماعات میں بھی یہی طریقہ برقرار رہتا، جہری نمازوں میں بلند آواز سے قرأت یا تلاوت فرماتے خصوصاً فجر کی نماز میں لمبی سورتیں تلاوت فرماتے اور

اکثر و بیشتر دوران تلاوت رقت طاری ہو جاتی حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ سے پیلی بھیت کے رہنے والوں کو عقیدت و محبت کا یہ عالم تھا کہ دور دراز کے محلوں سے لوگ فجر کی نماز آپ کے پیچھے ادا کرنے کیلئے بیلوں والی مسجد آیا کرتے تھے۔ تاکہ روزگار پر جانے سے قبل آپ کی زیارت و مصافحہ سے شرف یاب ہو سکیں۔ مدرسۃ الحدیث میں زیر تعلیم طلبہ کیلئے پیلی بھیت کے اکثر گھروں سے وظائف بندھے ہوئے تھے۔ خصوصاً مولانا فضل حق پنجابی سوداگر تلمیذ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ طالب علموں کیلئے ظہر بعد کھانے کا انتظام کرتے اور اپنی نگرانی میں طلبہ میں کھانا تقسیم کرتے۔ حضرت محدث سورتی کے برادرِ خورد مولانا عبداللطیف سورتی علیہ الرحمۃ بھی طالبعلموں کا خصوصی خیال رکھتے اور سال میں دو مرتبہ طالب علموں میں کپڑے کے جوڑے تقسیم کرتے اس کے علاوہ شہر کے دیگر متمول افراد بھی مدرسہ کی ضروریات کے پیش نظر عطیات دیتے رہتے تھے۔

حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کی صاحبزادی محترمہ کریم النساء دامت برکاتہم نے راقم الحروف کے نام ایک خط میں حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے معمولات بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ لباس میں سفید ململ کا نیچا کرتا، مغلئی پائجامہ، اور اچکن استعمال کرتے تھے۔ عموماً انگرکھا استعمال کرتے۔ جس پر ٹاٹ کی صدری ہوتی تھی۔ بمبئی کے قالب والی گول ٹوپی لگاتے جس پر صافہ باندھا کرتے تھے جس کا پلو ہمیشہ ہاتھ پر رہتا تھا۔ لباس کا رنگ ہمیشہ سفید ہوتا تھا۔ دھاری دار کپڑے نہ خود استعمال کرتے اور نہ ہی کسی کو استعمال کرنے دیتے تھے۔ خوراک بہت کم تھی۔ گندم کے ہلکے پھلکے

اور بکری کے گوشت کا شوربہ دونوں وقت کھانے میں شامل ہوتا تھا۔ مرچ اور گرم مصالحے سے پرہیز کرتے۔ لیکن کباب شوق سے کھایا کرتے تھے۔ رات کو استراحت کیلئے پلنگ استعمال کرتے جس پر نرم گدا اور دو عدد کافی نرم تکئے ہوتے۔ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے معمولات کا ایک سب سے عجیب پہلو یہ تھا کہ آپ کے پاس دوران درس ایک تھیلا موجود رہتا تھا جس میں قدیم کوفی طرزِ تحریر کا قرآن حکیم کا پہلا پارہ رکھا رہتا تھا۔ یہ پارہ اپنی قدامت کے اعتبار سے کافی بوسیدہ ہو چکا تھا جبکہ تھیلا بھی کئی جگہ سے نکل گیا تھا۔ مگر تھیلا جو نہایت خوبصورت پارچہ کا سلا ہوا تھا دیکھنے سے پتہ چلتا تھا کہ کسی خاص مقصد کیلئے بنایا گیا ہے۔ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ اکثر اس تھیلے کی تفصیلات کو چھپاتے تھے۔ لیکن جب کوئی اصرار کرتا تو فرماتے یہ وہ تھیلا ہے جو میری والدہ نے اپنے ہاتھوں سے سیا تھا اور جس میں پہلی مرتبہ یہ سپارہ لیکر مدرسہ پڑھنے گیا تھا۔ یہ تھیلا میری متاعِ عزیز ہے۔ جہاں یہ میری والدہ کی نشانی ہے وہاں اس کی ہر وقت موجودگی مجھے یہ احساس دلاتی رہتی ہے کہ میں بنیادی طور پر طالب علم ہوں۔ جس دن یہ احساس میرے دل سے معدوم ہو گیا اس دن میرے علم اور جہالت میں کوئی حد فاصل نہیں رہے گی۔

محمد ابراہیم بادشاہ کشمیری ثم پیلی بھیتی (1) کے حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ سے بڑے قریبی مراسم تھے۔ آپ کا مکان حضرت سورتی علیہ الرحمۃ کے مکان سے تقریباً ملا

---

1 محمد ابراہیم بادشاہ ن جون ۱۹۷۴ء میں کراچی میں ۹۰ سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ آپ کو سخی حسن قبرستان نارتھ ناظم آباد میں مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی کے قریب سپرد خاک کیا گیا۔

ہوا تھا۔ جس کی بناء پر آپ ہر وقت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ اور محدث صاحب کے بیشتر کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے۔ سفر میں بھی آپ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے ہمراہ ہوتے تھے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔ اسلئے جب اعلیٰ حضرت پیلی بھیت تشریف لاتے تو ابراہیم بادشاہ اسٹیشن سے محدث سورتی کے مدرسہ تک رنگ برنگی جھنڈیاں لگاتے اور اپنے مکان پر چراغاں کرتے ابراہیم بادشاہ کا بیان ہے کہ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ جیسا مرنجان مرنج اور باوضع انسان میں نے نہیں دیکھا۔ ہر وقت چہرے پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی۔ سادگی اور انکساری طبیعت میں اس درجہ تھی کہ ایک عام آدمی کا گمان ہوتا۔ کبھی اپنی قابلیت اور خداداد عزت کو وجہ امتیاز تصور نہ کیا۔ اگر کبھی کوئی شخص غیر تعظیم و تکریم سے پیش آتا تو اسے اس قدر عاجزانہ رویہ اختیار کرنے سے منع فرماتے اور کہتے کہ اپنے نفس کو مجروح ہونے سے بچایا کرو۔ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ نے جس کسر نفسی اور فروتنی سے اپنی زندگی گزاری وہ صرف اہل اللہ کا خاصہ رہی ہے۔ اغراض و نفسانیت کا دور و نزدیک نام و نشان نہ تھا۔ معصیت پر مصیبت کو ترجیح دیتے۔ اور برائی کو عام ہونے سے روکنے کی حتیٰ الوسع سعی کرتے چنانچہ آپ کو اکثر مخالفین کے غیض و غضب کا شکار بھی ہونا پڑتا۔ مگر آپ قصد اصلاح کے پیش نظر صبر و تحمل سے کام لیتے۔ بسا اوقات مخلصین جوابی کاروائی کی اجازت طلب کرتے تو آپ فرماتے ہم نے اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کر دیئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے۔ محدث سورتی علیہ الرحمۃ نہایت رقیق القلب اور

کریم النفس بزرگ تھے۔ دوسروں کی تکلیف پر بے اختیار بے چین ہو جاتے اور رفع تکلیف کیلئے دعا کرتے۔ جسمانی طور پر معذور افراد سے خصوصی شفقت اور محبت فرماتے اور خدمت کی نیت سے ان کو اپنا مہمان رہنے کی پیشکش کرتے۔ یہی وہ عادات وصفات تھیں جنہوں نے حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کو نہ صرف اپنے ہم عصر علماء میں ممتاز کیا بلکہ عوام الناس میں حد درجہ مقبول بنا دیا تھا۔

وصال

علالت و غفلت:

حضرت محدث سورتی نے تقریباً چالیس سال درسِ حدیث دیا اور سینکڑوں طلباء نے آپ سے سند فراغت حاصل کی۔ درس و تدریس کے علاوہ مسلکِ اہلسنت کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں بھی آپ نے روز و شب ایک کئے جس کے نتیجے میں آخر عمر میں شدید اعصابی کمزوری واقع ہو گئی اور تقریباً چار ماہ طلبہ کو بستر علالت سے ہی درس دیا بعض اوقات تشنج اور کمزوریٔ اعضاء کی بنا پر آپ مسجد تک نہ جا پاتے۔ اور لیٹ کر ہی نماز ادا کرتے۔ ماہ ربیع الاول اور ربیع الثانی اسی عالم میں گزرا۔ حواس بحال رہے لیکن جمادی الاول کے آغاز پر ہی غشی اور غفلت کا آغاز ہو گیا۔ مولانا خلیل الرحمٰن پیلی بھیتی کے صاحبزادے حکیم سعید الرحمٰن خان اور محدث سورتی کے ایک شاگرد حکیم عبدالجبار خان تمام وقت حجرے میں حاضر رہتے ہر طرح کا علاج و معالجہ جاری تھا لیکن غفلت میں اضافہ ہوتا گیا اور ۱۲ء اپریل ۱۹۱۶ء بمطابق ۸ء جمادی الاول ۱۳۳۴ھ یوم چہار شنبہ بوقت تہجد روح قفس عنصری سے پرواز کر کے مالک حقیقی سے جا ملی۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون)

محدث سورتی کے ایک شاگرد مولانا انوار احمد کانپوری نے لکھا ہے کہ ۶ء جمادی الاول کو بعد نماز ظہر حجرہ کے باہر علماء عمائدین شہر اور شاگردوں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ غفلت سے بیدار ہوئے تو پوچھا۔ ’’کیا دن ہے؟‘‘ بتایا گیا۔ دو شنبہ ہے۔ فرمایا ’’بخاری شریف کی پہلی جلد ختم ہو گئی؟‘‘ آخر وقت تک اتباع سنت کا یہ عالم تھا کہ ایک صاحب ملنے

آئے تو ان کو دیکھ کر فرمایا کہ "ان سے کہہ دو میں ان سے ناراض ہوں۔ وعدہ کیا تھا کہ داڑھی نہیں کترواؤں گا مگر پھر کترواتے ہیں۔" ایک صاحب نے آکر کہا آداب عرض ہے، فرمایا" میں نہیں جانتا کہ آداب عرض کس بلا کا نام ہے، اہل اسلام کا سلام "السلام علیکم" ہے۔ حکیم عبدالجبار خان نے اسی دوران آپ کی نبض دیکھنے کیلئے آپ کے بائیں ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تو فوراً ہاتھ کھینچ کر داہنا ہاتھ بڑھادیا۔ مسجد سے عصر کی اذان بلند ہوئی۔ تو آپ نے باآوازِ بلند نیت کی، اور پھر دونوں ہاتھ زیر ناف باندھ کر خاموشی اختیار کرلی۔ دو دن اسی طرح نماز پڑھنے میں گزرے۔ ۸، جمادی الاول کی شب میں پھر غفلت سے بیدار ہوئے اور فرمایا۔ "یہ اسرافیل ہیں اور آگے تمام ملائکہ کا نام لینا چاہتے تھے کہ قصداً زبان کو روک لیا معاً بعد ہنس کر دونوں ہاتھ مصافحہ کیلئے بڑھادیئے اور کسی شخص کو داہنے ہاتھ سے اپنی ٹوپی اتار کر دی کہ لو اس کے بعد استفسار کیا کہ کیا یہ مسجد ہے۔ خدام نے عرض کیا، جی ہاں فرمایا "ادھر اُدھر" بعد کو معلوم ہوا کہ یہ اشارہ مزار کی طرف تھا جو ایک مقام ممنوع تھا مگر بفضل تعالیٰ چند منٹوں میں حکام شہر نے اس مقام پر آپ کی تدفین کی اجازت دے دی، اس سلسلہ میں رئیس شہر حاجی عبدالمجید خاں نے بہت کوشش کی دو بجے شب اسی دن فرمایا۔ اسباب باندھو پالکی منگاؤ اور مجھ کو اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی) کی خدمت میں لے چلو۔ جلدی کرو کہ ایسا نہ ہو کہ گاڑی چھوٹ جائے۔ اس کے بعد کچھ دیر خاموش رہے اور فرمایا قبلہ رخ کرو۔ پھر دریافت فرمایا، کیا وقت ہے۔ کہا گیا تین بجے ہیں۔ فرمایا صبح صادق تو نہیں ہوئی۔ کہا گیا نہیں اتنے میں آپ کے برادرِ خورد مولانا عبداللطیف سورتی آگئے ان کو اچھی

طرح پہچانااور مولانا عبدالحئی پیلی بھیتی اپنے بھتیجے کو ان سے پوچھااور فوراً تہجد کی نیت باندھ لی۔ ابھی" اياك نعبدو و اياك نستعين" پر پہنچے تھے کہ اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے۔(1)

محدث سورتی کے وصال کی خبر سے عوام اور طبقۂ اہلسنت میں کہرام مچ گیا۔ تمام اخبارات نے سیاہ حاشیوں کے ساتھ اس عالمِ بے نظیر کی خبر کو جگہ دی۔ اخبار دبدبۂ سکندری رامپور نے سیاہ حاشیہ کے ساتھ انتقال کی خبر شائع کی۔ جس کا متن یہ ہے۔

نہایت افسوس کے ساتھ سنا گیا کہ ۱۲ء اپریل ۱۹۹۶ء یومِ چہار شنبہ کو حضرت مولانا مولوی شاہ وصی احمد صاحب قبلہ محدث سورتی نے اس دارِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ مرحوم ایک زبردست محدث اور اہلسنّت وجماعت کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔ آپ کے دم سے پیلی بھیت میں علم دین کی درس وتدریس کا چرچا عام تھا۔ ہم آپ کے صاحبزادے سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی نواسی داماد حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ اس علمی شہرت کو جو اس درسگاہ کی قائم ہے زوال نہ پہنچنے دیں گے۔(2)

فاضل بریلوی کا اظہار حزن:

---

1 مولانا انا ور احمد کانپوری۔ مضمون "محدث سورتی کے مناقب" مطبوعہ اخبار دبدبۂ سکندری، ص: ۲۰۴، یکم مئی ۱۹۱۶ء جلد ۵۲۔

2 دبدبۂ سکندری ۱۳، ۱۷ء اپریل ۱۹۹۶ء جلد ۵۲ (حال موجود رضا لائبریری۔ رامپور)

اخبار دبدبۂ سکندری کے ایڈیٹر محمد فضل حسن صابری نے حضرت محدث سورتی کے انتقال پر ایک ادارتی نوٹ بھی تحریر کیا۔ ''مولانا شاہ وصی احمد قبلہ محدث سورتی کی وفات ہمارے لئے ایک ناقابل تلافی صدمہ ہے۔ مولانا اپنے صفات میں یکتا بزرگ تھے۔ آپ کی ذات گرامی کا دنیائے سنیت میں کم ہو جانا بدقسمتی کا باعث ہے۔ اعلیٰ حضرت مجدد مائتہ حاضرہ فاضۂ بریلوی مولانا احمد رضا خان مد ظلہم الاقدس کی ذات قدسی صفات سے آپ کو گہرا خلوص تھا۔ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ جس دن حضرت محدث سورتی کی خبر وفات بریلی میں موصول ہوئی اس روز اعلیٰ حضرت نے بیٹھ کر کل نمازیں ادا فرمائیں۔ حالانکہ آپ ہر حال میں عصا لے کر کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ اعلیٰ حضرت کے دلی حزن کا اظہار تھا اور ہونا بھی چاہئے تھا۔ مرحوم آپ کیلئے قوت تھے۔ افسوس کہ اعلیٰ حضرت کا قدیمی مخلص اور فاضل جید ہم سے چھن گیا گو حضرت محدث سورتی نے اپنے لائق صاحبزادے کو اپنی نیک یادگار کے طور پر ہماری تسکین کیلئے چھوڑا ہے مگر حضرت کی خوبیاں مخصوصات جن کو ہماری آنکھوں نے دیکھا ہے اب قیامت تک کیلئے ہماری نظر سے چھپا لئے گئے ہیں۔ ہم اپنے بے حد رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے مرحوم و مغفور اعلیٰ اللہ تعالیٰ مقامہ کیلئے دعائے مغفرت پڑھتے ہیں۔ ار حضرت کے صاحبزادے سے اظہار تعزیت و ہمدردی کرتے ہیں۔(1)

حضرت محدث سورتی کے ایک شاگرد رزیز مولانا شاہ ظفر الدین بہاری نے جو

---

1 دبدبۂ سکندری رامپور، ص: ۶، ۲۴، اپریل ۱۹۱۶ء جلد ۵۲

حضرت محدث سورتی کے موصال کے وقت مدرسۂ شمس الہدیٰ بانکی پور پٹنہ میں صدر مدرس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مدیر دبدبۂ سکندری کے نام ایک مکتوب میں تحریر کیا کہ ”والا جناب مسغنی عن الالقاب مولوی مفتی شاہ وصی احمد صاحب قبلہ محدث سورتی قدس سرہ العزیز کے انتقال پر ملال نے دنیائے اسلام کی روح و تن میں ایسا غیر مندمل زخم پیدا کر دیا ہے جس کے ادا کیلئے افسوس کہ ہم نہ کوئی زبان پاتے ہیں اور نہ اس کے بیان کیلئے کوئی حرف۔ سوائے اس کے کہ مشیت ایزدی میں چارہ کیا کہہ کر دل کو تسکین کر لیں اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ حضرت محدث سورتی آج نہ صرف مسند درس پر ہی یگانہ روزگار تھے بلکہ دینی تشبت اور مذہبی تصلب میں بھی اپنی آپ ہی نظیر تھے۔ یہاں اس حادثۂ جانکاہ کی خبر بذریعہ حافظ سید بنیاد علی بریلوی معلوم ہوئی کہ چہار شنبہ ۸، جمادی الاولیٰ کو حضرت محدث سورتی رہگزر عالم جاوداں ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مدرسۂ شمس الہدیٰ میں طلبائے فارغ التحصیل کی دستار بندی کے موقع پر شعبان میں آپ کو بلائے جانے کے آراء پاس ہو رہی تھیں کہ مولیٰ تعالیٰ جل جلالہ، عم نوالہ نے اس برگزیدہ عالم کو اپنے پاس بلا لیا۔ وللآخرة خیر لك من الاولی۔

آج تقریب نتیجہ مدرسہ شمس الہدیٰ میں عام تعطیل دی گئی۔ اور ایصال ثواب کیلئے قرآن شریف و کلمہ طیبہ پڑھا گیا۔ چار ختم قرآن مجید اور ڈھائی لاکھ کلمہ طیبہ کے بعد قل شریف ہوا اور حاضرین کو تبرک تقسیم کیا گیا۔ نیز چالیس دن تک روزانہ ایک ختم قرآن شریف کا انتظام کیا گیا۔ ہم جملہ مدرس و طلبہ مدرسہ شمس الہدیٰ کو سلطان الواعظین جناب

مولانا مولوی عبدالاحد قادری رضوی، خلف الصدق حضرت محدث سورتی و جناب مولانا مولوی محمد عبدالطیف سورتی فضل رحمانی برادرِ خورد حضرت محدث سورتی کو بیشمار درجات عالیات ہے۔ مولائے تعالیٰ حضرت محدث سورتی کو بیشمار درجات عالیات جنت المعلیٰ میں عطافرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل واجر جزیل بخشے۔ آمین ثم آمین۔(1)

حضرت محدث سورتی کے وصال پر ہندوستان کے تمام علماءاہلسنّت نے شدید رنج و غم کا اظہار کیا۔ اور مولانا عبدالاحد کو پیغام تعزیت ارسال کئے۔ تمام مدارس اہلسنت میں ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانیاں کی گئیں۔ اور تعزیتی اجلاس منعقد کئے گئے۔

تدفین:

۸؍ جمادی الاول کو پیلی بھیت میں عجیب عالم تھا۔ روہیلکھنڈ کے تمام اضلاع سے ہزاروں علماء اور معتقدین پیلی بھیت پہنچ چکے تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے صاحبزادگان حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خان مرحوم اور حضرت مولانا مصطفی رضا خان دامت برکاتہم العالیہ بھی علماء کی ایک جماعت کثیرہ کے ہمراہ بریلی سے پیلی بھیت پہنچ گئے تھے۔ مولانا انوار احمد کانپوری نے لکھا ہے کہ ''شہر کا عجیب عالم تھا، خلقِ خدا زار و قطار روتی تھی۔'' حجۃ الاسلام نے بعد نماز ظہر آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ہجوم کی بناء پر جنازے کو کاندھا لگانا مشکل تھا۔ عصر اور مغرب کے درمیان آپ کو لحد میں اتارا گیا۔

معروف نعت گو شاعر حافظ خلیل الدین حسن حافظ پیلی بھیتی نے

---

1 اخبار دبدبۂ سکندری ص:۶، ۲۴؍ اپریل ۱۹۱۶ء جلد ۵۲

"وھوالغفور" سے تاریخ وفات اور "روضہ اقدس وصی احمد" سے تاریخ مزار نکالی۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ سے تاریخ وفات نکالی

یطاف علیھم بٰانیۃ من ففۃ وا کواب

(خدام چاندی کے پیالے اور گلاس لیے ان کو گھیرے ہوئے ہیں)

اعلیٰ حضرت اور محدث سورتی کے تعلق قبلی و خلوص باطنی کا اس سے بھی اظہار ہوتا ہے کہ یہی آیت کریمہ اعلیٰ حضرت کی تاریخ وفات ہے۔ اگر صرف "یطاف" سے قبل "و" لگادیں یعنی اسے یوں پڑھیں "ویطاف علیھم بٰانیۃ من ففۃ وا کواب" تو اس سے تاریخ ۱۳۴۰ھ نکلتی ہے۔ جو اعلیٰ حضرت کا سال وصال ہے۔

حضرت محدث سورتی کے شاگرد رشید اور رسالہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ کے مدیر مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی نے یہ قطعہ کہا۔

منبع علم و بصیرت مصدر عرفان حق
کیا کریں کچھ بھی نہیں بس میں ہمارے ہائے ہائے
رحلت حضرت محدث سورتی پہ یہ کہا
بے بدل فاضل اٹھا سر سے ہمارے ہائے ہائے

مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نبیرۂ حضرت محدث سورتی نے سرور عالی مکاں محدث سورتی اور "محترم محدث سورتی" سے سن عیسوی کے مطابق ۱۹۱۶ء تاریخی مادّہ نکالا۔ راقم الحروف (خواجہ رضی حیدر) نے "آہ خادم احادیث وصی احمد" سے ۱۳۳۴ھ

اور ''آہ خادم اہل اسلام مولانا وصی احمد محدث سورتی'' سے ۱۹۱۶ء تاریخ وفات نکالی۔

مزار مبارک:

یوپی کے شہر پیلی بھیت میں آج بھی آپ کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے ہر سال آپ کا عرس مبارک ہوتا ہے جس میں ہندوستان کے تمام حصوں سے علماء کرام بکثرت شریک ہوکر فروغ علم حدیث کے سلسلے میں آپ کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ قیام پاکستان سے قبل عرس کے انعقاد کی ذمہ داری حکیم قاری احمد پیلی بھیتی انجام دیتے تھے۔اور آپ کے ترک پیلی بھیت کے بعد حضرت شاہ مانا میاں علیہ الرحمۃ نے نہایت عقیدت اور احترام سے اس سلسلے کو جاری رکھا۔ ۱۹۷۷ء میں شاہ مانا میاں علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد سے یہ خدمت آپ کی اہلیہ پیرانی جی انجام دیتی ہیں۔ محلہ منیر خان میں بیلوں والی مسجد (مسجد کبیر خاں) سے متصل قبرستان میں آپ کا مزار مبارک نمازِ عصر سے عشاء تک زائرین کیلئے کھلا رہتا ہے۔ راقم الحروف کو ۲۳ء اکتوبر ۱۹۷۹ء کو مزار شریف کی پہلی بار زیارت کا شرف حاصل ہوا اور پھر ایک ماہ پیلی بھیت مس قیام کے دوران روزانہ حاضری نصیب ہوتی رہی اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کا خاتمہ ایمان پر فرمائے آمین۔

شعراء کاہدیۂ عقیدت

یاسورتی محدث:

فرض آپ کی اطاعت یاسورتی محدث ذکر آپ کا عبادت یا سورتی محدث

تم نے جلائی سنت یا سورتی محدث تم نے مٹائی بدعت یا سورتی محدث

تم رہنمائے دیں ہو، مخدوم مسلمیں ہو یا خادم شریعت، یا سورتی محدث

تم زاہد و مجاہد ہو یا وصی احمد تم صاحبِ فضیلت یا سورتی محدث

الراحمون میں تو بالا نشیں تمہیں ہو تم پر خدا کی رحمت یا سورتی محدث

دنیائے دین حق میں ہے روشنی تمہاری تم ہو سراجِ ملت، یا سورتی محدث

لکھ کر نئے حواشی طلاب پر تمہیں نے رکھا ہے بار منّت یا سورتی محدث

آگے تھی علم دیں کی کب روشنی یہ پھیلی کھوئی تمہیں نے ظلمت یاسورتی محدث

کرتا ہے تہہ ادب کے زانو تمہارے آگے درس کتاب و سنت یا سورتی محدث

مولد کی محفلیں ہیں برپا تمہارے دم سے مولد تمہارا سورت یا سورتی محدث

سرکار مصطفیٰ سے سردار انبیاء ﷺ سے تم کو ہے خاص نسبت یاسورتی محدث

ایمان کی تو یہ ہے، تم نے بہت بچایا ایمان اہل سنت یا سورتی محدث

بے وحدتوں کے دل میں کچھ ہو گی قدر کثرت تم اور کنج وحدت یا سورتی محدث

اکرام آپ کا ہے اکرام مصطفیٰ ﷺ ہے ہیں آپ شانِ ملت، یا سورتی محدث

تفسیر تم کو اپنی خود ہی بتا رہی ہے ہر سورت اور آیت یا سورتی محدث

اب کون ہے محدث ایسا فقیہہ کامل ختم آپ پر فقاہت یا سورتی محدث

ہیں رحمتیں الٰہی کی آیتیں ہزاروں تم بھی ہو ایک آیت یا سورتی محدث

صورت سے ہے درخشاں نورِ جمال ایماں سیرت نبی ﷺ کی سیرت یا سورتی محدث

تم چل پڑے تو ٹوٹا مجھ پر پہاڑ غم کا یا کوہِ استقامت یا سورتی محدث

تھی پیلی بھیت ہی کی وہ خاک جس سے تم نے پایا خمیر طینت یا سورتی محدث

پیر فلک جھکا ہے گویا یہ چاہتا ہے چومے تمہاری تربت یا سورتی محدث

آکر گری قدم پر دنیا تو لات ماری اللہ رے قناعت یا سورتی محدث

تعلیم دین کی دھن تھی صوم وصلوٰۃ کے ساتھ پائی نہ تم نے فرصت یا سورتی محدث

کرتے ہیں یاد تم کو، روتے ہیں یاد کر کے جنتے ہیں اہل سنت یا سورتی محدث

اکثر سنا ہے تم سے یوں خوش عقیدتوں نے
حافظ ہے خوش عقیدت یا سورتی محدث

چراغ راہِ شریعت:

مفسروں میں ہیں بالا محدث سورت محدثوں میں اعلیٰ محدث سورت

معلم و متعلم ہیں فیضیاب اُون سے ہیں فیض علم کے دریا محدث سورت
فلاح کل ہے اطاعت میں ان کی سر تا پا صلاح کل ہیں سراپا محدث سورت
چراغ راہ شریعت ہیں شمع بزم ہدیٰ فروغ ملت بیضا ہیں محدث سورت
علوم پیش نظریوں ہیں جس طرح کف دست یہ رکھتے ہیں ید بیضا محدث سورت
چمن حدیث کی تعلیم کا ہمیشہ بہار حدیث کے چمن آرا ہیں محدث سورت
تمہارا سینہ احادیث کا خزینہ ہے غنا ہے فقر تمہارا محدث سورت
احد کے عبد ہو عبدالاحد کے والد ہو موحدوں میں ہو یکتا محدث سورت
مصلیوں کو امامت تمہاری آتی ہے یاد جو دیکھتے ہیں مصلیٰ محدث سورت
تمہیں تو زیر زمیں جا کے مل گیا آرام زمانہ ہے تہ و بالا محدث سورت
ہے دل میں انجمن خاص گرم اے حافظ
ہیں دل کے انجمن آراء محدث سورت

(لذت درد، حافظ پیلی بھیتی، ص ۳۲، مطبع حسنی بریلی، ۱۳۳۸)

یادگارِ محدث سورت:

ہے یہ فاتحہ یادگارِ محدث تحیت نیاز مزارِ محدث
یہ معمول ہر سال کے فاتحہ کا بظاہر ہے اک یادگار محدث
چلی آرہی ہے لپٹ خوشبوں کی یہ مرقد ہے دارالقرار محدث

محدث کے ہمسائے سب ہیں مزے میں — کہ رحمت ہے قرب و جوار محدث
ہوں صرصر کے جھونکے کہ باد خزاں کے — ہے محفوظ سب سے بہار محدث
ملا ہے شرف بھی اسے منزلت بھی — جو ہے شہر سورت دیارِ محدث
خدا رکھے عبدالاحد کو سلامت — یہی ایک ہے یادگارِ محدث
تلمذ پر ان کے ہیں شاگرد نازاں — احادیث سے افتخار محدث
شکم سیر جو علم سے پھر رہے ہیں — یہی تھے کبھی زلہ خوار محدث
مسلمان ہے کون جو سر اوٹھائے — سبھی کے ہیں سر زیر بار محدث
ہیں فرعی مسائل کی اصلوں کے ماہر — ہے شرعی شعار وقار محدث
وہ حق پر لڑے اور الحق یصلو — رہا حق مددگار یار محدث
کیا اہل باطل کو مجروح ایسا — ہیں سب نیم کشتہ شکار محدث
خدا جانتا ہے گزر جس طرح کی — خدا خود رہا پردہ دار محدث
یہ ہے استقامت کہ فوق الکرامہ — زہے شانِ عزو وقار محدث

کہاں جائے خدمت سے ناچیز حافظؔ
پرانا ہے خدمت گزار محدث

(لذت در، ص: ۳۳، حافظ پیلی بھیتی، مطبع حسنی، بریلی ۱۳۳۸ھ)

یادِ محدث

آجاتے ہیں جب یاد کرم ہائے محدث
دل سے یہ نکلتی ہے صدا ہائے محدث

دلدادہ نبیﷺ کے وہ میں دلدادہ ہوں ان کا
شیدا وہ حدیثوں کے میں شیدائے محدث

دل والوں سے پوچھے کوئی دیں داروں سے پوچھے
کیا جانے کوئی رتبۂ والائے محدث

کہتے ہیں اسے پیروئ سرور عالمﷺ!
اک خلق مجسم ہے سراپائے محدث

اک عمر احادیث کی کدمت میں گزاری
جب جا کے ملا آپ کو تمغائے محدث

یہ خیر ہے وہ خیر جسے کہتے ہیں جاری
جاری ہے ابھی خیر سے دریائے محدث

فردوسِ بریں کی یہ تمنا ہوئی پوری!
اللہ بنادے مجھے ماوائے محدث

میں اور جدائی میں کروں صبر کا دعویٰ
دل اور غم حوصلہ فرسائے محدث

ہے مشورۂ عقل کہ بہلایئے دل کو!
اس وقت کروں کیا میں جو یاد آئے محدث
مے سے نہ غرض ہم کو نہ میخانے سے مطلب
ہم رند میں دُردِ کشِ صہبائے محدث

مانا ؔ ہو کہ صوفیؔ ہو کہ قاریؔ ہو احدؔ ہو
ہر فرد سراپا ہے سراپائے محدث
آنکھوں کو عزیز اس لئے رکھتا ہوں میں حافظؔ
پھرتی ہے یہاں صورتِ زیبائے محدث

(میخانہ خلد ص: ۵۵، حافظ پیلی بھیتی، مطبوعہ در مطبع اہل سنت وجماعت، بریلی، ۱۳۴۰ھ)

سنت کے حامی:

سنیو میں لکھتا ہوں اسمائے سامی   جو تشریف لاکر ہوئے دیں کے حامی
محدث مفسر فقیہوں میں نامی!   وصی احمد ان کا ہے اسم گرامی
ہے تحدیث کی ان پہ بے شک تمامی   شب و روز رہتے ہیں سنت کے حامی
وہ تدریس میں فی زمانہ ہیں یکتا   وہ افتاء میں رکھتے نہیں مثل اپنا
ہے گرچہ کمال ان کو ہر علم و فن پر   مگر ہیں احادیث پر جان سے شیدا

شب و روز کرتے ہیں دیں کی حمایت   مٹاتے ہیں دنیا سے شرک و ضلالت
فیوض ان کے جاری رہیں تا قیامت   رہیں وہ زمانے میں با صد کرامت
بڑھے عمر ان کی رہیں وہ سلامت   ملے حشر میں عزّ و قرب و ریاست
وسیلے سے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الٰہی   دُعا ہوے مقبول اس پر گنہ کی (1)

مولوی وصی احمد محدث سورتی زریں قلم

۱۹۱۶ء

عطائے حق کے امیں مولوی وصی احمد   ضیائے دیں کے مبیں مولوی وصی احمد
غنا و فقر کے پیکر مثیل آئینہ   سلوک خلق متیں مولوی وصی احمد
دیارِ صبر و توکل کے شہر یار یکتا   عمل بحسنِ یقیں مولوی وصی احمد
سجالیا تھا احادیث کا چمن دل میں   تھے فرد عالم دیں مولوی وصی احمد
مری نظر میں ہے وہ مکتب حدیث رسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم   جہاں تھے صدر نشیں مولوی وصی احمد
حقیر مہر کا دل یادگار سے تاباں

---

1 مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی نے یہ منقبت ۱۳۲۴ھ میں حضرت محدث سورتی کی جلسۂ اہلسنت پوکھیرا ضلع مظفر پور بہار میں آمد کے موقع پر کہی تھی۔ جو ”تذکرہ“ کے عنوانِ تاریخی کے ساتھ تحفہ حنفیہ پٹنہ میں شائع ہوئی۔

فروغ کوکبِ دیں مولوی وصی احمد

۱۳۳۴ھ

مایہ دانش و ذکاء زبدۂ محدثین خاصۂ بندگان حق نازش طاعت احد

عابد عصر و فخر دیں فرد بسال مصطفیٰ ﷺ مخبر دین حق و نبی ﷺ مولوی وصی احمد

۱۳۳۴ھ

عزیزی رضی میاں سلمہ الرحمٰن۔ تقریباً سال بھر سے میری علالت و نقاہت سے کچھ واقفیت آپ کو بھی ہے۔ جیسے تیسے کر کے تمہاری فرمائش اور میری آنکھوں کی خرابی نظارۂ جمال کی یاد کا عالم ربط و بے ربط الفاظ و ترکیب میں پیش کر رہا ہوں۔

"خیر طلب"

مہر پیلی بھیتی۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۸ء، کراچی

چراغ سلم

شریت کے علم بردار تھے حضرت وصی احمد

فجور و فسق سے بیزار تھے حضرت وصی احمد

نہایت متقی پرہیزگار و باصفا صوفی

اسی دنیا کے وہ دیندار تھے حضرت وصی احمد
ہمیشہ طالبان علم دیں کی دلنوازی کو
بعد لطف و کرم تیار تھے حضرت وصی احمد
پسندیدہ عمل تھا درس و تدریس حدیث ان کا
نبی ﷺ کے عشق سے سرشار تھے حضرت وصی احمد
اندھیرے جہل کے ان کی ضیاء سے منہ چھپاتے تھے
وہ روشن علم کا مینار تھے حضرت وصی احمد
جو بینش میں بہت اعلیٰ حدوں تک دیکھ سکتے تھے
تو دانش میں بلند افکار تھے حضرت وصی احمد

شریعت پر چلن تھا قول میں ان کے صداقت تھی
وہ حق رفتار و حق گفتار تھے حضرت وصی احمد
نوازا تھا انہیں اللہ نے عمدہ خصائل سے
بڑے خوش سیرت و کردار تھے حضرت وصی احمد
سلام ان پر" چراغ سلم"(۱۳۳۴ھ) ہے سال و صال ان کا

سعید اک شمع شب بیدار تھے حضرت وصی احمد *

عرس سورتی

ہے عرسِ سورتی میلہ لگا ہے   غم ان کی یاد کا تازہ ہوا ہے
دلہن تربت بنائی جارہی ہے   وصیؔ قادری دولہا بنا ہے
ہیں علم ہند کے سارے براتی   امام الہند کا یہ لاڈلا ہے
انہیں حاصلہ ہے فیض فضل رحماں   یہ حسن قدر یہ رتبہ ملا ہے
ملک جاروب کش ہیں آستاں پر   علی کا لال جان مصطفیٰ ﷺ ہے
بجھاؤ پیاس دل کی بادہ نوشو   مئے وحدت کا ساغر چل رہا ہے
مریض لا دوا ہوتا ہے اچھا!   یہی وہ قادری دارالشفاء ہے
ہے شور زائران اہل الفت   کہ اک ہنگامۂ محشر بپا ہے
دکھا دو چہرۂ انور خدارا   بہت مشتاق مخلوق خدا ہے
حدیث پاک کا دو درس آکر!   مسلماں پھر سبق بھولا ہوا ہے

---

* حضرت پیلی بھیتی نے حضرت محدث سورتی کا زمانہ نہیں دیکھا، لیکن در و دیوار پیلی بھیت میں جذب قول و قال صدائیں انہوں نے اپنے احساس سے ضرور سنی ہیں۔ یہ سلام اسی عقیدت کا پر تو ہے جو ۲۰ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو پیش کیا گیا۔
(مؤلف)

فلک کل جن کے نالوں سے تھالرزاں انہیں کو اب مٹانے پر تلا ہے
خدارا بھیج دو عبدالاحد کو وہابیت کا پھر اب سر اٹھا ہے
کریں ہم کس لئے غیروں سے شکوہ کہ مار آستیں اپنا بنا ہے
دے عمر جاوداں فضل الصمد کو
خداوندا یہ چشتیؔ کی دُعا ہے

(ساغر نور، ص: ۷۱، حافظ اتکار ولی خان پیلی بھیتی، مطبوعہ کتب خانہ اہل سنت پیلی بھیت ۱۳۹۲ھ)

اولاد و امجاد

اولاد و امجاد:

شجرۂ نسب ہر دور میں فضیلت و حرمت کا باعث رہا ہے۔ انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے لے کر بزرگانِ دین اور علماءِ متین تک فضیلت و حرمت کا یہ سلسلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ خیال و فکر کی سچائیاں لہو میں وراثتاً شامل ہوتی ہیں۔ یہ سچائیاں انسان کو اپنے ہم عصروں میں ممتاز بناتی اور شخصیت میں چار چاند لگاتی ہیں۔ صاحبان بصیرت کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ انسان کی شناخت اس کے نسبی تعلق سے کرتے ہیں۔ بسا اوقات ایک انسان بظاہر اپنے اعمال و افعال کی کجی سے دوسروں کی کبیدگی کا سبب بن جاتا ہے لیکن اگر یہ کجروی اکتسابی ہو تو مردم شناس نگاہیں جوہر پوشیدہ کو تلاش کر کے اسے کامل انسان بنا دیتی ہیں۔ اس حقیقت کے پیش نظر یہ خیال مسلم ہو گیا ہے۔ کہ اچھے لوگوں کی اولاد بھی اچھے خصائص و اطوار کی حامل ہوتی ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ دنیاوی جاہ و حشم اور عزت و شہرت کو جن افراد نے اپنا مطمع نظر بنایا ان کی اولاد بھی اسی خبث کا شکار رہی جس کا نتیجہ بعض اوقات پورے پورے خاندان کی تباہی اور بربادی کی صورت میں سامنے آیا۔ بر خلاف اس کے خوشنودئ باری تعالیٰ کے حصول میں منہمک اور حب رسول ﷺ میں مستغرق افراد نہ صرف خود انسانیت کیلئے چراغِ راہ ثابت ہوئے بلکہ ان کی اولاد بھی خلق خدا کیلئے رہنما بنی رہی۔ ان کی گفتار سے کام و دہن کو تازگی اور دل کو پاکیزگی میسر آتی رہی دور کیوں جایئے برصغیر ہی میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے لے کر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ تک سینکڑوں بزرگانِ

دین اور علماء کرام کی اولادوں نے اپنے اجداد کے مسلک حقہ کی ترویج واشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا ار آج بھی فضیلت و حرمت کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے ایک صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں۔اسلئے آپ کی نسل بہت محدود رہی اور آج بھی بہت محدود ہے لیکن ہر شخص نے اپنی بساط کے مطابق حضرت محدث سورتی کے مشن کو آگے بڑھانے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔

سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد محدث پیلی بھیتی:

مولانا عبدالاحد محدث پیلی بھیتی ۱۸۸۳ء بمطابق ۱۲۹۸ھ میں پیلی بھیت میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے چچا مولوی عبداللطیف سورتی سے حاصل کی اور بعد میں اپنے والد سے تمام علوم وفنون کی تکمیل کی۔اور تیرہ برس کی عمر میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پہنچے۔ جہاں آپ نے باقاعدہ اعلیٰ حضرت سے دورۂ حدیث کیا۔اور اعلیٰ حضرت نے آپ کی اپنے دست مبارک سے دستار بندی کی۔علوم دینیہ سے فراغت پانے کے بعد آپ لکھنؤ پہنچے اور اپنے والد کے استاد حکیم عبدالعزیز سے تکمیل الطب کالج میں طب کی تعلیم حاصل کی۔آپ کو اعلیٰ حضرت سے سلسلۂ قادریہ میں جازت و خلافت بھی حاصل تھی۔ جبکہ اپنے والد ماجد مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ کی طرف سے آپ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن علیہ الرحمۃ گنج مرادآبادی کے سلسلہ میں بھی بیعت کرنے کے مجاز تھے۔ تعلیم سے فراغت پانے کے بعد آپ نے کچھ عرصہ لکھیم پور میں طبابت کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر اپنے والد کے حکم پر مدرسۂ حنفیہ پٹنہ میں

مدرس ہو کر چلے گئے۔ جہاں کئی سال آپ کا چشمہ علم فیض رساں جاری رہا۔(1)

مولانا عبدالاحد علیہ الرحمۃ کو حضرت شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی علیہ الرحمۃ سے بے پناہ عقیدت تھی چنانچہ آپ اپنے والد کی ہمراہی میں اکثر گنج مرادآباد تشریف لے جاتے۔ حضرت شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد بھی آپ شاہ صاحب کے فرزند مولانا احمد میاں گنج مرادآبادی علیہ الرحمۃ اور خلیفہ مولانا عبدالکریم گنج مرادآبادی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں برابر حاضری دیتے رہتے تھے۔ ۱۳۲۳ھ میں آپ کی شادی حضرت شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی علیہ الرحمۃ کی نواسی اور مولانا عبدالکریم علیہ الرحمۃ کی بڑی صاحبزادی محترمہ حمیدہ خاتون رحمۃ اللہ علیہا سے ہوئی جو علم و فضل میں یکتا اور صاحب سلسلہ خاتون تھیں۔ علامہ محمود احمد قادری نے مولانا عبدالاحد علیہ الرحمۃ کی شادی کا مفصل احوال تحریر کیا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ بھی اس شادی میں شرکت کیلئے باراتیوں کے ہمراہ گنج مرادآباد تشریف لے گئے تھے۔ جب بارات رخصت ہو کر اس زمانے کے ریلوے اسٹیشن مادھو گنج جانے کیلئے روانہ ہوئی تو اسٹیشن پہنچنے سے قبل مغرب کا وقت ہو گیا۔ جنگل کا راستہ تھا اور قریب کا گاؤں ڈاکوؤں کی بستی مشہور تھی۔ اسی گاؤں کے ایک آدمی نے آکر اطلاع دی کہ ڈاکو آرہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا اللہ اور اس کا محبوب ہماری مدد فرمائے گا۔ کچھ دیر بعد ڈاکوؤں کا گروہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پیش قدمی کر کے ان کے پاس پہنچ

---

1 تذکرۂ علماء اہلسنت ص: ۱۶۸

گئے اور فرمایا کہ ہم تمہارے علاقے کے بزرگ حضرت شاہ فضل رحمان علیہ الرحمۃ کی نواسی بیاہ کرلے جارہے ہیں کیاایسی حالت میں تم ہم کو لوٹنا مناسب سمجھتے ہو؟ آپ کے اس طرز تخاطب کاڈاکوؤں پر گہرااثر ہوا۔اور وہ نہ صرف اپنے ارادے سے باز آگئے بلکہ تائب ہوئے اور داخل سلسلہ ہونے کاشرف حاصل کیا۔(1)

مولاناعبدالاحد کو فن خطابت پر ید طولی حاصل تھا۔ آواز نہایت پاٹ دار اور ایسی تھی کہ گھنٹوں ماحول میں اس کی گونج برقرار رہتی تھی۔ سیرۃ النبی اور فضائل صحابہ کے بیان پر خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ تقریر کے دوران رقت طاری ہوجاتی اور وجد کے عالم میں درودو سلام پڑھنے لگتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ نوعمری ہی میں آپ کے مواعظ حسنہ کی پورے برصغیر میں شہرت ہوگئی آپ کے وعظ کی اثرپذیری سے متاثر ہوکر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے بریلی میں ایک خصوصی تقریب کے دوران آپ کو "سلطان الواعظین" کا خطاب عطا فرمایا۔اوراپنی طویل نظم الاستمداد میں ایک شعر رقم فرمایا کہ:

اک اک وعظ عبدالاحد پر	کیسے نتھنے پھلاتے یہ ہیں (2)

مولاناغلام مہر علی گولڑوی نے مولاناوصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ کاذکر خیر کرتے ہوئے ایک مقام پر مولاناعبدالاحد علیہ الرحمۃ کے بارے میں لکھاہے کہ **واشهرت مواعظه فی اکناف الهند** (آپ کے مواعظ کی شہرت ہندوستان کے اطراف واکناف

1 تذکرۂ علماء اہلسنت ص: ۱۶۹

2 الاستمداد ص: ۱۹۶، مولانااحمد رضاخان بریلوی مطبوعہ مظہر فیض رضا، لائل پور ۱۳۹۶ھ

میں پھیلی ہوئی تھی)۔(1)

سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد علیہ الرحمۃ کے رگ و پے میں جذبۂ حریت موجزن تھا۔ آپ آزادیٔ وطن کے دلدادہ اور انگریزوں کی فریب کارانہ چالوں کے شدید مخالف تھے۔ اور برصغیر میں پروان چڑھنے والی تحریکوں میں حتی المقدور حصہ لیتے تھے۔ ندوۃ العلماء کی اور ندوہ کے مفاسد کو عوام پر واضح کرنے کیلئے مختلف شہروں کے دورے کئے۔ اور مسلمانوں کو اس ادارہ کی تائید و تعاون سے باز رکھا۔ ۲۷ جولائی ۱۹۱۳ء کو کانپور کے مچھلی بازار میں ایک سڑک کی تعمیر کے نتیجہ میں اس بازار کی ایک مسجد کا کچھ حصہ شہید کر دیا گیا۔ حکومت کی اس حرکت سے پورے ہندوستان میں اشتعال پھیل گیا۔ اضطراب و بے چینی نے اس قدر زور پکڑا کہ ۳ اگست کو مسلمانوں نے مسجد میں جمع ہو کر مسجد کی از سر نو تعمیر شروع کر دی۔ اس کارروائی کو روکنے کیلئے مقامی انتظامیہ نے پولیس طلب کی جس نے مجمع پر گولی چلادی۔ تقریباً ۱۵ منٹ تک فائرنگ جاری رہی۔ اور معاصر اخبارات کی اطلاع کے مطابق تقریباً چھ سو راؤنڈ کارتوس استعمال کئے گئے۔ اس فائرنگ سے ۱۶ مسلمان شہید اور ۳۰ زخمی ہوئے۔ اس واقعے کی پورے ہندوستان میں شدید مذمت کی گئ۔ مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ بھی اس موقع پر کانپور پہنچ گئے اور اپنے خالہ زاد بھائی مولانا نثار احمد کانپوری کے ہمراہ حکومت کے خلاف احتجاج میں بھرپور حصہ لیتے ہوئے گرفتار ہوئے اور تقریباً چھ ماہ کی قید و بند کی صعوبت برداشت کی۔

---

[1] الیواقیت المہریہ ص:۸۶، مولانا غلام مہر علی مطبوعہ مکتبۂ مہریہ چشتیاں۔ ۱۹۶۵ء

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ بھی اس صورتحال کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے مسجد کے انہدام کے سلسلے میں ایک فتویٰ ''اہانتہ التواری'' کے نام سے دیا جس میں آپ نے وقف بالعوض یابلا عوض قابل انتقال نہیں کے ثبوت میں قرآن حکیم اور احادیث سے دلائل قاہرہ کے انبار لگادیئے۔(1)

۷ جولائی ۱۹۲۰ء کو جب کانگریس اور خلافت کمیٹی نے مشترکہ طور پر انگریزوں کے خلاف ترک موالات کی تحریک کا آغاز کیا تو دو قومی نظریہ کے حامی علماء دین اس بدعت کو روکنے کیلئے میدان عمل میں کود پڑے۔ انہوں نے ہندوؤں سے اتحاد کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ انگریز اور ہندو دونوں مسلمانوں کے نزدیک کافر ہیں۔ اور کہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک دشمن کو سینے سے لگایا جائے اور دوسرے دشمن کا مقاطعہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں بیک وقت تحریک موالات اور تحریک خلافت کیلئے ایک پلیٹ فارم استعمال کرنے سے ہندو مسلم اتحاد کی فضا پیدا ہوئی جو یقیناً نہ صرف غیر شرعی صورتحال تھی بلکہ اس سے آزادی وطن کی جد وجہد میں بھی شدید رخنہ پڑنے کا اندیشہ تھا چنانچہ مسلمانوں کو ترک موالات کی شرعی حیثیت سے آگاہ کرنے کیلئے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے لاہور اور لائلپور سے یکے بعد یگرے دو استفسارات کا جواب ''المحجۃ الموتمنہ فی آیۃ الممتحنہ'' کے نام سے دیا جو ۱۹۲۰ء میں مطبع حسنی بریلی سے شائع ہوا۔ اس فتویٰ میں اعلیٰ حضرت نے قرآن حکیم، مستند

---

1 اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت ص: ۱۳۰، سید نور محمد قادری مطبوعہ مکتبہ رضویہ گجرات ۱۹۷۵ء

تفاسیر، احادیث نبوی اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ترک موالات کی تشریح کی اور یہ واضح کردیا کہ کوئی بھی غیر مسلم چاہے وہ ہندو ہو یا عیسائی، مجوسی ہو یا یہودی اسلام اور مسلمین کے مقابلے میں "الکفر ملتہ واحدۃ" کے مصداق ہے۔ اعلیٰ حضرت کے اس فتوے نے ہندوستان کی ایک رخی سیاست کے زاویئے بدل دیئے اور گاندھی جی کی مسلمان دشمنی پر مبنی سیاست کی بنیادیں ہل گئیں۔ اعلیٰ حضرت کے خلفاء اور علماء اہلسنّت نے بڑا مؤثر کردار ادا کیا۔ مولانا عبدالاحد علیہ الرحمۃ نے جو ہندوستان کی سیاست کو اسلمای شریعت کا لباس فاخرہ عطا کرنے کی فکر میں منہمک تھے تحریکِ ترک موالات کے خلاف سرگرم عمل ہوگئے اور پورے ہندوستان کا دورہ کرکے مسلمانوں کو ترکِ موالات کی شرعی حیثیت اور اس کے دور رس نقصانات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے اپنی تقاریر میں ہندو مسلم اتحاد کی نفی کی اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اس سلسلہ میں قرآنی احکامات کی پابندی کریں۔ خصوصاً روہیلکھنڈ میں اس تحریک کے خلاف آپ کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ اس ضمن میں اعلیٰ حضرت کے ایک معتمد خاص مولوی شفقت حسین وکیل علیہ الرحمۃ بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ جنہوں نے مولانا عبدالاحد علیہ الرحمۃ کے ہمراہ اس سلسلے میں مختلف شہروں کے دورے کئے اور مولانا محمد علی جوہر کی ترک موالات کے ضمن میں ناعاقبت اندیشی کا پردہ چاک کیا۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ۱۹۲۰ کے اواخر میں تحریک خلافت کا ایک وفد ہندو مسلم اتحاد کی تبلیغ کیلئے جب روہیلکھنڈ پہنچا تو اس نے پیلی بھیت میں مولانا عبدالاحد سے بھی ملاقات کی اس وفد کی قیادت امرتسر کے ڈاکٹر سیف الدین کچلو کر رہے تھے۔ اور اس میں مولانا نثار احمد

کانپوری علیہ الرحمۃ بھی شامل تھے۔ مولانا عبدالاحد علیہ الرحمۃ نے وفد سے تقریباً چار گھنٹے مذاکرات کئے اور آخر وقت تک ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت کرتے رہے۔(1)

مولانا عبدالاحد کانپوری کا یہ خیال اتنا مستحکم تھا کہ رہنمایانِ خلافت کو تحریک ترک موالات سے دست کش ہونا پڑا۔ انہوں نے برادرانِ وطن سے ہٹ کر مسلمانوں کو علیحدہ تنظیم قائم کرنے پر توجہ دی اور یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی کہ کفر و اسلام دو متضاد نظریے ہیں۔ اور ان کے متبع کبھی متحد نہیں ہو سکتے۔ تحریک خلافت کے رہنما مولانا نثار احمد کانپوری علیہ الرحمۃ آپ کے حقیقی خالہ زاد بھائی تھے۔ لیکن جب انہوں نے ترک موالات میں حصہ لیا تو آپ نے ان کی ہر مرحلہ پر سخت گرفت کی۔ مولانا حکیم قاری احمد علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ کانپور کے ایک جلسے میں مولانا نثار احمد کانپوری علیہ الرحمۃ ہندو مسلم اتحاد کے عنوان پر تقریر کر کے بیٹھے تھے کہ سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد علیہ الرحمۃ نے اسی اسٹیج سے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف دھواں دھار تقریر شروع کر دی۔ مولانا نثار احمد علیہ الرحمۃ خاموش بیٹھے سنتے رہے۔ آخر مجمع میں سے ایک شخص نے آواز اٹھائی تو مولانا کانپوری علیہ الرحمۃ نے اسے خاموش کر دیا۔(2)

مولانا عبدالاحد کو تفسیر قرآن میں غیر معمولی ملکہ حاصل تھا۔ مولانا نثر احمد کانپوری علیہ الرحمۃ، مولانا حسرت موہانی علیہ الرحمۃ، مولانا عبدالباری فرنگی محلی علیہ الرحمۃ،

---

1 تاریخ ہندو پاکستان ص: ۳۶۷، مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی۔ مطبوعہ کراچی۔۱۹۷۶ء

2 تاریخ ہندو پاکستان ص: ۳۵۳

مولوی شفقت حسین وکیل علیہ الرحمۃ، خان بہادر احمد حسین وکیل علیہ الرحمۃ، مولانا قطب الدین بھرم چاری علیہ الرحمۃ، مولانا عبدالقدیر بدایونی علیہ الرحمۃ، مولانا آزاد سبحانی علیہ الرحمۃ، مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ، مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمۃ، مولانا جمیل احمد بدایونی علیہ الرحمۃ، مولانا عبدالماجد بدایونی علیہ الرحمۃ، مولوی فضل الحق وزیر اعلیٰ بنگال اور نواب سر سلیم اللہ خان آف ڈھاکہ سے آپ کے خصوصی مراسم تھے۔ اور اکثر مراحل پر باوجود نظریاتی اختلافات کے کبھی باہمی محبت اور تعلق میں کوئی فرق نہیں آیا۔

۱۳۲۳ھ میں مولانا عبدالاحد علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے معیت میں فریضہ حج ادا کیا، ملفوظات اعلیٰ حضرت میں ہے کہ علماء حرمین شریفین سے اعلیٰ حضرت کی ملاقات کے دوران آپ ہمیشہ ساتھ رہتے تھے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ میں جب حضرت مولانا شیخ صالح کمال سابق قاضی مکہ و مفتی حنفیہ کی خدمت میں گیا تو حضرت مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے عزیزی مولوی عبدالاحد صاحب بھی ہمراہ تھے(1)

اس سفر میں عبدالاحد علیہ الرحمۃ کبیر العلماء مولانا شیخ احمد ابوالخیر مرداد کو چند احادیث سنا کر سند حدیث حاصل کی ۱۳۳۴ھ میں حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد آپ مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں شیخ الحدیث کے فرائض انجام دینے لگے اور یہ سلسلہ آخر دم تک جاری رہا۔

---

1 ملفوظات اعلیٰ حضرت ص: ۱۲۶، حصہ دوئم، مطبوعہ کامیاب دارالتبلیغ لاہور

۱۹۲۵ء میں شاہ ابن سعود نے بقول ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی برطانیہ کی شہہ پر حجاز پر حملہ کردیا کیونکہ شریف حسین "وہائٹ ہال" میں اپنی مقبولیت کھو چکے تھے۔ (1) چنانچہ مکہ معظمہ اور طائف شریف پر نجدیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس تبدیلی سے برصغیر کی سیاسی فضا بھی متاثر ہوئی ڈاکٹر قریشی نے لکھا ہے کہ اہلحدیث اور ان سے قربت رکھنے والے طبقوں نے ان سعود کی حمایت کی جب کہ بریلوی مکتبۂ فکر کے علماء نے شریف حسین کی تائید کا اعلان کیا۔ مولانا محمد علی جوہر نے بھی ابن سعود کی حمایت صرف اس امید پر کی کہ نجدی حجاز پر بادشاہت قائم نہیں کریں گے لیکن ان کی یہ امیدیں اس وقت خاک میں مل گئیں جب شاہ ابن سعود نے حجاز پر اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ مولانا جوہر کے پیر و مرشد مولانا عبدالباری فرنگی محلی علیہ الرحمۃ ایام اسیری کے ساتھی مولانا نثار احمد کانپوری علیہ الرحمۃ اور قدیم رفیق کار مولانا عبدالماجد بدایونی علیہ الرحمۃ نے حجاز پر نجدیوں کے قبضہ کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ ایک تنظیم انجمن خدام الحرمین قائم کی تاکہ حجاز میں نجدیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی سے روکا جاسکے۔ اس تنظیم کے آرگنائزروں میں مولانا حسرت موہانی علیہ الرحمۃ اور مشیر احمد قدوائی بھی شامل تھے۔ (2)

سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد نے بھی نجدیوں کے ہاتھوں حجاز میں مقامات مقدسہ کی بے حرمتی پر سخت احتجاج کیا اور حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ وہ انگریزوں کے

---

1 علماء ان پولیٹکس ص: ۲۹۰، ڈاکٹر قریشی مطبوعہ معارف لمیٹڈ، کراچی

2 علماء ان پولیٹکس ص: ۲۹۰، ڈاکٹر قریشی مطبوعہ معارف لمیٹڈ، کراچی

حمایت یافتہ شاہ عبدالعزیز سعود کو مسلمانوں کی دل آزاری سے باز رکھے۔اس ضمن میں مولانا عبدالاحد علیہ الرحمۃ نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں انجمن خدام الحرمین کے جلسوں سے خطاب کیااور مولانا محمد علی جوہر علیہ الرحمۃ کو مشورہ دیا کہ وہ نجدیوں کی حمایت ترک کر کے مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی کو روکنے کیلئے انجمن خدام الحرمین پلیٹ فارم سے کام کریں۔ نجدیوں کی کارروائیوں کی مذمت میں مولانا عبدالاحد علیہ الرحمۃ کی خدمات کا احاطہ معاصر اخبارات کی عدم دستیابی کی بناء پر اگرچہ بڑا مشکل ہے لیکن اس عہد کے بیشتر اردواخبارات میں آپ کی تقاریر کے اقتباسات ملتے ہیں۔امر تسر کے پندرہ روزہ اخبار الفقیہہ نے بریلی اور پیلی بھیت میں ۱۵ء اور ۱۶ء جون کو نجدیوں کی مذمت میں ہونے والے دو جلسوں کی کارروائی بڑی تفصیل سے شائع کی ہے۔ بریلی کے اجلاس کی صدارت اعلیٰ حضرت کے صاحبزادے اور جانشین مولانا حامد رضا خان علیہ الرحمۃ نے کی تھی جبکہ پیلی بھیت کے جلسہ کی صدارت حکیم سعید الرحمٰن خان علیہ الرحمۃ نے کی تھی۔ بریلی کا جلسہ مسجد بی بی جی میں ہوا تھااور پیلی بھیت کا جلسہ حضرت شاہ جی شیر میاں پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ کے عرس کے موقع پر مزار کے احاطہ میں منعقد ہوا تھا۔ ان اجلاسوں سے سلطان الواعظین مولانا عبدالحکیم مختار احمد صدیقی میرٹھی، قاضی احسان الحق بریلوی علیہ الرحمۃ اور مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ نے خطاب کیا۔ ان اجلاسوں میں طے کیا گیا تھا کہ علماء اہلسنت پر مشتمل ایک وفد سعودی عرب روانہ کیا جائے جو شاہ عبدالعزیز سے ملاقات کر کے اسے مقامات مقدسہ کو مسمار کرنے کے سلسلے میں مسلمانان ہند کے جذبات سے آگاہ کرے۔ایک

قرار داد کے ذریعہ حکومت ہند سے بھی مطالبہ کیا گیا کہ وہ مسلمانان ہدن کے جذبات سے حکومت برطانیہ اور شاہ عبدالعزیز کو آگاہ کرے۔ مسمار شدہ مزارات کی از سر نو تعمیر کا انتظام کرائے۔(1)

الفقیہہ کی ایک اور اشاعت کے مطابق جون ۱۹۲۸ء کو درگاہ معلیٰ برکاتیہ ایٹہ ضلع مارہرہ میں حضرت سید شاہ محمد صادق قدس سرہ کے عرس کی تقریب سے سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد قادری پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ نے خطاب کرتے ہوئے فضائل حضور سید عالم ﷺ بیان فرمائے اور آیت کریمہ انما انا بشر مثلکم کی توضیح و تفسیر اس دلنشیں طرز پر فرمائی جس نے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے مثلی اور بے مثالی اور تمام مخلوق پر برتری اہل ایمان پر خوب واضح کر کے نجدیوں کی ضلالت واباطیل وہابیہ کا ترو پود بکھیر دیا۔ اس تقریب سے مولانا حشمت علی خان لکھنوی علیہ الرحمۃ، مولانا غلام رسول قادری بہاولپوری، حافظ محمد جان ناصری بریلوی علیہ الرحمۃ وغیر ہم نے بھی خطاب کیا۔(2)

سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد علیہ الرحمہ کی زندگی ایک جہد مسلسل سے عبارت ہے۔ مواعظ کی کثرت اور پے بہ پے مذہبی و سیاسی تحریکوں میں شرکت کی بناء پر عمر کا ایک طویل عرصہ آپ نے سفر میں گزارا اور ہر سفر آپ کیلئے وسیلۂ ظفر ثابت ہوا۔ ہندوستان کے مذہبی و سیاسی حلقوں میں آپ کی مقبولیت عام تھی۔ اور آپ کی آراء کو بڑی اہمیت دی جاتی

---

1 اخبار الفقیہہ امر تسر، ۷؍ جولائی ۱۹۲۶ء

2 الفقیہہ ۷؍ مئی ۱۹۲۸ء

تھی۔ خصوصاً مذہبی مباحث پر آپ کی تقاریر کو عوام بڑے ذوق وشوق سے سنتے تھے۔ اور جب آپ وعظ و تقریر کیلئے کسی دوسرے شہر جاتے تو ہزاروں افراد قرب وجوار کی بستیوں سے آپ کی تقریر سننے کیلئے جلسہ گاہ میں پہنچتے تھے۔ آپ ہر سال ۲۲، ربیع الاول کو حضرت شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی کے عرس میں شرکت کیلئے پیلی بھیت کے عقیدت مندوں کے ایک قافلے کے ہمراہ گنج مرادآباد تشریف لے جاتے اور اپنے والد کے شیخ کی سیرت و خدمات پر گھنٹوں تقریر کرتے۔ غیر مقلدوں اور علماء دیوبند کے عقائد کی تردید میں ایسی دلیلیں لاتے کہ پورا مجمع بیک آواز جزاک اللہ پکار اٹھتا۔ ایک مرتبہ آپ ایک جلسہ میں شرکت کیلئے مرادآباد تشریف لے گئے اس زمانے میں ہندوستان کے علماء میں طول طویل تقاریر کا رواج عام تھا۔ خصوصاً دیوبند کے مولوی انور شاہ کشمیری اور عطاءاللہ شاہ بخاری تو اکثر اذان فجر تک تقاریر کیا کرتے تھے۔ مرادآباد کے عوام کو سلطان الواعظین سے بھی یہ توقع تھی کہ آپ رات گئے تک تقریر کریں گے لیکن آپ نے حسب عادت قرآن حکیم کے حوالے سے ابتدائی چند جملوں میں ہی عوام کے دلوں کو گرما دیا۔ ہر سمت سے نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت گونجنے لگا اور آپ نے ایک گھنٹے کے بعد تقریر ختم کردی۔ عوام بے چین ہوگئے اور آپ سے تقریر جاری رکھنے کی درخواست کی چنانچہ آپ دوبارہ کھڑے ہوئے اور پندرہ بیس منٹ بولنے کے بعد فرمایا مجھے احساس ہے کہ آپ لوگوں کو پوری پوری رات تقریر سننے کی عادت ہے اور آج بھی آپ یہاں اسی ارادہ سے تشریف لائے ہیں لیکن اذان فجر تک کس طرح تقریر کروں میں آپ میں سے اکثر حضرات کے تہجد قضا ہونے کا گناہ اپنی گردن پر

نہیں لے سکتا۔

مولانا عبدالاحد کو آخر عمر میں شدید خونی بواسیر ہوگئی تھی۔ جس کی بناء پر آپ کی مصروفیتوں میں بڑی حد تک کمی واقع ہوگئی۔ اور آپ کا بیشتر وقت مدرسۃ الحدیث میں گزرنے لگا۔ تصنیف وتالیف کی جانب آپ کی طبیعت مائل نہ تھی جس کی بناء پر آپ کی تحریں صرف فتاویٰ اور تقاریظ کی حد تک محدود ہیں۔ ''اسوۂ رسول ﷺ'' کے عنوان سے آپ نے ایک طویل مضمون قلمبند کیا جس کو پہلی مرتبہ رسالہ کی صورت میں مکتبۂ اہلسنت پیلی بھیت نے ۱۹۲۸ء میں اور ۱۹۶۷ء میں تحریک احیائے سنت کراچی نے شائع کیا۔ اس کے علاوہ مولانا عبدالاحد کے مختلف موضوعات پر مختلف رسالے مکتبۂ اہلسنت سے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔ لیکن باوجود تلاش بسیار یہ رسالے پاکستان کے کسی کتب خانے سے دستیاب نہیں ہوسکے۔

مولانا حکیم قاری احمد علیہ الرحمۃ کی قلمی یادداشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان الواعظین ۱۹۳۱ء کے اواخر میں شدید بیمار ہوئے۔ ابتداً پیلی بھیت میں حکیم عبدالجبار خان کے مشورہ سے خود ہی اپنا علاج کرتے رہے لیکن مرض روز بروز شدت اختیار کرتا گیا۔ چنانچہ اپنے صاحبزادے مولانا حکیم قاری احمد علیہ الرحمۃ کے ہمراہ علاج کیلئے لکھنؤ تشریف لے گئے اور امین آباد میں ایک مکان کرایہ پر لے کر رہائش اختیار کی۔ مولوی عبدالحئی صاحب نزہۃ الخواطر کے فرزند ڈاکٹر حکیم عبدالعلی نے علاج شروع کیا تقریباً ایک سال علاج جاری رہا لیکن نقاہت اور کمزور دور نہ ہوئی اور آپ نے ۱۳ا شعبان ۱۳۵۲ھ بمطابق یکم دسمبر ۱۹۳۳ء

بروزجمعہ عصراور مغرب کے درمیان داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ مولانا حکیم قاری احمد کا بیان ہے کہ عصر کے وقت سلطان الواعظین نے فرمایا نیچے کا جسم پاک کردو۔ اور کپڑے تبدیل کرادو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر اشارہ سے نماز عصر ادا کی پھر فرمایا کیا دن ہے میں نے عرض کیا جمعہ کا دن ہے، فرمانے لگے بہت مبارک ساعت اور دن ہے۔ اس کے بعد سیدھی کروٹ لیٹ کر سیدھا ہاتھ کنپٹی کے نیچے رکھا اور فرمایا پیر و مرشد اعلیٰ حضرت کا وصال بھی جمعہ کے دن ہوا تھا۔ کچھ دیر خاموش لیٹے میری طرف دیکھتے رہے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ آپکو خوش رکھے میں نے بڑی زحمت دی اور اللہ تعالیٰ تم کو اس کا بہتر اجر دے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر زیر لب کچھ پڑھا اور جب آواز تیز ہوئی تو آپ کی زبان مبارک پر ''محمد الرسول اللہ'' تھا۔ آپ کی انتقال کی خبر پورے ہندوستان میں پھیل گئی کانپور سے اعزاء کی آمد کے بعد آپ کی میت حسب وصیت گنج مراد آباد لے جائی گئی جہاں دوسرے دن بعد نماز عصر اپنے خسر مولانا عبدالکریم گنج مراد آبادی کے پہلو میں سپردِ قبر کئے گئے حافظ محمد احسن خلف مولانا احمد حسن نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں مولانا عبدالحلیم خلف مولانا عبدالکریم گنج مراد آبادی اور مولانا رحمت اللہ نبیرۂ شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے علاوہ ہزاروں عقیدتمندوں نے شرکت کی۔ بریلی کانپور، دہلی، مراد آباد، پیلی بھیت اور بدایوں کی مساجد میں ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی ہوئی امرتسر کے اخبار الفقیہہ کے مطابق بریلی کی مسجد بی بی جی میں ۱۵ شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ کو ایک تعزیتی جلسہ ہوا جس میں مختلف بلاد و امصار کے علماء نے

خطاب کیااور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی نے مغفرت کیلئے دعا فرمائی(1)

سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد قادری پیلی بھیتی نے اپنی یادگار تین فرزند چھوڑے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں مولانا شاہ فضل الصمد مانا میاں، مولانا فضل احمد صوفی اور مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی۔

حنیف النساء:

محترمہ حنیف النساء حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں اپنے والد سے عربی اور فارسی کی ابتدائی کتب پڑھیں۔ گھریلو ماحول کی بنیاد پر اوائل عمری سے ہی مذہبی معاملات میں دلچسپی رکھتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کثیرہ آپ کو ازبر تھیں۔ خواتین کی محافل میلاد جو حضرت محدث سورتی کی قیام گاہ پر منعقد ہوتی تھیں ان میں ذکرِ ولادت ﷺ آپ کا معمول تھا۔ پیلی بھیت کی بیشتر خواتین آپ سے مذہبی مسائل بھی دریافت کرنے آیا کرتی تھیں۔ بڑی نیک، صابر و شاکر اور پابند صوم وصلوۃ تھیں۔ پریوا ضلع پیلی بھیت کے ایک پٹھان مولوی منشی عبدالوحید خان ولد محمد اکبر خان خٹک سے آپ کا عقد ہوا۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ بمطابق ۲۶ مارچ ۱۹۴۴ء کو پیلی بھیت میں واصل بحق ہوئیں۔ مزار بیلوں والے قبرستان میں حضرت محدث سورتی کے مقبرہ کے باہر ہے مولوی منشی عبدالوحید خان قیام پاکستان کے بعد کراچی آ گئے تھے۔ راقم الحروف سے بے پناہ شفقت فرماتے تھے۔ ۲۸ جولائی ۱۹۶۲ء بمطابق ۲۵ صفر ۱۳۸۲ھ ملیر کینٹ میں

---

1 الفقیہہ، ۷ دسمبر ۱۹۳۳ء

انتقال فرمایااور کھوکھراپار سعود آباد کے قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نے غسل دیااور نمازِ جنازہ ادا کی۔ اولادوں کے نام یہ ہیں۔ محترمہ عزیزالنساء، حبیب عثمان خان، وحید عثمان خان اور رفیق عثمان خان، محترمہ عزیزالنساء کی شادی مولانا عبدالغنی ہزاروی سے ہوئی تھی۔ آپ بے مثال خطیب تھے۔ غیر مقلدین کا شدت سے رد فرمایا کرتے تھے سیالکوٹ میں آپ کا قیام تھا۱۳۶۳ھ میں آپ کو ہیضہ کی شکایت ہوئی۔ اور اسی میں دارفانی سے عالمِ جاودانی کی سمت رخصت کر گئے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

کریم النساء:

محترمہ کریم النساء صاحبہ پیلی بھیت میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی فارسی اور اردو پر خصوصی دسترس ہے۔ آپ کی شادی رامپور کے مولوی مرزا محمد فاروق بیگ سے ہوئی تھی۔ مولوی مرزا محمد فاروق بیگ کے والد مولانا امداد حسین ریاست رامپور کے وزیر اعظم سر عبدالصمد خان کے مدارالمہام تھے۔ سرکاری ملازمت کے باجود طبیعت میں حد درجہ استغناء اور خوف الٰہی موجود تھا۔ مذہبی حلقوں میں خصوصاً آپ کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ سے بھی آپ کے خصوصی مراسم تھے۔ اور جب محدث صاحب رامپور تشریف لے جاتے تو آپ کے یہاں ہی قیام کرتے تھے۔ مولانا امداد حسین نے اپنے صاحبزادے مرزا محمد فاروق کو بھی مذہبی تعلیم دلوائی اور جب ابتدائی کتب درسیہ سے وہ فارغ ہوئے تو حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت بھیج دیا۔ جہاں آپ نے مدرسۃ الحدیث میں دورۂ حدیث کیا اور سند حاصل

کی۔ مولانا امداد حسین نے جو محدث سورتی کی شخصیت اور علمیت سے بے پناہ متاثر تھے اپنے بیٹے کیلئے محدث سورتی کی منجھلی صاحبزادی کریم النساء کا رشتہ مانگا جسے محدث سورتی علیہ الرحمۃ نے قبول کر لیا۔ مولانا امداد حسین کی خواہش تھی کہ مرزا محمد فاروق کو رامپور میں علم دین کی ترویج و اشاعت پر مامور کریں۔ لیکن ریاست کے وزیر اعظم نے مولانا فاروق کو پولیس میں اعلیٰ عہدے پر یہ کہہ کر ملازمت دے دی کہ یہ بھی مخلوق کی خدمت کا ایک بہترین ذریعہ ہے آپ نے کئی سال پولیس کے محکمہ میں خدمات انجام دینے کے بعد ۵۵ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ محترمہ کریم النساء صاحبہ نے اپنے شوہر کے انتقال کے بعد اپنے بچوں کی پرورش کا ذمہ خود اٹھایا۔ اور تحصیل ساور رامپور میں لڑکیوں کی تعلیم کیلئے ایک مدرسہ کا آغاز کیا تقریباً چالیس سال یہ سلسلہ قائم رہا مدرسہ بعد میں سرکاری تحویل میں آگیا تھا۔ اور محترمہ کریم النساء ۱۹۶۰ء میں اس مدرسہ کی صدر مدرس کی حیثیت سے ریٹائر ہوئیں۔ ۱۹۴۶ء میں اپنے برادر زادہ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی سے ملنے کراچی تشریف لائیں اور تقریباً چھ ماہ قیام کیا۔ مولانا حکیم قاری احمد اور راقم الحروف نے آپ کی یادداشتیں بصورت انٹرویو محفوظ کر لی تھیں جن سے پیش نظر تذکرہ کی ترتیب میں بری حد تک مدد ملی۔ نہایت خلیق ملنسار اور پابند صوم و صلوٰۃ خاتون تھیں۔ اپنے چھوٹے صاحبزادے حسن رضا بیگ عرف حسن میاں کے ساتھ تحصیل سوار رامپور میں مقیم ہیں۔ بینائی بہت کمزور ہو گئی ہے لیکن راقم الحروف کے خطوط کا جواب بری پابندی سے عطا کرتی ہیں۔ مولانا حکیم قاری احمد سے اپنی اولاد سے زیادہ محبت اور شفقت فرماتی تھیں اور مولانا کے وصال پر راقم الحروف

کو جو تعزیتی خط تحریر کیا تھا وہ سچے جذبات کے ادبی اظہار کا ایک نادر نمونہ ہے آپ کے بڑے صاحبزادے مرزا علی رضا بیگ عرف اچھے میاں رامپور کی معروف شخصیتوں میں شمار ہوتے ہیں۔ چھوٹے صاحبزادے حسن رضا بیگ سوار کے سیکنڈری اسکول میں صدر مدرس ہیں۔ ۱۹۴۶ء میں آپ کو بھارتی حکومت کی جانب سے ملک کے بہترین استاد کا ایوارڈ ملا تھا۔ حسن میاں صاحب مئی ۱۹۷۸ء کو راقم الحروف سے ملاقات کیلئے پاکستان آئے تھے۔اور پیش نظر تذکرہ کی ترتیب و تالیف میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہندوستان سے مواد کی فراہمی میں بے پناہ تعاون کیا۔ نہایت خلیق و شفیق اور مرنجان مرنج انسان ہیں۔ اللہ تعالیٰ محترمہ کریم النساء صاحبہ کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ اور ان کی اولاد کو دینی و دنیوی نعمتوں سے مالامال کرے۔(1)

حلیم النساء:

محترمہ حلیم النساء محدث سورتی کی صاحبزادیوں میں اس اعتبار سے ممتاز ہیں کہ آپ نے اپنے والد سے درس نظامی کی سبقاً سبقاً تکمیل کی تھی۔ نہایت کم گو اور نفیس خاتون تھیں اوراد و وظائف آپ کا محبوب مشغلہ تھا آپ کی شادی بیسلپور ضلع پیلی بھیت کے مولانا

---

1 رامپور سے ۱۲ؕ جولائی ۱۹۷۹ء کو موصول ہونے والے جناب حسن میاں کے ایک خط سے یہ دلدوز اطلاع راقم الحروف کو ملی کہ محترمہ کریم النساء ۲۰ؕ جون ۱۹۷۹ء کو ۳ بجے سہ پہر تقریباً ۹۵ سال کی عمر میں انتقال کر گئیں۔ مرحومہ حضرت محدث سورتی کی آخری یادگار تھیں۔ راقم الحروف نے ۱۲ؕ جون نومبر ۱۹۷۹ء کو تحصیل سوار رامپور میں آپ کے مزار پر حاضری دی اور آنسوؤں کا نذرانہ پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے (خواجہ رضی حیدر)

محدم شفیع بیسلپوری سے ہوئی تھی۔ جو حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے شاگرد اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان کے مرید و خلیفہ تھے۔ جنہوں نے کم عمری میں ۲۴، رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ کو انتقال فرمایا۔ محترمہ حلیم النساء کا دوسرا عقد کئی سال بعد سنبھل مراد آباد کے مولوی سید فرخند علی سے ہوا لیکن تادیر حیات نہ رہ سکیں اور ۱۹۳۵ء میں مراد آباد میں انتقال ہو گیا۔ مولوی فرخند علی سے آپ کی تین اولادیں ہوئیں۔ برکاتی بی، پیارے میاں اور ہاجرہ بی۔ برکاتی بی اور پیارے میاں مراد آباد میں مقیم ہیں جبکہ ہاجرہ بی کراچی میں رہتی ہیں۔

عفیف النساء:

محترمہ عفیف النساء کی شادی قصبہ باڑی ضلع سیتاپور کے مولانا قاضی نور عالم سے ہوئی تھی۔ نہایت کم عمر میں ۱۹۳۵ء میں انتقال ہو گیا۔ مزار پیلی بھیت میں حضرت محدث سورتی کے مقبرہ کے پائنتی ہے مولوی نور عالم کا انتقال ۱۹۴۲ء میں سیتاپور میں ہوا۔ قادری بی، انوار عالم عرف پیارے میان اور ظفر عالم عرف محمد میاں اولادوں کے نام ہیں۔ قادری بی کی شادی دہلی میں حافظ سعید(1) الزبیر کے فرزند حکیم خورشید الزبیر سے ہوئی تھی۔ آپ

---

[1] **حافظ سعید الزبیر مجددی:** حضرت مجدد الف ثانی سرہندی کی اولاد میں سے تھے آپ کے پردادا حضرت محدم زبیر کے دو صاحبزادے تھے ایک کا اسم گرامی عارف باللہ حضرت شاہ آفاق مجددی تھا جو حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے مرشد تھے دوسرے صاحبزادے حضرت سراج الزبیر تھے جو ۱۸۵۷ء میں ترک مکانی کر کے افغانستان چلے گئے تھے۔ حضرت سراج الزبیر کے دو صاحبزادے تھے حضرت محمد زہیر اور حضرت محمد نویز۔ حضرت محمد زہیر کے تین صاحبزادے، حضرت محمد عزیر، حافظ سعید الزبیر، اور حضرت نصیر الزبیر تھے آپ کی صاحبزادی کا اسم گرامی شمس

صاحبِ سلسلہ بزرگ تھے قیام پاکستان کے بعد سوبھا سنگھ سیالکوٹ میں سکونت اختیار کی جنوری ۱۹۶۳ء بمطابق شعبان ۱۳۸۲ھ میں سیالکوٹ ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔ قادری بی سیالکوٹ سے کراچی آگئی ہیں اور لانڈھی میں سکونت ہے۔

فضل الصمد شاہ مانا میاں علیہ الرحمۃ:

سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد قادری کے سب سے بڑے صاحبزادے مولانا شاہ فضل الصمد المعروف شاہ مانا میاں قادری چشتی پیلی بھیتی بڑے باکمال عالم، بلند پایہ خطیب اور صاحب سلسلہ بزرگ تھے۔ آپ ۱۲ شوال ۱۳۲۷ھ بمطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۹ء بروز بدھ پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا حضرت محدث سورتی نے اپنے پیر و مرشد کی نسبت سے آپ کا نام فضل الصمد رکھا جبکہ آپ کے نانا حضرت شاہ عبدالکریم گنج مرادآبادی نے آپ کو پیار سے مانا میاں کہنا شروع کیا۔ پیلی بھیت کے مشہور شاعر اور عاشق رسول ﷺ قاضی خلیل الدین حسن حافظ پیلی بھیتی نے تاریخی نام "شمس الفیوض"

جہاں تھا۔ جن کا عقد حضرت مودود حسن مودودی سے ہوا تھا۔ حافظ سعید الزبیر مجددی دہلی کے محلہ پیرزادگان بازار حضرت روشن آرا روڈ پر حضرت شاہ آفاق مجددی کے مزار سے متصل رہائش پذیر تھے۔ مئی ۱۹۴۶ء میں وصال ہوا۔ آپ کے چار صاحبزادے تھے حکیم رشید الزبیر مجددی، حضرت مجید الزبیر، جناب حمید الزبیر اور حکیم خورشید الزبیر مجددی، ایک صاحبزادی فردوس جہاں بیگم تھیں۔ جو ۱۹۴۶ء کے فسادات میں شہید ہوگئیں۔ حکیم رشید الزبیر مجددی بھی ۱۹۴۷ء کے فسادات مُں شہید ہوئے۔ آپ کے پانچ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔ جناب فرید الزبیر، جناب آفاق الزبیر، محترمہ بدر جہاں بیگم، جناب علیم الزبیر، محرمہ مختار جہاں بیگم، جناب جواد الزبیر اور جناب نصیر الزبیر سب بحمد اللہ حیات ہیں اور کراچی میں مقیم ہیں۔

نکالا۔ آپ بچپن سے ہی خاموش طبع اور وارفتہ حال و سکر و صحو میں تھے۔ شاید طبیعت کی اسی متانت اور سنجیدگی کی وجہ سے شاہ عبدالکریم گنج مراد آبادی نے آپ کو "مانا میاں" کہہ کر پکارا۔ اور پھر یہی نام زبان زدِ خاص و عام ہو گیا۔ قبلہ مانا میاں نے ابتدائی تعلیم اپنی والدہ محترمہ حمیدہ خاتون اور اپنے چچا مولانا عبدالحئی پیلی بھیتی سے حاصل کی۔ کچھ کتابیں اپنے والد مولانا عبدالاحد سے اور کچھ کتابیں اپنے چچا مولانا مشتاق احمد کانپوری سے پڑھیں۔ دورۂ حدیث بریلی میں کیا اور حصن حصین کی کچھ دعائیں اپنے نانا کو سنا کر سلسلہ نقشبندیہ کی اجازت وخلافت حاصل کی۔ قبلہ مانا میاں سلسلہ قادریہ میں اپنے والد کے مرید و خلیفہ تھے جبکہ سلسلہ چشتیہ میں آپ کو حضرت مولانا مصباح الحسن پھپھوندوی سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شخصیت معرفتِ الٰہی کا مجسم پیکر تھی۔ جہاں نور شرافت، حجاب و متانت، حق گوئی اور حق اندیشی، خوف الٰہی اور حب نبی ﷺ فقر واستغناء اور بے نفسی بدرجہ اتم موجود تھی۔ ترغیب و تحریص کا آپ کے یہاں کوئی گزر نہ تھا۔ وسعت قلبی اور فیاضی شیوۂ خاص تھی۔ آپ کی ناراضگی اور محبت سب لوجہ اللہ تھیں۔ ہر کس و ناکس آپ کا والہ و شیدا نظر آتا تھا۔ اور آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی۔

حضرت شاہ مانا میاں قادری چشتی پیلی بھیتی وعظ و تقریر میں اپنے والد کی مثیل تھے خطابت کا ایسا دلنشیں انداز پایا تھا کہ کئی کئی گھنٹے آپ تقریر کرتے اور مجمع ساکت بیٹھا رہتا آواز ایسی تھی کہ جیسے پہاڑوں کی وادی میں کوئی بول رہا ہو۔ دوران تقریر اکثر عالم جذب و

شوق میں ''اللہ ہو'' کا ذکر کرنے لگتے۔ اور پھر یہ سلسلہ گھنٹوں جاری رہتا۔ حتیٰ کہ آپ نڈھال ہو کر گر جاتے۔ سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد کے وصال کے بعد شاہ مانا میاں نے مسند وعظ و تقریر کو رونق بخشی اور یہ سلسلہ تقریباً بیس سال تک نہایت زور و شور سے جاری رہا۔ بمبئی، احمد آباد، اجمیر، دہلی، لاہور، سیالکوٹ، مراد آباد، کانپور، شاہجہان پور، بریلی، میرٹھ، بدایوں، پٹنہ، غازی پور اور کلکتہ میں آپ کی تقاریر کا بہت شہرہ تھا۔ اور آپ تقریباً پورا سال وعظ و تقریر کی مصروفیت کی بناء پر سفر میں ہی رہا کرتے تھے۔ مولانا حسرت موہانی، مولانا آزاد سبحانی، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا نذیر خجندی، مولانا ظفرالدین بہاری، مولانا سید محمد اشرف محدث کچھوچھوی، مولانا سید احمد ابوالبرکات الوری لاہوری، مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی، مولانا عبدالحلیم گنج مراد آبادی، مولانا عبدالقدیر بدایونی، مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا مصباح الحسن پھپھوندوی سے آپ کے خاص مراسم تھے اور یہ تمام حضرات حضرت محدث سورتی کی نسبت سے آپ کی حد درجہ تعظیم و تکریم کرتے تھے۔

حضرت شاہ مانا میاں قادری نے ابتداً ایک حساس شہری کی طرح محکوم ہندوستان کی قومی سیاست میں پوری طرح دلچسپی لی۔ اور اپنی تقاریر میں قومی موضوعات پر کھل کر اظہار خیال کرنا شروع کیا۔ جولائی ۱۹۳۵ء میں لاہور میں مسجد شہید گنج کا سانحہ پیش آیا جس نے پورے ہندوستان میں کشیدگی پیدا کر دی اس مسجد کو سکھوں کی جانب سے مسمار کرنے کی کوشش اور حکومت کی جانب سے مسلمانون پر فائرنگ پر ہندستان کے تقریباً ہر شہر میں شدید ردِّ عمل کا اظہار کیا گیا۔ شاہ مانا میاں نے بھی اس سانحہ پر سکھوں اور حکومت برطانیہ کی

شدید مذمت کی اس سلسلے میں انجمن نوجوانان پیلی بھیت کی جانب سے جامعہ مسجد پیلی بھیت میں ایک جلسہ ۲۰، ستمبر ۱۹۳۵ء بروز جمعہ منعقد ہوا جس کی صدارت مولانا فضل حق رحمانی تلمیذ حضرت محدث سورتی نے کی۔ جلسہ سے شاہ مانا میاں اور مولانا سردار احمد خان ہاپوڑی نے خطاب کیا اور کہا کہ مساجد کو مسمار کرنے والے اسلام کی نظر میں ظالم ہیں۔ اور مساجد کی حفاظت مسلمانوں کے نزدیک جزو ایمان ہے۔ مقررین نے مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری کی مساعی جمیلہ کو خراج تحسین پیش کیا اور مسلمانانِ پیلی بھیت کی جانب سے ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔(1)

شاہ مانا میاں ہندو مسلم اتحاد کے بھی شدید مخالف تھے یہی وجہ ہے کہ اپنی ہر تقریر میں جمعیت علمائے ہند کے کردار پر نکتہ چینی کرتے اور ہر جگہ مسلمانوں کو یہ باور کراتے کہ جمعیت دراصل کانگریس کی زر خرید تنظیم ہے۔ مسلمانانِ ہند ایک علیحدہ وحدت ہیں۔ اور ایک جامعہ نظامِ زندگی کے تابع ہیں اسلئے بر صغیر کی آزادی اسی صورت میں ممکن ہے کہ مسلمانوں کا علیحدہ وطن ہو۔ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ۲۳، مارچ ۱۹۴۰ء کو قرار دادِ پاکستان منظور ہو جانے کے بعد شاہ مانا میاں نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا اور مسلم لیگ کے زیر اہتمام متعدد جلسوں سے خطاب کرنے لگے۔ ۳۰، مارچ ۱۹۴۱ء کو قائد اعظم محمد علی جناح کی کانپور آمد کے موقع پر آپ کانپور میں ہی مقیم تھے چنانچہ آپ نے مریدین کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ قائد اعظم کے استقبال میں حصہ لیا۔ اور قائد اعظم سے

---

1 رپورٹ مطبوعہ پندرہ روزہ الفقیہہ امرتسر ۷، اکتوبر ۱۹۳۵ء

ملاقات کر کے آپ کو مسلم لیگ کی تنظیم نو اور لاہور میں قرار داد پاکستان کی منظوری پر مبارکباد پیش کی اوراس تاریخی جدوجہد میں اپنی جانب سے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ کانپور کے ماسٹر سعید احمد حال ساکن ملیر کالونی کا بیان ہے کہ ”میں اپنے پیر مرشد شاہ مانا میاں کے ساتھ اس موقع پر موجود تھااور حکیم مختار احمد خلف مولانا مشتاق احمد کانپوری بھی جو اس وقت کانپور میں نوجوان مسلم لیگی رہنمائوں میں نہ صرف ممتاز حیثیت کے مالک تھے بلکہ مولانا حسرت موہانی کے رفیق خاص تھے۔ پیر و مرشد شاہ مانا میاں علیہ الرحمۃ نے اس ملاقات میں قائداعظم سے جو گفتگو کی تھی وہ تو اب مجھے یاد نہیں رہی لیکن قائد اعظم نے جب وقتِ رخصت پیر و مرشد سے مصافحہ کرنے کے بعد اپنی بھاری بھر کم آواز میں ”تھینک یو“ کہا تھا وہ آج تک میرے کانوں میں گونج رہا ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ جب قائد اعظم مسلمانانِ ہند کی جانب سے تائید و حمایت پر ”تھینک یو“ کہا کرتے تھے اور آج پوری قوم اپنے قائداعظم کا شکریہ ادا کر رہی ہے۔“

قائداعظم سے ملاقات کے بعد حضرت شاہ مانا میان نے اپنی تمام مصروفیات ترک کر کے خود کو حصولِ پاکستان کی جدوجہد کیلئے وقف کر دیا۔ مولانا سید محمد اشرف محدث کچھوچھوی تلمیذ حضرت محدث سورتی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا مصباح الحسن پھپھوندوی، مولانا غلام جیلانی میرٹھی اور مولانا امجد علی اعظمی کی معیت میں انہوں نے مسلمانوں کے مختلف اجتماعات سے خطاب کیااور مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو کر متحدہ ہندوستان کا نعرہ لگانے والے نام نہاد علماء کی کوششوں کے شیش محل

کو چکنا چور کردیں۔

آل انڈیا سنی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے بھی شاہ مانا میاں نے تقریباً پورے ہندوستان کا دورہ کر کے تقاریر کیں اور مسلمانوں کے خوابیدہ احساس قومیت کو بیدار کیا۔ ۴۶۔۱۹۴۵ کے مرکزی اور صوبائی عام انتخابات برصغیر کی تاریخ کا فیصلہ کن نوعیت کے حامل تھے چنانچہ قائدِ اعظم محمد علی جناح اپنی علالت کے باوجود انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی کیلئے ملک گیر دورہ کر رہے تھے۔ اسی دوران وائسرائے لارڈ ویول نے ۲۵، جون ۱۹۴۵ء کو شملہ میں ایک کانفرنس بلائی جو شملہ کانفرنس کے نام سے تاریخ کے صفحات پر موسوم ہے۔ اس کانفرنس کے دوران قائدِ اعظم نے اپنی دیرینہ سیاسی بصیرت سے کام لیتے ہوئے ایک مرتبہ پھر اس اصول کو تسلیم کرالیا کہ ہندوستان میں صرف اور صرف مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے اور کسی ایسی تجویز کو مسلمان ہرگز قبول نہیں کریں گے جو مسلمانوں کے مفادات کے منافی ہو۔ کانفرنس کے دوران قائدِ اعظم اپنے اس مؤقف پر سختی سے قائم رہے اور لارڈ ویول کی تجاویز کو مسترد کر دیا۔ قائدِ اعظم کے اس اصولی اختلاف کو پورے ہندوستان میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور مسلم لیگ کی پوزیشن ہندوستان کی سیاست میں بہت مستحکم ہوگئی۔ قائدِ اعظم کی نظر دراصل انتخابات پر تھی اور وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد ان انتخابات میں بھرپور کامیابی کیلئے فضا تیار کر لی جائے جیسا کہ آپ نے ۲۴، نومبر ۱۹۴۵ء کو صوبہ سرحد مسلم لیگ کے ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ کہ موجودہ انتخابات ایک انجام کا آغاز ہیں۔ اگر مسلمانوں نے مطالبۂ پاکستان کی فراخدلی کے

ساتھ حمایت کی تو ہم نصف جنگ جیت لیں گے۔

علماء اہلسنت قائد اعظم کی اس کھلی اور اصولی سیاست کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ۱۹۲۰ء میں تحریک ترک موالات کی اصولی مخالفت سے لے کر ۱۹۴۰ء میں قرار دادِ پاکستان کی منظوری تک قائد اعظم دو قومی نظریہ پر سختی سے کاربند نظر آتے تھے اس لئے علماء اہلسنت نے ان کی سیاست پر اعتماد کرتے ہوئے ہر موڑ پر قائد اعظم کا ساتھ دیا۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات کے موقع پر سواد اعظم اہل سنت و جماعت کی نمائندہ مذہبی و سیاسی تنظیم آل انڈیا سنی کانفرنس نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ انتخابات میں مسلم لیگ کی حمایت کی جائے۔ مسلم لیگ کے نمائندوں کو ووٹ دیئے جائیں اور مسلم لیگ کے ہر اس طریقہ و عمل کی حمایت کی جائے جو شریعت مطہرہ کے خلاف نہ ہو اس ضمن میں ۱۳۲ اکابر اہل سنت نے جن میں مولانا فضل الصمد شاہ مانا میاں سجادہ نشین پیلی بھیت بھی شریک تھے ایک تاریخی فتویٰ جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ ”آل انڈیا سنی کانفرنس مسلم لیگ کے ہر اس طریقۂ عمل کی تائید کر سکتی ہے جو شریعت مطہرہ کے خلاف نہ ہو جیسے الیکشن کے معاملہ میں کانگریس کو ناکام کرنے کی کوشش اس میں مسلم لیگ جس سنی مسلمان کو بھی اٹھائے سنی کانفرنس کے راکین و ممبران اس کی تائید کر سکتے ہیں۔ ووٹ دے سکتے ہیں دوسروں کو ووٹ دینے کی ترغیب دے سکتے ہیں۔ مسئلہ پاکستان یعنی ہندوستان کے کسی حصہ میں آئین شریعت کے مطابق فقہی اصولوں

پر حکومت قائم کرنا سنی کانفرنس کے نزدیک محمود و مستحسن ہے۔(1)

قیام پاکستان کی جدوجہد کے دوران شاہ مانا میاں کو قید و بند کی صعوبتوں سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ ۱۹۳۹ء میں آپ نے کانگریسی وزارتوں کی وضع کردہ ''واردھا اسکیم'' کے خلاف زبردست تقاریر کر کے مسلمانوں کو اس اسکیم کے نتائج سے آگاہ کیا اور اپیل کی کہ وہ ان اسلام دشمن اسکیموں کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں۔ اسی دوران شاہ مانا میاں کو سیالکوٹ سے میلاد النبی ﷺ کانفرنس میں شرکت و تقریر کی دعوت موصول ہوئی چنانچہ آپ اپریل ۱۹۳۹ء کو سیالکوٹ پہنچے جہاں آپ نے میلاد النبی ﷺ کانفرنس کے علاوہ متعدد اجلاسوں سے خطاب کیا اور حکومت برطانیہ و کانگریسی وزارتوں کی اسلام دشمن پالیسیوں پر کڑی نکتہ چینی کی چنانچہ سیالکوٹ سے واپسی پر لاہور کے اسٹیشن سے نقص امن ایکٹ کے تحت آپ کی گرفتاری عمل میں آئی اور تین ماہ کیلئے آپ کو نظر بند کر دیا گیا۔(2)

قیام پاکستان کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لینے کے باوجود حضرت شاہ مانا میاں قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے پیلی بھیت سے پاکستان نہ آسکے۔ ایسا کیوں ہوا یہ ایک تفصیل طلب سوال ہے۔ لیکن مختصراً صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ قیام پاکستنا کے تیس سال بعد تک شاہ مانا میاں کی حیات میں کسی غیر مسلم کو پیلی بھیت میں یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ ان

---

1 اخبار دبدبۂ سکندری رامپور، ۲۹، مارچ ۱۹۴۶ء (تفصیلات کیلئے مطالعہ فرمائیں خطاب سنی کانفرنس از محمد جلال الدین قادری مطبوعہ گجرات ۱۹۷۸ء)

2 مولانا قاری احمد کی یادداشتیں۔

سے یہ پوچھ سکے کہ آپ تو پاکستان کے حامی تھے اب پاکستان کیوں نہیں جاتے۔

اپنے برادران خورد مولانا فضل احمد صوفی اور مولان احکیم قاری احمد پیلی بھیتی کے پاکستان ہجرت کر جانے کے بعد حضرت شاہ مانا میاں پیلی بھیت میں حضرت محدث سورتی کی مزار کی خاکروبی اور سلسلۂ طریقت کی سرپرستی کیلئے تنہارہ گئیے تھے چنانچہ آپ نے اس فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ اسی دوران آپ نے حضرت مولانا حکیم مومن سجاد کانپوری علیہ الرحمۃ کی پرتی سے عقد ثانی فرمایا جن سے آپ کے ایک لڑکی تولد ہوئی مگر چند روز زندہ رہنے کے بعد انتقال کر گئی۔ حضرت شاہ مانا میان کو بچوں سے بے پناہ محبت تھی۔ ہر وقت محلہ پڑوس کے بچے آپ کے مکان میں موجود رہتے اور میان گھنٹوں ان کے ساتھ حلقۂ ذکر کرتے رہتے لیکن اولاد نہ ہونے کا غم برابر دامن گیر رہتا۔ فروغ عمر کے ساتھ ساتھ آپ کی کیفیت اور جذب میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اور ۱۹۸۵ء کے بعد آپ پر وارفتگی اور سکر وصحو کا وہ عالم طاری ہوا کہ آپ ہر طرف سے سمٹ کر مکمل طور پر خانقاہ نشین ہو گئے۔ ہر وقت رقت طاری رہتی تھی اور قرآن شریف کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ بعض اوقات جذب کی ایسی کیفیت طاری ہوتی کہ ہفتوں اپنی خانقاہ سے باہر نہ نکلتے اور نہ ہی کسی کو اس دوران آپ کے پاس جانے کی اجازت تھی۔ آپ کی قبولیت و مرجعیت کشف و کرامات کا شہرہ دور و نزدیک تقریباً پورے ہندوستان میں عام تھا۔ اور عوام کی ایک بڑی تعداد جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہوتے تھے۔ اپنے حق میں دعا کیلئے پیلی بھیت حاضر ہوتے اور کامیاب و بامراد واپس لوٹتے۔ علماء شہر کو آپ کی بعض باتوں سے اختلاف بھی ہوتا تھا۔ جو بظاہر خلافِ

شریعت نظر آتی تھیں لیکن آپ کے نسبتی تعلق کے پیش نظر کسی کو اعتراض کی جرأت نہیں ہوتی۔ ذکر و فکر سے آپ کو قلبی تعلق تھا اور بلاناغہ آپ کی خانقاہ میں سینکڑوں مریدین حلقہ ذکر میں شامل ہوتے اور معرفت الٰہی کے مزے لیتے۔ شاہ مانا میاں کو سماع سے بھی حد درجہ انس تھا اور آپ ہر جمعرات کو قوالی کی محفل سجانے جس میں شرکت کیلئے ہندوستان کے تقریباً تمام قوال آیا کرتے تھے حضرت کے قوالی سے انس کا ایک منظر راقم الحروف کو بھی ۱۹۵۷ء میں دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت اپنے بردار خورد مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی سے ملاقات کیلئے ان دنوں کراچی تشریف لائے تھے اور کھارادر میں مقیم تھے اتفاقاً اسی محلہ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی علیہ الرحمۃ کے عرس کے موقع پر قوالی کا اہتمام کیا گیا رات کے گیارہ بجے قوالی شروع ہوئی۔ پاک و ہند کے مشہور قوال بڑے صالح محمد نے ہارمونیم چھیڑا تو حضرت بے قرار ہو گئے میں قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ دریافت فرمایا قوالی کہاں ہو رہی ہے میں نے عرض کیا برابر والی گلی میں فرمانے لگے چلو۔ اب ہم یہاں نہیں بیٹھ سکتے۔ حکیم قاری احمد صاحب ابھی مطب سے تشریف نہیں لائے تھے اسلئے میں نے اپنی والدہ سے عرض کیا "میاں" قوالی میں جانے کیلئے کہہ رہے ہیں۔ والدہ نے منع کر دیا کہنے لگیں میاں پر قوالی میں کیفیت طاری ہو جاتی ہے اسلئے اپنے والد کا انتظار کرلو راقم الحروف نے میاں کی خدمت میں عرض کیا تو مسکرائے اور فرمایا تمہاری ماں ڈرتی ہیں۔ چلو ابھی آجائیں گے۔ اب میری یا والدہ کی کیا مجال کہ کچھ کہہ دیں دونوں خاموش ہو گئے میاں نے مونگیا چادر شانے پر ڈالی۔ پانوں کی ڈبیہ لی ایک عالم مستی میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے

قوالی کی محفل زوروں پر تھی۔ اور میاں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اسٹیج کے قریب ہی ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ بڑے صالح محمد اس وقت شاہ نیاز علیہ الرحمۃ کے اس مصرعہ کی تکرار کر رہا تھا کہ

اے دل بگیر دامن سلطان اولیاء

کچھ دیر تو میاں کی گردن شاخ ثمر دار کی مانند ہلتی رہی پھر آپ نے قوال کو ویل دینا شروع کی اور پاس جتنے بھی روپے تھے سب و قوال کو دے دیئے۔ پھر جیب سے گھڑی نکال کر دے دی پھر پانوں کی چاندی کی ڈبیہ نذر کی اور عالم بے خودی میں گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے۔ قوال مردم شناس تھا، اسلئے اس نے بھی تکرار جاری رکھی اور جب تک میاں اپنی جگہ پر ڈھیر نہیں ہو گئے برابر تکرار کرتا رہا راقم الحروف جس کیلئے یہ صورتحال بالکل اجنبی تھی عالم حُرت میں قریب ہی کھڑا میاں کی کیفیت دیکھتا رہا اور جب میاں عالم بے خودی سے باہر آئے تو محلہ کے چند افراد کی مدد سے گھر لے آیا۔ ہر چند اس واقعہ کو بیس برس سے زائد بیت چکے ہیں اور یوں بھی تیرہ چودہ برس کی عمر میں گزرے ہوئے اکثر واقعات ذہن کی سلیٹ سے مٹ چکے ہیں۔ لیکن میاں کے وجد کا منظر آج بھی آنکھوں میں نہ صرف اسی طرح تازہ ہے بلکہ راقم الحروف قوالی کی محفلوں میں شرکت سے صرف اس لئے خائف رہتا ہے کہ کہیں اس پر بھی ایسی ہی کیفیت طاری نہ ہو جائے مگر،

چہ نسبت خاک را با عالم پاک را

شاہ مانا میاں قادری چشتی پیلی بھیتی کی زندگی نہایت سادہ اور بے ریا تھی۔

دنیاداری اور طمع و لالچ سے آپ کوسوں دور تھے یہی وجہ ہے کہ مریدین کی تعداد ہزاروں سے زیادہ پہنچ جانے کے باوجود آپ کی وضع قطع اور طرز رہائش میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ مونگیا رنگ کا انگرکھا۔ اسی رنگ کی تہمد اور اسی رنگ کی ایک طویل چادر آپ کے لباس میں شامل تھی۔ آپ کے بیشتر مریدین نے بھی یہی لباس اختیار کرلیا تھا۔ لیکن احترام پیر کی نیت سے وہ کبھی اس لباس میں شاہ مانا میاں کی خدمت میں نہیں آتے تھے۔ پیلی بھیت و کانپور کے سابقہ باشندے جن کی بڑی بڑی تعداد اب کراچی و سکھر میں مقیم ہے۔ شاہ مانا میاں سے شرف بیعت رکھتے ہیں۔ گذشتہ سالوں میں جن حضرات کو میاں کی زیارت کا موقع نصیب ہوا ان کا بیان ہے کہ میاں ان دنوں ''موتو قبل انت موتو'' کی مکمل تفسیر بن گئے تھے۔ اللہ رب العزت سے بے پناہ تعلق اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ سے بے پناہ عشق نے محویت و استغراق کا وہ عالم آپ پر طاری کردیا تھا کہ آپ ماسوا کے خیال سے ناواقف و بے خبر ہوگئے تھے۔ ہر لمحہ خدا کی عظمت و محبت اور رسولِ خدا ﷺ کی شفاعت کا احساس آپ کے قلب پر حاوی رہتا اور اسی کیفیت و احساس کا یہ اثر تھا کہ آپ سے بے شمار خارق عادت باتیں اور کرامات ظاہر ہوتیں۔ اور بندگانِ خدا فیض اٹھاتے آپ کا ہر لمحہ مجاہدہ اور ریاضت میں بسر ہونے لگا تھا۔ حتیٰ کہ مقربین بھی آپ کی زیارت سے ہفتوں محروم رہنے لگے۔ لیکن جب آپ اپنی خانقاہ سے باہر آتے تو آپ کا چہرہ مثلِ آفتاب دمک رہا ہوتا۔ آخر میں مجاہدہ اور ریاضت کی اس کثرت اور رقت کی فراوانی سے آپ لو لو بلڈ پریشر رہنے لگا آنکھوں میں اضمحلال کی ایک مستقل کیفیت نمایاں رہنے لگی۔ اور اضاء ضعف پکڑنے لگے

مگر آپ کے معمولات میں کوئی تبدیلی نمایاں نہ ہوئی۔ ان دنوں مقربین سے اکثر فرمایا کرتے۔ ”ہجر کی شب کٹنے میں کچھ دیر باقی ہے۔ ذرا دم لے لوں۔ ساعت وصال قریب ہے۔“ انہی ایام میں آپ کے برادر خورد مولانا حکیم قاری احمد کراچی میں وصال کر گئے۔ راقم الحروف نے مولانا کی وصیت کے مطابق اس سانحہ فاجعہ کی اطلاع دی چنانچہ ۱۳ء جون ۱۹۷۶ء کو آپ نے راقم الحروف کو صبر کی تلقین فرماتے ہوئے کہا کہ ”تمام اجسام خاکی ہیں ار تمام ارواح امانت الٰہی۔ سو امانت اپنے مالک کو پہنچ گئی۔ صبر شیوہ مومن ہے سو وہ اختیار کرو اور کثرت سے دعائے مغفرت کرتے رہو فقیر کا بھی وقت آخر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس منزل سے سکون کے ساتھ گزار دے۔ قاری احمد کا وصال میرے لئے بھی سانحہ عظیم ہے۔ لیکن انا للہ و انا الیہ راجعون۔ کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں“

شاہ مانا میاں نے ہر چند راقم الحروف کو صبر کی تلقین کی لیکن وہ خود اپنے بھائی کی جدائی کا غم نہ برداشت کر سکے اور پانے بھائی کے انتقال کے ٹھیک آٹھ ماہ سترہ دن بعد یعنی ۳۱ ء جنوری ۱۹۷۷ء بمطابق ۱۰ اء صفر ۱۳۹۷ھ بارہ بجے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت میں پہنچ گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ راقم الحروف کو حضرت محدث وسورتی کے نواسے حسن میاں نے جو تدفین میں شرکت کیلئے رامپور سے پیلی بھیت پہنچے تھے۔ اطلاع دی اور راقم الحروف ایک مرتبہ پھر یتیم ہو گیا۔

حضنت شاہ مانا میاں کی اہلیہ نے ۳۰ء مارچ ۱۹۷۷ء کو احقر کے نام ایک خط میں میاں کے وصال کی تفصیلات درج کیں جن سے پتہ چلا کہ مولانا حکیم قاری احمد وصال کے بعد

سے میاں ہر وقت مغموم اور مضمحل رہنے لگے تھے۔ چنانچہ اس سال حضرت محدث سورتی کا سالانہ عرس بھی ملتوی کر دیا گیا۔ اور خود میاں نے عرس کی تاریخیں ۹، ۱۰ اور ۱۱ صفر ۱۳۹۷ھ مقرر کی تھیں۔ چنانچہ آپ محرم الحرام کے عشرۂ ثانی سے عرس کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے ل۔ ۸؍ صفر کو تقریباً پورے ہندوستان سے مریدین کی ایک بڑی تعداد پیلی بھیت پہنچ گئی۔ لیکن آپ کی طبیعت اچانک علیل ہو گئی۔ بلڈ پریشر گر گیا۔ اور ڈاکٹر نے سختی سے آرام کی ہدایت کی مگر ۹ صفر کو بعد نماز فجر قرآن خوانی سے عرس کی تقریبات کا آغاز ہوا۔ ۹؍ بجے میلاد شریف ہوا جو نماز ظہر تک جاری رہا اس روز آپ پر نقاہت کا شدید غلبہ تھا۔ لیکن صلوٰۃ و سلام کیلئے مریدین کا سہارا لے کر خانقاہ میں پہنچے اور پھر رات گئے تک محفل سماع میں بیٹھے رہے۔ مہمان خانے میں جا کر مریدین کی خیریت بھی دریافت کی اور اپنی نگرانی میں لنگر تقسیم کروایا۔ ۱۰ اصفر کی صبح بیدار ہوئے تو نقاہت بہت شدید تھی اور بلڈ پریشر گر جانے ھ کی وجہ سے چکر آرہے تھے۔ چنانچہ فوری طور پر ڈاکٹر کو بلا کر گلوکوز چڑھایا گیا۔ ۱۲ بجے طبیعت اچانگ بگڑ گئی اور چند ثانیوں میں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ۱۴؍ صفر کو بعد نمازِ عصر تدفین عمل میں آئی نماز جنازہ میں تقریباً بیس ہزار کے قریب افراد شریک تھے۔ پیلی بھیت سے راقم الحروف کے نام آنے والے تعزیتی خطوط سے پتہ چلا کہ اس سے قبل پیلی بھیت میں اس سے بڑا مجمع نہیں دیکھا گیا۔ میاں کے سوگ میں تین دن شہر کا کاروبار بند رہا۔ کیونکہ میاں کی شخصیت پیلی بھیت کی عوام کیلئے سرمایۂ افتخار اور روحانی باپ کی سی تھی۔ راقم الحروف نے حضرت مانا میاں علیہ الرحمۃ کی تاریخ ولادت میں اضافہ کے ساتھ تاریخ وصال

نکالی

شمس الفیوض جاودانہ

۱۳۹۷ھ

حضرت شاہ مانا میاں قادری چشتی پیلی بھیتی نے اپنے برخوردار مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی کی خواہش پر تصنیف وتالیف کی جانب بھی توجہ دی بزرگان دین کے تذکرے اور متعدد مضامین قلمبند فرمائے۔آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی تفصیلات یہ ہیں۔

1. اطاعت رسول ﷺ ۲۰ صفحات مطبوعہ تحریک احیائے سنت کراچی ۱۹۶۱ء
2. سوانح محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ۔ ۲۰۰ صفحات مطبوعہ امین برادرس کراچی ۱۹۷۰ء
3. سوانح حیات اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ۔ ۱۸۴ صفحات، مطبوعہ امین برادرس ، کراچی ۱۹۷۰ء
4. سوانح حضرت لال شہباز قلندر علیہ الرحمۃ، ۱۶۴ صفحات، مطبوعہ امین برادرس کراچی ۱۹۷۰ء
5. سوانح حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ، ۱۸۴ صفحات، مطبوعہ امین برادرس کراچی ۱۳۹۲ھ

اس کے علاوہ آ کے متعدد مضامین احکامِ قرآنی، سیرت نبوی ﷺ اور سلوک و تصوف پر ماہنامہ پیامِ حق میں شائع ہوئے ہیں۔

مولانا فضل احمد صوفی علیہ الرحمۃ:

سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد علیہ الرحمۃ کے منجھلے صاحبزادے مولانا فضل احمد صوفی علیہ الرحمۃ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ بمطابق ۲۰ دسمبر ۱۹۱۱ء بروز بدھ اپنے ننھیال گنج

مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے الد اور چچا مولانا عبدالحئ پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ سے حاصل کی۔ صرف ونحو کی کچھ کتابیں مولانا فضل حق رحمانی پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ سے پڑھیں پھر کانپور چلے گئے۔ جہاں آپ نے حلیم مسلم ہائی اسکول میں داخلہ لیا اور امتیازی نمبروں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ مولانا فضل احمد صوفی علیہ الرحمۃ کو اوائل عمر سے ہی شعر وادب اور مضمون نویسی سے شغف تھا چنانچہ آپ نے ابتداً ادبی موضوعات پر مضامین لکھے۔ اور کانپور سے ایک ادبی ماہنامہ ''تحریریں'' جاری کیا لیکن ماشی مجبوریوں کے پیش نظر یہ سلسلہ ترک کرکے ریلوے کے سی ٹی ایم آفس میں ملازمت اختیار کرلی اور بمبئی چلے گئے۔ بمبئی میں آپ کو لکھنے پڑھنے کے افر مواقع میسر آئے اور مختلف اخبارات کیلئے مضامین لکھنا شروع کردیئے۔ آپ بیک وقت عربی، فارسی، اردو اور انگریزی زبانوں پر قدرت رکھتے تھے یہ وہ زمانہ تھا جب بمبئی میں قومی سیاست کا عروج تھا۔ اور مسلمان زعماء مسلمانوں کی سیاسی بیداری کیلئے شبانہ روز جدوجہد کررہے تھے لہٰذا آپ نے بھی قومی موضوعات پر قلم اٹھایا اور سرکاری ملازمت میں ہوتے ہوئے کھل کر اظہار خیال کیا۔

۱۹۳۶ء میں ہندوؤں کے ایک فرقہ پرست ادیبوں کے گروہ نے یہ مطالبہ شروع کیا کہ ہندوستان کی مشترکہ زبان بجائے اردو کے ہندی ہو اور پھر اس موضوع پر تمام اخبارات میں ایک طویل بحث شروع ہوگئ۔ چنانچہ مولانا فضل احمد صوفی نے بھی اس بحث میں حصہ لیا اور انگریزی و اردو اخبارات میں متعدد مضامین لکھے۔ اس بحث میں آپ کا یہ مؤقف تھا کہ ''اردو کبھی بھی مسلمانوں کی زبان نہ تھی۔ اسلئے کہ کئی صدی قبل جب

مسلمانوں کے سندھ سے تعلقات ہوئے تو ان کی زبان عربی تھی۔ چند صدی بعد جب ایرانیوں نے ہندوستان پر قدم رکھا تو مسلمانوں کی زبان فارسی تھی ایسی حالت میں کون منصف مزاج یہ کہہ سکتا ہے کہ اردو یا ہندی مسلمانوں کی زبان ہے اس وقت مسلمانوں کو اردو سے جو تعلق ہے وہ اتنا ہی ہے جتنا ہندوؤں کو ہندی سے کیونکہ مسلمانوں نے اپنی عربی اور فارسی جیسی زبانوں کو ترک کر کے اردو کو اختیار کیا اور صدیوں سے اب اسی کے ماحول میں پرورش پا رہے ہیں ان کا یہ عمل محض وطنی اتحاد اور اجتماعی پاسداری کی بنا پر تھا۔ بہر حال جس زاویہ نظر سے بھی دیکھا جائے اردو کو ہم ملک کی مشترکہ زبان پائیں گے چنانچہ ہندوستان کی اگر کوئی مشترکہ زبان ہو سکتی ہے تو وہ اردو ہے جو آج ملک کے ہر صوبہ میں بولی جا رہی ہے کہیں تھوڑی کہیں زیادہ یہی نہیں بلکہ یہ اردو ہی ہے جو ''ہندستانی'' زبان کے نام سے دوسرے ممالک میں روشناس ہو چکی ہے۔ اب بھی اگر کوئی نہ سمجھے تو اس کا کیا علاج'' (1)

مولانا فضل احمد صوفی کی قلمی ڈائریوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی علمی استعداد بڑھانے کیلئے مطالعہ جاری رکھا صوفی صاحب کا یہ اصول تھا کہ وہ جو کتاب پڑھتے تھے اس کے نوٹس اپنی ڈائری پر لے لیا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کی قلمی ڈائریاں کتابوں کے اختصار سے مالا مال ہیں۔ ان میں تفاسیر، احادیث، تاریخ اسلام، سیاست، شعر و ادب، تذکرہ و سوانح اور انتقادیات کی سینکڑوں کتابیں شامل ہیں۔ ان ڈائریوں کے مطالعہ

1 فضل رحمان صوفی۔ مضمون ہندوستان کی مشترکہ زبان، مطبوعہ: بیداری مالیگاؤں۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۶ء

سے ایک اور بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مولانا فضل احمد صوفی نے ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۸ء تک نہ صرف بہت دیدہ ریزی سے مطالعہ کیا بلکہ اس عرصے میں ان کا ذہن ایک مخصوص نہج پر استقلال پاتا گیا۔ ان قلمی یادداشتوں میں آپ مسلم خلفاء میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سب سے زیادہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متاثر نظر آتے ہیں کیونکہ آپ نے ایسی تمام کتب سے اجمالاً یادداشتیں قلمبند کی ہیں جن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات و خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ برصغیر میں آپ کی آئیڈیل شخصیتوں میں مولانا محمد علی جوہرؔ، علامہ اقبال اور قائدِ اعظم محمد علی جناح تھے۔ چنانچہ آپ نے قومی سیاست پر مضامین تحریر کئے تو ان میں انہی شخصیات کے تصورات و نظریات کی چھاپ نظر آتی ہے ایک مقام پر آپ سیاسیات اسلامی کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ ”اسلام انسانی زندگی کے ہر پہلو کے لئے بہترین نظام حیات اور دستور العمل ہے۔ اس کا تابع ہر انسان اپنی جگہ جامع الصفات ہے سلام میں مذہب وسیاست کی کوئی تفریق نہیں بلکہ اسلام کا ایک سچا علم بردار اگر مسدج میں زاہد شب بیدار ہے تو میدان میں بہترین مجاہد۔ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون، الذین امنوا وکانوا یتقون۔ لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاخرۃ۔ یہی وجہ ہے کہ سعد بن ربیع کو جن احد میں مسلمانوں نے دم توڑتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کوئی وصیت ہو تو کر دیں۔ چنانچہ آپ نے کہا کہ۔” اللہ کے رسول ﷺ کو میرا اسلام پہنچا دینا اور قوم سے کہنا کہ آپ کی راہ میں جانیں نثار کر دیں“ یہ ایک مومن کی اور اسلام کے سچے

فرزندوں کی شان ہے۔(1)

مولانا فضل احمد صوفی حق گوئی اور بے باکی کو آئین جوانمرداں تصور کرتے تھے اور بلاخوف حق بات کہتے اور حق بات کی تائید کرتے۔ ۱۹۳۵ء میں قائد اعظم کی انگلستان سے وطن واپسی مسلمانوں کیلئے ایک ہمت افزاء شگون تھا کیونکہ مولانا محمد علی جوہر کے انتقال کے بعد مسلمانان ہند کو کوئی ایسی شخصیت افقِ سیاست پر نظر نہیں آتی تھی جو ان کی سیاسی جدوجہد کی صحیح سمت متعین کرے۔ ہر چند علامہ اقبال بھی مسلمانوں میں فکری انقلاب کیلئے جدوجہد کر رہے تھے لیکن ان کو بھی ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو ان کے خوابوں کو حقیقت کا روپ دے سکے۔ چنانچہ قائد اعظم کی ہندوستان واپسی کا مسلمانوں کے ہر طبقے نے خیر مقدم کیا اور آپ کو تعاون کا یقین دلایا۔ ان دنوں قائد اعظم بمبئی میں مقیم تھے اور برصغیر کے مسلمانوں کی نگاہیں اسی جانب لگی ہوئی تھیں۔ مولانا فضل احمد صوفی نے بھی اس مرحلہ پر قائد اعظم کی آواز پر لبیک کہا اور مسلم لیگ کی کھل کر حمایت شروع کر دی اسی دوران مسلم لیگ کی مقبولیت سے گھبرا کر جمعیت علماء ہند کے چند سربرآوردہ افراد نے لکھنؤ میں شیعہ سنی مناقشات کا بازار گرم کر دیا تاکہ مسلمان فرقہ واریت کا شکار ہو جائیں۔ اور مسلم لیگ اپنی تنظیم نو میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس سلسلے میں کچھ رہنماؤں نے مسلم لیگ اور قائد اعظم پر تبرّا شروع کر دیا۔ اور کہا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ تو کرتی ہے لیکن اس نے لکھنؤ کے شیعہ سنی اختلافات کو ختم کرانے کے سلسلہ میں کیوں خاموشی

---

1 قلمی یادداشتیں۔ مملوکہ معین احمد صوفی پیلی بھیت (بھارت)

اختیار کر رکھی ہے۔ مولانا فضل احمد صوفی نے اس موقع پر ٹائمز آف انڈیا میں ایک مضمون لکھا اور بتایا کہ شیعہ سنی اختلافات ختم کرنے کے سلسلہ میں مسلم لیگ نے کیا کردار ادا کیا ہے ۔انہوں نے لکھا کہ ''شاید یہ اعتراض کرنے والے اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ محمد علی جناح نے سب سے پہلے ان اختلافات کو ختم کرانے کے سلسلے میں مسلم لیگ کی خدمات پیش کی تھیں۔ لیکن ان کو نہ معلوم کن وجوہات کی بناء پر قبول نہیں کیا گیا۔ایسی صورت میں مسلم لیگ کی حکمت عملی سوائے خاموشی کے اور کیا کر سکتی تھی کیونکہ ایک سیاسی جماعت کو اس قسم کی فرقہ وارانہ مظاہروں سے دور ہی رہنا چاہئے۔(1)

مولانا فضل احمد صوفی نے مسلم لیگ کی پالیسیوں کو عوام الناس سے روشناس کرانے اور مسلمانوں کو ایک علیحدہ قومیت کا احساس دلانے کیلئے انگریزی اور دونوں زبانوں میں مضامین لکھے۔ آپ کو اپنے مخصوص احساس قومیت کی بناء پر علامہ اقبال، اکبر الٰہ آبادی، مولانا الطاف حسین حالی کی شاعری سے خصوصی طور پر انس تھا۔

آپ کی قلمی یادداشتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے حالی، اکبر اور اقبال کی شاعری کی روح میں پوشیدہ فلسفہ کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ قلمی یادداشتوں میں حالیؔ، اکبر اور اقبالؔ کی شاعری اور ان کا فلسفہ پر بڑے مبسوط مضامین شامل ہیں جن سے مولانا فضل احمد صوفی کی شعر فہمی اور اپنے عہد کے خارجی اور داخلی عوامل کے ادراک کی نشاندہی ہوتی ہے۔ مولانا فضل احمد صوفی کو چونکہ اقبال کا دور ملا تھا اس لئے آپ کی نظر اقبال کے قول و

---

1 ٹائمز آف انڈیا۔ ۲۵ مئی ۱۹۳۹ء

فعل پر زیادہ رہی ہر جگہ اور ہر مقام پر آپ اقبال کو اپنے لئے راہبر اور راہ نما بنا کر آگے بڑھتے ہیں۔ آپ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ بہت سی کتابیں پڑھ کر بھول جانے کے بعد مضمون سے واقفیت پیدا ہوتی ہے ان کتابوں کی مثال عمارت میں بنیاد کی سی ہے جو نظر نہیں آتی۔ لیکن وہی مکان کی اصل پشت پناہ ہوتی ہے۔ مولانا صوفی کے مطبوعہ مضامین کے مطالعہ سے یہ بات وضح ہو جاتی ہے کہ وہ بہت سی کتابیں پڑھنے کے بعد بھول گئے لیکن ان کتابوں کے مندراجات ان کے مضامین میں جھلکتے ہیں۔ علامہ اقبال کی دوسری برسی کے موقع پر ایک مضمون میں آپ نے علامہ اقبال کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شاعری سے ہٹ کر علامہ اقبال کے اندر ایک اعلیٰ سیاست دان اور مدّبر کی صلاحیتیں بھی موجود تھیں۔ جن کا انہوں نے ہندوستان کی سیاست میں اکثر و بیشتر مظاہرہ کیا۔ وہ اپنے عہد کے حالات و وقاقعات سے پوری طرح باخبر تھے یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری اور فلسفہ دونوں اپنے اندر آفاقیت لئے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی آخری عمر میں مسلمانانِ ہند کی فلاح و بہبود کیلئے بہت زیادہ فکر مند رہنے لگے تھے۔ لیکن صحت نے ان کو اتنی مہلت نہ دی کہ وہ کھل کر کسی ایک پلیٹ فارم پر کام کرتے۔(1)

مولانا فضل احمد صوفی نے کانگریسی وزارتوں کی وضع کردہ واردھا اسکیم پر بھی کڑی نکتہ چینی کی اور ٹائمز آف انڈیا میں اس اسکیم کے منفی پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ انہوں نے اپنے مضامین میں واضح طور پر کہا کہ کانگریسی قوم پرستی اور تعصب کا شکار ہے اور جو مسلمان

---

[1] دی پوئٹ آف دی ایسٹ مضمون ایف اے صوفی (پیلی بھیت) مطبوعہ پروگیرس بمبئی ۲،اپریل ۱۹۴۰ء

کانگریس سے اچھائی کی توقعات رکھتے ہیں وہ خوش فہمی کا شکار ہیں۔ ۲۳؍مارچ ۱۹۴۰ء کولاہور
میں قرارداد پاکستان کی منظوری مولانا فضل احمد صوفی کیلئے شدید مسرت کا باعث ہوئی چنانچہ
آپ نے مسلم لیگ کے منصوبۂ وطن کے خدوخال کواپنے مضامین میں اجاگر کیااور قرارداد
لاہور کو جو بعد میں قراردادِ پاکستان کا روپ دھار گئی بین الاقوامی سیاسی اصولوں کی کسوٹی پر
پرکھ کر پیش کیا۔اس سلسہ میں ’’دی پروگریس‘‘ بمبئی میں شائع ہونے والا آپ کا مضمون
’’مسلم لیگ ہوم لینڈ پلان‘‘ بڑی اہمیت رکھتاہے کیونکہ اس مضمون میں مولاناصوفی نے ان
اعتراضات کا بھی شافی جواب دیاہے جولاہور میں قرارداد کی منظوری کے فوراً بعد
ہندوؤں کی جانب سے اٹھائے گئے تھے۔ مولانا فضل احمد صوفی نے لکھاکہ تقسیم ہند کی یہ
اسکیم کب عملی روپ اختیار کرے گی میری گفتگو سے ایک علیحدہ موضوع ہے۔ لیکن یہ اسکیم
کیوں پیش کی گئی اس کے ی محرکات وعوامل کیاہیں یہ بتانا میری ذمہ داری ہے۔ دراصل یہ
سوچ مسلمانوں کی قومی وملی احساس کا ایک صدی قبل سے حصہ ہے لیکن اس کے اعلانیہ
اظہار کاابھی تک کوئی مناسب موقع ہاتھ نہ آیا تھا۔اب جبکہ ۱۹۳۷ء میں کانگریسی وزارتوں
کے قیام کے بعد کانگریسی راج کے صوبوں میں ہندوؤں نے جو رویہ اختیار کیااس نے
مسلمانوں کو مجبور کردیاکہ وہ اپنے حقوق کے سلسلے میں کھل کر کوئی فیصلہ کریں۔ مسلم ثقافت
اور اردو زبان کے سلسلے میں گذشتہ دوڈھائی سال کے دوران کانگریسی وزارتوں نے کوکچھ
بھی کیاوہ مسلمانوں کی دلجوئی کیلئے نہیں بلکہ ان میں نفرت کو پروان چڑھانے کیلئے کیا گیا۔
بندے ماترم اور کانگریس کے جھنڈے کااحترام کروانے والے کیلئے مسلمانوں پر جو مظالم کئے

گئے وہ نا قابل بیان ہیں۔ایسے حالات میں یہ کہنا کہ مسلم لیگ نے سامراج کے اشارے پر تقسیم ہند کا مطالبہ کیا ہے سراسر حماقت ہے بلکہ کانگریس خود اس مطالبہ کی ذمہ دار ہے۔اور اب وہ تقسیم ہند کے اس مطالبہ کو اپنی ہی غلطی تصور کر کے قبول کر لے کیونکہ اپنے عمل سے کانگریس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انصاف، مساوات اور خیر سگالی کے وہ الفاظ جو کہ کانگریس کے رہنما کثرت سے استعمال کرتے ہیں کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ بکہ اپنے مقاصد کا ایک عیارنہ اظہار ہیں۔کانگریس نے ہمیشہ مسلمانوں کی امنگوں اور خواہشات کو نظر انداز کیا ہے اور کانگریس کا یہی رویہ آج قرارداد لاہور کے جلو میں تقسیم ہند کے مطالبہ پر منتج ہوا ہے۔اب ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ کانگریس فوری طور پر مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جمات اور تنظیم تصور کرتے ہوئے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین ایک پر وقار سمجھوت ہ کیلئے راہیں ہموار کرے کیونکہ مسلمان تقسیم ہند کے مطالبہ سے دستبردار نہیں ہوں گے یہ کانگریس رہنمائوں کے تدبّر کا امتحان ہے اور ایسے وقت ضروری ہے کہ کانگریسی رہنما حقیقت کو تسلیم کریں چاہے یہ حقیقت ان کے مقاصد سے ہم آہنگ ہو یا نہیں۔(1)

مولانا فضل احمد صوفی نے ۳۰ دسمبر ۱۹۴۱ء کو ٹائمز آف انڈیا کے ایڈیٹر کو ایک خط ”پاکستان“ کے عنوان سے لکھا جس میں انہوں نے کہا کہ ”کانگریسی رہنما خصوصاً وہ جو مسٹر منشی کے ہم خیال ہیں مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان سے سخت برہم دکھائی دیتے ہیں لیکن برہمی سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان عوامل پر غور کیا جائے جنہوں نے

---

1 مسلم لیگ ہوم لینڈ پلان مضمون فضل احمد صوفی، مطبوعہ ” دی پروگریس“ بمبئی، ۱۴اپریل ۱۹۴۰ء

مسلمانوں کو پاکستان کا مطالبہ کرنے پر مجبور کیا۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ۱۹۳۷ء میں کانگریسی کی جانب سے وزارتیں قبول کرنے سے قبل مسلمانوں نے پاکستان کا مطالبہ کیوں نہیں کی کیا۔ یہ کانگریس کی قوم پرستی اور متعصبانہ ذہنیت ہے جو مطالبہ پاکستان کا باعث ہوئی ہے اوراس حقیقت کو کانگریسی رہنماڈومیسہ نے مرکزی اسمبلی میں دوران تقریر تسلیم کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''دراصل پاکستان کے بانی مسٹر جناح نہیں بلکہ مسٹر گاندھی ہیں جنہوں نے ہر شخص کوایک دوسرے سے جدا کردیاہے۔(1)

۱۹۳۹ء سے لیکر ۱۹۴۷ء تک مولانافضلاحمد صوفی نے تحریکِ پاکستان کے ایک مؤثر وکیل کی حیثیت سے مسلم لیگ کی پالیسیوں پر نہایت ٹھوس مضامین قلمبند کئے اور کانگریس کی فرقہ پرست ذہنیت کی شدید مذمت کی۔اس ضمن میں انہوں نے جمیعت علماءہند کے رہنماؤں اور مولانا ابوالکلام آزاد کو بھی معاف نہیں کیا۔ اور ان کے سیاسی کردار کی خامیوں کی نشاندہی کی۔ آپ کے انگریز مضامین ٹائمز آف انڈیا، دی پروگریس بمبئی، مورننگ اسٹینڈرڈ بمبئی، بمبئی سینٹیل، فری پریس بمبئی جرنل، بمبئی کرانیکل، اسٹار بمبئی، مارننگ ہیرالڈ بمبئی اور نیشنل اسٹینڈرڈ بمبئی میں اور اردو مضامین ہفت روزہ بیدار بمبئی، ہفتہ وار نظام بمبئی، روزنامہ انقلاب بمبئی، ہفت روزہ جمہور بمبئی، روزنامہ اقبال بمبئی، روزنامہ خلافت بمبئی، ہفت روزہ بیداری، مالیگاؤں اور نگار لکھنؤ میں مستقل شائع ہوتے رہے ان مضامین کے اختصار اور تذکرہ کا یہاں موقع نہیں چنانچہ آئندہ کسی موقع پر تحریک پاکستان

---

1 ''پاکستان'' مراسلہ فضل احمد صوفی مطبوعہ ٹائمز آف انڈیا۔ ۳؍دسمبر ۱۹۴۱ء

میں حصہ لینے والے اس قلمکار کی نگارشات کا مفصل بیان کیا جائے گا۔

مولانا فضل احمد صوفی اپنے بردار خورد مولانا حکیم قاری احمد کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئے تھے۔اس لئے دونوں بھائیوں کی عادات ومشاغل میں کسی حد تک مماثلت تھی۔ خود مولانا فضل احمد صوفی نے اس مماثلت کا تذکرہ ماہنامہ نگار لکھنؤ میں ''توام بچے۔نفسیاتی تحقیق'' کے عنوان سے کیا ہے۔آپ لکھتے ہیں کہ ''میں اور میرے بھائی ایک ہی دن کی پیدائش ہیں۔صرف دو گھنٹے کا چھٹاؤ بڑاؤ ہے۔اسی اعتبار سے ہم کو چھوٹا اور بڑا کہا جاتا ہے۔ ہمارے خد وخال ایک دوسرے سے اس قدر مشابہ ہیں کہ بجز قریبی رشتہ عزیزوں کے دوسروں کیلئے ہم میں تفریق کرنا بہت ہی دشوار ہو جاتا ہے گو ہماری عمر اس وقت تیس سال ہے تاہم مشابہت کا یہ عالم ہے کہ اکثر لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے۔ایک مرتبہ ایک صاحب جو چند سال پہلے میرے بھائی کے دہلی میں ہم سبق رہ چکے تھے مجھے بمبئی ہیں دیکھ کر نہایت تپاک سے میری طرف بڑھے اور میرے بھائی کا نام لے کر مجھ کو مخاطب کیا اور فوراً بغلگیر ہو گئے۔میں بڑی مشکل سے ان کو یہ یقین دلانے ہیں کامیاب ہوا کہ میں نہیں بلکہ وہ میرے بھائی ہیں۔جو ان کے ہم سبق رہ چکے ہیں۔اس طرح کے واقعات بارہا ہم دونوں بھائیوں کو پیش آئے ہیں۔ہم دونوں بھائی قد و قامت اور جسمانی ساخت کے اعتبار سے بھی یکساں ہیں۔ ہم نے بارہا اپنا وزن کرایا اور ہمیشہ ایک ہی پایا۔مجھے خوب یاد ہے کہ ہمارے والدین ہم دونوں کو بیک وقت باہر نکلنے سے روکتے تھے انکا خیال تھا کہ کہیں بچوں کو نظر بد نہ ہو جائے۔ ہماری مزاجی کیفیت ایک دوسرے سے اتنی مطابقت رکھتی ہے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی

ہے۔ ہمیں بارہااس کا تجربہ ہوا کہ امراض کے حملے ہم دونوں بھائیوں پر بیک وقت ہوئے ہیں اور مرض کی نوعیت بھی ایک ہی رہی ہے کچھ روز سے میرے ایک حصہ سر کے بال سفید ہونا شروع ہوگئے ہیں دوماہ قبل جب میں اپنے وطن گیا تو مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ میرے بھائی کے سر کے بال بھی اتنے ہی سفید ہو چکے ہیں اور ہماری موجودہ صحت ایک ہی نقطہ پر ہے۔ ادبی ذوق تھوڑا بہت ہم دونوں میں موجود ہے۔ ہمارے عادات و خصایل اتنی یکسانیت رکھتے ہیں کہ لوگوں کو حیرت ہوتی ہے کچھ روز قبل کا ذکر ہے کہ میرے ایک مخلص دوست نے کسی شاعر کا ایک تازہ ترین شعر اپنے مکتوب میں لکھا جو پہلے میری نظر سے نہیں گزرا تھا اور یہ دریافت کیا کہ یہ شعر کس کا ہے۔ میں نے جواب میں لکھ بھیجا کہ یہ شعر غالباً جگر مرادآبادی کا ہے۔ میرے بھائی سے بھی اسی شعر کے متعلق رائے طلب کی گئی انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو میں دے چکا تھا۔ معاشی وسائل کے معاملے میں ہم البتہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں میرے بھائی اپنے وطن میں طبابت کرتے ہیں لیکن میرے نصیب میں اہل فرنت کی ''دریوزہ گری'' آئی ہے۔ اور وہ بھی وطن سے بہت دور۔ ہم دونوں بھائیوں کی شادی ہو چکی ہے اور دونوں ایک ایک بچی کے باپ ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت ہے جو ضرب المثل کی حیثیت سے پیش کی جاسکتی ہے لیکن باوجود اس مطابقت اور نفسیاتی یکسانیت کے یہ کہنا کہ جب اس دنیا سے روانگی کا وقت آئے گا تو ہم ساتھ ہی ساتھ سفر کریں گے۔ بہت دشوار ہے بہر حال اگر ایسا ہوا بھی تو ہم دونوں کا سر تسلیم خم ہے۔''

(1)

مگر مشیت ایزدی میں کس کو دخل ہے مولانا فضل احمد صوفی ۱۹۴۶ء کے اواخر میں بمبئی سے تبادلہ ہو کر کراچی آئے پھر تب دق نے ان کو ایسا دبوچا کہ ۴ دسمبر بروز ہفتہ ۱۹۴۸ء اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی ان کی میت پر آنسو بہاتے رہ گئے۔ خود مولانا حکیم قاری احمد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ پہلے دنیا میں آنے پہلے دنیا سے رخصت ہو گیا اور بعد میں آنے والا آج اٹھائیس برس بعد یہ تذکرہ لکھ رہا ہے۔ دو گھنٹہ کا وہ فرق جو ہم دونوں بھائیوں کی پیدائش میں تھا آج تین دہائیوں پر مشتمل ہے۔ یہ فرق نہیں دراصل لمحہ فراق ہے جو مجھے صدیوں پر محیط نظر آتا ہے۔(2)

مولانا فضل احمد صوفی کو کراچی کے قدیم قبرستان میوہ شاہ میں سپرد خاک کیا گیا آپ نے اپنی یادگار کے طور پر اپنی چند قلمی ڈائریاں اور مطبوعہ مضامین کے چند فائل چھوڑے ہیں۔ آپ کے فرزند جناب معین احمد صوفی پیلی بھیت میں کپڑے کی تجارت کرتے ہیں اور حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے مزار پر باریابی کی سعادت سے دن رات مشرف رہتے ہیں اور راقم الحروف سے اسی قلبی تعلق کا اظہار کرتے ہیں جو ان کے والد ماجد کو اپنے برادر خورد سے تھا۔

چند مطبوعہ اردو مضامین:

---

1 ''توام بچے'' مضمون فضل احمد صوفی مطبوعہ ماہنامہ ''نگار'' لکھنؤ، جون ۱۹۴۶ء

2 مولانا قاری احمد کی یادداشتیں مملوکہ ولی حیدر ذاکر۔ کراچی۔

1. سنت رسول (کتابچہ) ۳۶ صفحات مطبوعہ تحریک احیائے سنت کراچی ۱۹۶۳ء
2. حضرت امام ابو یوسف کی اقتصادی و تمدّنی اصلاحات، مطبوعہ ہفت روزہ جمہور بمبئی ۹؍ ستمبر ۱۹۴۵ء
3. مہدی حسن افادی ایک مایہ ناز انشاء پرداز۔ مطبوعہ ہفت روزہ نظام بمبئی ۱۶؍ دسمبر ۱۹۴۵ء
4. اقبال اور پیامِ امید مطبوعہ ہفتہ وار بیدار بمبئی۔ ۱۵؍ جنوری ۱۹۴۶ء

انگریزی کے چند مطبوعہ مضامین:

1. Muslim Mass Education. "The progress Bombay 11 Feb. , 1940
2. Religion and politics "The progress Bombay 25th Feb, 1940
3. India and democracy "The Progress Bombay", 10 March 1940
4. Few fact about Finland "the Progress Bombay" 17th March 1940
5. University For Sind "The Star Bombay" 9th March 1947

6. Selecting Officials for Pakistan "The Morning Herald Bombay", 17th July 1947.

اردو کے چند غیر مطبوعہ مضامین:

۱۔ حالی کا تجزیاتی مطالعہ۔ ۳۲ فل اسکیپ صفحات پر مشتمل۔

۲۔ اکبر الٰہ آبادی۔ ۳۶ فل اسکیپ صفحات پر مشتمل

اس کے علاوہ ادبی اور سیاسی موضوعات پر متعدد مختصر مضامین۔

مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی:

سلطان الواعظین علیہ الرحمۃ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حکیم قاری احمد پیلی بھیتی اپنے برادر بزرگ مولانا فضل احمد صوفی کے ساتھ ۲۸ء ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ بمطابق ۲۰ء دسمبر ۱۹۱۱ء بروز بدھ اپنے ننہیال گنج مراد آباد میں جڑواں پیدا ہوئے۔ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ نے جو اس موقع پر گنج مراد آباد میں موجود تھے اپنے پیر و مرشد کی نسبت سے فضل محمد نام رکھا اور حلق سے رونے کی بناء پر قاری کہہ کر مخاطب کیا۔ ابتدائی تعلیم جس میں قرآن حکیم کا ناظرہ اور عربی و فارسی کی ابتدائی کتب شامل تھیں مولانا عبد الحئ پیلی بھیتی خلف الرشید مولانا عبد اللطیف سورتی اور ابو المساکین مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی سے

حاصل کی۔ بچپن میں حصول علم کا کوئی شوق نہ تھا اس بناء پر بڑی دیر میں ابتدائی کتب سے فراغت حاصل کی۔ مولانا خود لکھتے ہیں کہ بڑے لاڈ و پیار سے پلے تھے اس لیے بہت شریر تھے۔ سیر و تفریح۔ پڑھنے سے دل چرانا، پتنگ اور گلی ڈنڈے میں سارا سارا دن گزار دینا اچھی طرح یاد ہے۔ والدین نے تو بہت کوشش کی لیکن خود ہی فائدہ نہ اٹھایا۔ اس غلفت و شرارت کو یاد کر کے آج بھی افسوس ہوتا ہے۔ ۱۸ برس کی عمر تک بہت معمولی سی عربی فارسی اور اردو پڑھی۔ آنکھیں اس وقت کھلیں جب والد گرامی مولانا عبدالاحد کا انتقال ہوا''۔ مزید لکھا ہے کہ ۱۹۲۹ء کے آخر میں ایک عرصہ تک ملیریا میں مبتلا رہنے کی وجہ سے مجھے دِق کی سی شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ والد صاحب نے علاج و معالجہ سے مایوس ہو کر حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمۃ کو میری بیماری کی تفصیلات تحریر کیں حضرت پیر صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بچے کو میرے پاس بھیج دیجئے کچھ دن یہاں قیام کے بعد انشاء اللہ صحت ہو جائے گی۔ حضرت پیر صاحب علیہ الرحمۃ نے مجھ پر عنایات کے دروازے کھول دیئے تھے۔ آپ نے اپنے دست مبارک پر مجھے بیعت کیا اور فرمایا کہ قاری غلام محمد صاحب علیہ الرحمۃ سے قرأت سیکھیئے۔ اور مولانا غازی صاحب علیہ الرحمۃ سے اپنی کتابیں پڑھیئے۔ چنانچہ چار ماہ پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر رہنے کے بعد پیلی بھیت لوٹ آیا والد صاحب بواسیر کے دائمی مریض تھے اور ان دنوں مرض میں اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ آپ کی تیمارداری کرنے لگا اور یہ سلسلہ آپ کی وفات تک جاری رہا۔ والد کی وفات کے بعد ذمہ داریوں نے آلیا۔ اپنی کم علمی پر افسوس ہوا اور رامپور پہنچ کر مدرسۂ عالیہ میں داخلہ لیا۔

مولانا افضال الحق سے صرف و نحو کی پھر سے تکمیل کی۔ تلاش معاش میں دہلی پہنچا اور مدرسۂ امینیہ میں داخلہ لے لیا ظہر سے عشاء تک ایک دکان پر ملازمت کرلی۔ یہ سلسلہ کئی ماہ جاری رہا۔ مدرسۂ امینیہ کے شیخ الحدیث مفتی کفایت اللہ نے عقائد کے اختلاف کے باوجود بڑی شفقت کا مظاہرہ کیا۔ دو سال دہلی میں قیام کے دوران دورۂ حدیث کا تکملہ کیا اور پیلی بھیت واپس آگیا۔ ۱۹۳۶ء میں طبیہ کالج لکھنؤ سے حکمت کی سند حاصل کی۔"

مولانا حکیم قاری احمد کی زندگی جہد مسلسل سے تعبیر ہے انہوں نے جہاں اپنی تحریروں میں کم علمی اور کمسنی میں علم سے اپنی بے رغبتی کا ایک سچے انسان کی طرح اعتراف کیا ہے وہاں ان کی تحریروں میں جوئے شیر لانے کا عمل بھی جھلکتا ہے۔ اپنی کوتاہیوں اور خامیوں کا ادراک اور پھر ان کا اعتراف عظمت کی نشانیاں ہیں۔ اور یہ عظمت مولانا حکیم قاری احمد کے یہاں عجز و انکسار کے روپ میں جلوہ گر دکھائی دیتی ہے۔ علماء کی عزت اور بزرگوں کا احترام آپ کا دائمی مشغلہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ میں متقدمین کی سی مزاجی کیفیت پائی جاتی تھی۔ مولانا نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ایک طبیب کی حیثیت سے کیا اور پھر آپ کی شخصیت مختلف خانوں میں بٹتی چلی گئی۔ لیکن طبابت کا سلسلہ تادم آخر جاری رہا۔ مولانا حکیم قاری احمد نے پیلی بھیت واپسی پر حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے اس تبلیغی مشن کی تجدید کی جو سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد کسی حد تک ختم ہو گیا تھا۔ آپ نے پیلی بھیت میں عید میلاد النبی ﷺ کی تقریبات کا بڑے پیمانے پر اہتمام کیا۔ اور ان میں شرکت کیلئے مقتدر علماء کو دعوت دی۔ اہل ندوہ اور غیر مقلدین نے

پورے ملک میں سیرت کمیٹیوں کے نام سے تنظیمیں قائم کیں جن کا مقصد محافل میلاد کو ختم کرنا اور سلام و درود کے سلسلے کو روکنا تھا پیلی بھیت کے سادہ لوح عوام بھی اس دام ہمرنگ کا شکار ہو گئے تھے اور ایک سیرت کمیٹی نے یہاں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ مولانا نے ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۹۳۷ء سیرت کمیٹی کے شائع کردہ لٹریچر کی چند عبارتوں پر علماء اہلسنت سے فتویٰ طلب کیا جس کا جواب مولانا حشمت علی خان لکھنوی نے تفصیلاً دیا اور اس کی تصدیق مولانا نعیم الدین مراد آبادی ابو المساکین مولانا ضیاء الدین اور مولانا عبدالحق پیلی بھیتی نے فرمائی۔ یہ فتویٰ ایک رسالہ کی صورت میں اہل سنت برقی پریس مراد آباد سے طبع ہوا۔(1)

مولانا حکیم قاری احمد کی خانقاہ رضویہ بریولی سے عقیدت کا حال یہ تھا کہ آپ ہر سال اعلیحضرت کے عرس پر تشریف لے جاتے اور تقریر فرماتے۔ اپنی یادداشتوں میں مولانا تقدس علی خان کے تذکرہ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت کے عرس کے موقع پر میرے بعد مولانا حشمت علی خان تقریر کرنے والے تھے چنانچہ میں نے اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے کہا کہ اب مولانا حشمت علی خان آپ سے خطاب فرمائیں گے جن کے سامنے میں مچھر کی بھی حیثیت نہیں رکھتا ہوں۔ مولانا حشمت علی خان نے تقریر کیلئے کھڑے ہوتے ہیں فرمایا کہ قاری صاحب نے خود کو مچھر کہہ کر مجھے نمرود بنا دیا۔ جس پر لوگ بہت ہنسے۔ یہ واقعہ قیام پاکستان کے بعد مولانا تقدس علی خان نے ایک ملاقات میں

---

1 سیرت کمیٹی کے حال و قال مطبوعہ اہل سنت برقی پریس مراد آباد ۱۳۵۶ھ

مولانا کو یاد دلایا تھا جسے بعد میں مولانا نے اپنی یادداشتوں میں قلمبند کر لیا۔ مولانا قاری احمد اپنے والد کی طرح دو قومی نظریہ کے علمبردار تھے۔ چنانچہ ۱۹۳۶ء کے بعد مسلم لیگ کی تنظیم نو میں آپ نے ایک کارکن کی حیثیت سے حصہ لیا اور بہت جلد رو، ہیلکھنڈ خصوصاً پیلی بھیت اور اس کی تحصیلوں میں مسلم لیگ کو ایک مستحکم جماعت کا روپ دے دیا۔ آپ کو شعلہ بیانی اپنے والد سے ورثہ میں ملی تھی چنانچہ مسلم لیگ کے اجلاسوں میں آپ ایک کامیاب مقرر کی حیثیت سے سامنے آئے۔ بریلی، بدایوں، رامپور، شاہجہاں پور وغیرہ میں آپ کی تقاریر کا بہت شہرہ تھا۔ ۱۹۳۸ء میں پیلی بھیت کے سید بشارت علی کی صاحبزادی سیدہ خاتون سے آپ کا عقد ہوا۔ نکاح مولانا فضل حق رحمانی نے پڑھایا تھا۔ ۱۹۳۸ء میں پیلی بھیت سٹی مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔

۱۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو علی گڑھ سے واپسی پر جب قائد اعظم محمد علی جناح بریلی تشریف لائے تو مولانا صدہا کارکنوں کا ایک جلوس لے کر پیلی بھیت سے بریلی پہنچے۔ اور قائد اعظم کے پرجوش استقبال میں حصہ لیا۔ قائد اعظم کی بریلی آمد کی تفصیلات مولانا نے اپنی کتاب تاریخ ہند و پاک میں درج کی ہیں۔(1)

۱۹۳۹ء کے اواخر میں کانگریس کی وزارتوں کے خاتمہ پر مسلمانانِ ہدن نے قائد اعظم کی اپیل پر نہایت جوش و خروش سے یوم نجات منایا اس موقع پر مولانا حکیم قاری احمد نے پیلی بھیت میں مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے جلسہ کیا اور جلوس نکالا۔ جس کے

---

[1] تاریخ ہند و پاک ص: ۳۹۵

نتیجے میں مقامی انتظامیہ نے آپ کو گرفتار کر لیا۔ اس اقدام سے پیلی بھیت کے شہریوں میں اشتعال پھیل گیا۔ اور پورے شہر میں بے چینی اور اضطراب کی ایسی فضا پیدا ہوئی کے تیسرے دن ہی مولانا کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس وقت پیلی بھیت میں مسلم لیگ کے سر کردہ رہنماؤں میں ڈاکٹر عبدالغفور، عظمت حسین وکیل اور فضل الرشید وکیل خاصی شہرت کے حامل تھے۔ ۲۳ء مارچ ۱۹۴۰ء کو قرار دادِ پاکستان کی منظوری کے بعد جب آل انڈیا سنی کانفرنس نے مسلم لیگ کے مؤقف کی تائید کی تو پورے ہندوستان میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو گیا۔ عوام اہلسنّت نے دل کھول کر مسلم لیگ سے تعاون شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلم لیگ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کا روپ دھار گئی۔ پیلی بھیت میں علماء اہلسنّت کا ایک طبقہ جس کی رہنمائی مولانا حشمت علی خان کر رہے تھے مسلم لیگ سے بد ظن تھا۔ لیکن اس کے باوجود ۱۹۴۵ء کے انتخابات کے موقع پر علماء اہلسنت نے مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت کے سلسلہ میں متفقہ فتویٰ دیا تو مخالف علماء نے مسلک میں اختلاف کے خدشہ کے پیش نظر خاموشی اختیار کر لی۔ خصوصاً مولانا حشمت علی خاں مولانا حکیم قاری احمد کی درخواست پر سیاست سے بالکل کنارہ کش ہو گئے۔ پیلی بھیت میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا قیام عمل میں آیا۔ اور شاہ مانا میاں قادری چشتی پیلی بھیتی کو صدر منتخب کیا گیا۔ جبکہ مولانا حکیم قاری احمد کو ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ پیلی بھیت میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا قیام مسلم لیگ کی ایک بڑی کامیابی تھی جس کا تمام تر سہرا مولانا کے سر تھا۔ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس بنارس میں مولانا حکیم قاری احمد نے پیلی بھیت سے ایک قافلہ

کی شکل میں شرکت کی او ء ۱۹۴۷ء میں سنی کانفرنس کا ایک عظیم الشان جلسہ خانقہ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ میں منعقد کیا اس اجلاس میں سنی کانفرنس پیلی بھیت کے انتخابات بھی عمل میں آئے۔ جس میں بھاری اکثریت سے مولانا حکیم قاری احمد کو صدر اور مولانا حبیب احمد قادری کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔(1)

قیام پاکستان کے بعد مولانا حکیم قاری احمد نے پیلی بھیت کے مسلمانوں کی مجموعی حالت کے پیش نظر ترک وطن کا فیصلہ منسوخ کر دیا اور مسلمانوں کو ہندوؤں کی دست برد سے بچانے کی کوششوں میں لگے رہے۔ آپ اپنی یادداشتوں مُں لکھتے ہیں کہ "پاکستان بن تو گیا مگر ہندوستان میں مسلمانوں کی زندگی زبردست خطرے میں پڑ گئی۔ مار پیٹ اور بلوے پہلے سے زیادہ ہونے لگے ہر طرف مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جانے لگا۔ پہلے تو فوج اور پولیس مداخلت بھی کرتی تھی مگر پاکستان بننے کے بعد تو فوج و پولیس کی مدد بھی ہندو بلوائیوں کو حاصل ہو گئی"، "پاکستان چلو" یہ تھا وہ نعرہ جو تقسیم ہند کے بعد ہر طرف سنا جا رہا تھا۔ مسلمان بہت پریشان تھے اپنی جائیداد اور اسباب سب کچھ لٹا کر ہجرت کر رہے تھے اسلئے نہیں کہ ہندوؤں کا خوف غالب تھا اور مرنے سے ڈرتے تھے بلکہ ہندو اکثریت کے مظالم، طعنوں اور تنگ نظری نے پاؤں اکھاڑ دیئے تھے۔ تھوڑے ہی دن بعد گاندھی کے قتل نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور مسلمانوں پر حملے شدید ہو گئے۔ انہی ایام میں مجھے کانپور لکھنؤ، الٰہ آباد جانے کا اتفاق ہوا ہر طرف مسلمان سہمے ہوئے تھے ٹرین میں ہندو مسلم ڈبے علیحدہ ہو گئے

---

1 ہفت روزہ ہمدرد دہلی رپورٹ مطبوعہ ۳۰ جون ۱۹۴۷ء

تھے کوئی مسلمان اگر ہندوؤں کے ڈبے میں چلا جاتا تو اس قدر پریشان کیا جاتا کہ ڈبے سے اترنا پڑتا۔ انہی دنوں برادر بزرگ فضل احمد صوفی کا کراچی سے خط آیا کہ ان کی طبعیت سخت خراب ہے چنانچہ فوری طور پر کراچی آنے کی تیاری شروع کر دی۔ آخر جولائی ۱۹۴۸ء میں بیوی اور بچوں کو لے کر پیلی بھیت سے آگرہ ہوتا ہوا بمبئی پہنچا آگرہ میں ہندو خوانچہ فروش مسلمانوں کو سودا دینے سے منع کر دیتے تھے۔ میں نے ایک خوانچہ والے سے سودا طلب کیا تو کہنے لگا دور ہٹ کر کھڑے ہو ورنہ یہیں قبرستان بن جائے گا۔ بمبئی کے مسافر خانہ میں تین دن قیام کے بعد بذریعہ بحری جہاز کراچی پہنچ گیا۔ مگر صوفی صاحب کی حالت بہت خراب تھی چار ماہ مستقل علاج کے باوجود وہ صحت یاب نہ ہو سکے اور دسمبر ۱۹۴۸ء میں اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے۔

مولانا فضل احمد صوفی کے وصال کے بعد مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیت واپس نہ جاسکے کیونکہ مسلم لیگ سے وابستگی اور قیام پاکستان کیلیئے سر توڑ جدوجہد کی بناء پر پیلی بھیت کے ہندوان کے شدید مخالف ہو گئے تھے۔ یوں بھی پیلی بھیت سے فسادات کی اطلاعات آرہی تھیں۔ پھر مولانا فضل احمد صوفی کے پسماندگان کی نگہداشت کا مسئلہ بھی سامنے تھا۔ اس لئے انہوں نے پاکستان میں ہی مستقل قیام کا فیصلہ کر لیا۔ آبادئی درودیوار اور موروث وجاہتوں کو ترک کر کے اجنبی شہر میں از سر نو زندگی گزارنے کا فیصلہ ہر چند بڑا جانگسل تھا لیکن اسے قبول کرنا پڑا۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی کو ابتداء میں شدید ترین معاشی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا اور تقریباً دو سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد روزگار کا مسئلہ حل

ہوا۔ اس عرصہ میں مولانا نے اشاعت اسوۂ رسول کیلئے قرطاس و قلم کو اپنا لیا۔ اور اسلامی موضوعات پر متعدد بصیرت افروز مضامین تحریر کئے جو روزنامہ جنگ ، روزنامہ انجام، روزنامہ مسلمان اور نئی روشنی میں شائع ہوتے رہے۔ اس دوران آپ کی ملاقات مولانا عبدالحامد بدایونی علیہ الرحمۃ سے ہوگئی اور آپ نے جمیعت علمائے پاکستان کی سرگرمیوں میں پرجوش حصہ لینا شروع کردیا۔

۱۹۴۹ء میں پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں جمیعت کے مبصر کی حیثیت سے شریک ہوئے اور قرار دادِ مقاصد کی تائید کی۔ ۱۹۵۰ء میں کراچی سے نکلنے والے ماہنے ''الاسلام'' کے نائب مدیر مقرر ہوئے اور مذہبی و تاریخی موضوعات پر متعدد مضامین قلمبند کئے۔ ان مضامین کے تراشوں پر مشتمل ایک فائل راقم الحروف کی نظر سے گزری ہے جس میں ''اسلامی عدالتوں کی ایک جھلک''، ''آنحضرت ﷺ کی خطابت و فصاحت''، ''آنحضرت ﷺ کا حلیہ مبارک''، ''اسلام میں طبقاتی جنگ کے پہلے علمبردار حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ''، ''اسلام کا نظامِ صنعت و تجارت''، ''امام ابو یوسف کی اقتصادی اور تمدنی اصلاحات'' کے عنوان سے طویل مطبوعہ مقالے موجود ہیں۔

جمیعت علمائے پاکستان سے وابستگی اور مولانا عبدالحامد بدایونی سے برادرانہ مراسم کی بنیاد پر مولانا حکیم قاری احمد کی سیاسی حیثیت کسی حد تک بحال ہونے لگی لیکن ابھی معاش کا مسئلہ مستقل طور پر حل نہیں ہوا تھا اسلئے آپ نے اپنی رہائش گاہ واقع کھارادر میں ''سورتی دواخانہ'' کے نام سے مطب کا آغاز کیا۔ مگر گوناگوں مصروفیات کی بنا پر طبابت کی طرف

پوری توجہ نہ دے سکے اور تحریر و تقریر کے ذریعے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی تبلیغ میں منہمک رہے۔ ۱۹۵۳ء میں آپ حج بیت اللہ کی سعادت سے سرفراز ہوئے اور ''مشاہدات حرمین'' کے نام سے اپنا سفر نامہ حج تحریر کیا۔ جو کراچی سے شائع ہوا تھا۔ اس سفر نامہ پر مولانا عبدالحامد بدایونی نے اپنی تقریظ میں تحریر فرمایا کہ ''یہ سفر نامہ زائر حرم اور عاشق بارگاہِ رسالت ﷺ کے محض خیالات و مشاہدات کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ یہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، حضرات اہلبیت و ازواج مطہرات ارو حرمین شریفین کے تاریخی حالات اور متبرک مقامات و مقابر و مساجد کی وہ کیفیت بھی پیش کرتا ہے جس سے ہر زائر حرم میں مطالعہ اور مشاہدہ کا شوق بڑھتا ہے۔ سفر نامے میری نظر سے بکثرت گزرے ہیں لیکن حکیم قاری احمد پیلی بھیتی کا یہ سفر نامہ حقیقتاً ایک ایسا مجموعہ ہے جو زائرین و حجاج کیلئے صحیح معنٰی میں مشیر الحج ہو سکتا ہے۔'' (1)

مولانا کے اس سفر نامہ کو عوام و خواص دونوں میں یکساں مقبولیت حاصل ہوئی۔ ہر چند مولانا کی یہ پہلی تصنیف تھی لیکن اظہار و بیان پر بے پناہ قدرت کی بناء پر علمی حلقوں میں اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ اس مرحلہ پر مولانا کو علماء کے ایک حریص گروہ کی جانب سے شدید ترین مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ بظاہر اس کی ایک وجہ مولانا حکیم قاری احمد کی عوام و خواص میں یکساں مقبولیت تھی تو دوسری طرف وہ اعتماد تھا جس کا اظہار مولانا بدایونی علی الاعلان فرمایا کرتے تھے۔ ۱۹۵۳ء میں مولانا عبدالحامد بدایونی نے مولانا قاری احمد کو

---

1 مشاہدات حرمین۔ ص: ۱۳

جمیعت علمائے پاکستان صوبہ سندھ کا نائب صدر مقرر کیا۔اور جمیعت کی تبلیغی کانفرنسوں میں نمایاں حیثیت دی۔ جمیعت علمائے پاکستان کے زیر اہتمام ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو ککری گراؤنڈ میٹھادر (موجودہ جوہر پارک) میں بڑے پیانے پر یوم حسین منایا گیا جس کی صدارت اس وقت کے گورنر جنرل غلام محمد نے کی تھی۔اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے مولانا حکیم قاری احمد نے کہا کہ اگر ہم نے حضرت امام عالی مقام کی سیرت و کردار کو رہنما بنایا تو یقیناً معاونت الٰہی ہمارے ساتھ ہو گی۔اگر حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کا ثبوت دینے کیلئے کچھ کیا جاسکتا ہے تو یہی کہ سیرت حسین، فداکاری حسین، عزم و ثبات حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عظمت اہلبیت کو زیادہ سے زیادہ عام کریں۔ مولانا قاری احمد پیلی بھیتی اپنی تقریر کے آخر میں مولانا عبدالحامد بدایونی اور علامہ رشید ترابی کو اتحاد بین المسلمین کے سلسلے میں گرانقدر مشترکہ خدمات انجام دینے پر مبارکباد پیش کی اور کہا کہ آج یہ عظیم الشان اجتماع اس اتحاد کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ (1)

جمیعت ہی کے زیر اہتمام ۹ نومبر ۱۹۵۴ء کو جہانگیر پارک میں دو روزہ عید میلاد النبی ﷺ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ اگر ہم کتاب و سنت پر عمل کریں تو صدیوں کا کام برسوں میں پورا کر سکتے ہیں۔جمیعت علماء پاکستان جشن عید میلاد النبی ﷺ کا اہتمام صرف اس غرض سے کرتی ہے کہ ملت پاکستان میں اتحاد و یگانگت محبت و رواداری ایثار و خلوص اور حضور آقائے کونین ارواحنا لہ الفداء سے سچی نسبت پیدا ہو۔

---

1 روئیدادِ یومِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مطبوعہ کراچی ۱۹۵۵ء

(1)

مولانا کا یہ اندازِ خطابت علماء کے اس حریص گروہ کیلئے سوہانِ روح بنا ہوا تھا کیونکہ ان کی دکانداری متاثر ہو رہی تھی۔ چنانچہ اس گروہ نے مولانا کے خلاف الزام تراشیاں شروع کر دیں۔ پہلے شیعہ ہونے کا لیبل چسپاں کیا گیا اور پھر دیوبندی قرار دے دیا۔ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے دروازہ سے علم کی خیرات لے جانے والوں کی اولاد نے نبیرہ حضرت محدث سورتی کے مسلک پر قدغن لگائی نفرت و عداوت کا بازار گرم کیا۔ اور ایسے وقت میں جبکہ پاکستان میں مسلک اہل سنت کا بول بالا کرنے کی ضرورت تھی اپنی دکان کو چمکانے کیلئے ایک عالم اہل سنت کا اقتصادی و سماجی مقاطعہ ضروری سمجھا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا حکیم قاری احمد نے مسلک کو اس عداوت و نفرت سے بچانے کیلئے نہ صرف خاموشی اختیار کر لی بلکہ ایک حد تک خود کو سمیٹ لیا۔ اس مرحلہ پر مولانا عبدالحامد بدایونی نے مداخلت کی لیکن مولانا حکیم قاری احمد نے یہ کہہ کر مولانا کو مداخلت سے روک دیا کہ میرا میدان تحریر و تقریر ہے اور میں اس سلسلہ کو تادم مرگ جاری رکھوں گا۔ جو لوگ چندہ اور عطیات پر زندہ ہیں وہ مر جائیں گے میرے لکھے ہوئے لفظ ہمیشہ میری صداقتوں کی گواہی دیتے رہیں گے۔ اور پھر یوں ہوا کہ اختلافات نے دم توڑ دیا۔ اور مولانا حکیم قاری احمد ایک مایہ ناز مصنف کی حیثیت سے خود کو روشناس کراتے چلے گئے۔ فروری ۱۹۵۵ء میں کراچی کے ایک اشاعتی ادارے قرآن محل کے مالک مولوی محمد سعید کی فرمائش پر آپ نے اس ادارہ

---

1 روئیداد جشنِ عید میلاد النبی ﷺ مطبوعہ ۱۹۵۵ء

سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''پیامِ حق'' کی ادارت سنبھال لی۔ اور ع نہایت خاموشی کے ساتھ اس حیثیت سے تادم مرگ کام کرتے رہے۔ مولانا قاری احمد سے جب کوئی پیام حق کی پالیسی اور عقائد کے متعلق سوال کرتا تو آپ بغیر کسی بحث میں الجھے ہوئے فرماتے کہ ''پیٹ کیلئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودیوں کے کھیتوں میں پانی دینے پر مزدوری اختیار کی تھی، میں تو ایک ادنیٰ سا مسلمان ہوں اور بحمد للہ آج بھی اپنے جدامجد کے مسلک پر قائم ہوں۔'' مگر مولانا کی یہ منطق کج فہم اور متشدد افراد کیلئے صرف ایک حیلہ کا درجہ رکھتی تھی جبکہ مولانا نے ''پیام حق'' کے اداریوں اور مضامین میں کھل کر اپنے عقائد کا اظہار کیا۔ اور برملا علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ، اور حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے مسلک کو حق ثابت کیا۔ آپ نے قرآن محل سے وابستگی کے بعد تصانیف کثیرہ قلمبند فرمائیں۔ تصنیف و تالیف کے علاوہ مولانا کاغذی بازار کے علاقہ سورتی دواخانہ کے نام سے پابندی کے ساتھ ۲۵ سال مطب کرتے رہے۔ آپ نے بادامی مسجد میٹھادر، ترک مسجد لی مارکیٹ اور رحمت مسجد بھیم پورہ میں بحیثیت خطیب خدمات انجام دیں۔ کئی سال سے قرآن حکیم کی تفسیر زیر قلم تھی کہ بروز جمعہ تین بجے سہ پہر ۱۳ ھ جمادی الاول ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۴ مئی ۱۹۷۶ء کو حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے۔ اسی دن بعد نماز عشاء سخی حسن کے قبرستان واقع نارتھ ناظم آباد میں سپرد لحد کیا گیا۔ روزنامہ جنگ کراچی، روزنامہ حریت کراچی، روزنامہ ڈان کراچی، روزنامہ مشرق کراچی اور روزنامہ نوائے وقت لاہور نے مولانا کے انتقال کی خبر سیاہ حاشیہ

میں شائع کی اور ان کی علمی خدمات کا اعتراف کیا۔ جناب احمد سعید خاں سعید پیلی بھیتی نے قطعہ تاریخ وفات لکھا

مختصر تاریخ ہے مرحوم کی
کان حکمت مخزن علم و شعور
سال رحلت سے ہے ظاہر مغفرت
قاری احمد کل تھے "اب عبدالغفور"

۱۳۹۶ھ

مولانا شاہ حسین گردیزی نے مولانا کی پہلی برسی پر ایک مضمون میں مولانا کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ "ممتاز عالم دین اور مؤرخ اسلام مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی گذشتہ سال کراچی میں نہایت گمنامی اورع گوشہ نشینی کی زندگی گزارنے کے بعد اس دار فانی سے عالم جاودانی کی سمت کوچ کر گئے۔ مولانا کی تمام زندگی فقہ اور تاریخ کی خدمت میں گزری اور وہ بھی اس انداز سے کہ نہ ستائش کی تمنا کی اور نہ کبھی صلہ کی پرواہ۔ نہایت خاموشی کے ساتھ لکھنے پڑھنے میں مصروف رہے یہی وجہ ہے کہ فقہ و تاریخ جیسے اہم موضعات پر بائیس سے زائد ضخیم مسبوط کتابیں تحریر کرنے اور بیس سال سے زائد ایک رسالہ کی ادارت کی فرائض انجام دینے کے ی بعد ان کی شناسائی چند لوگوں تک محدود رہی اور بیشتر افراد کو گذشتہ سال ان کے انتقال پر اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں سے یہ علم ہوا کہ مولانا تصنیف و تالیف سے بھی شغف رکھتے تھے۔ دراصل یہ مولانا کی اعلیٰ ظرفی اور حصولِ

شہرت سے عدم دلچسپی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے کبھی اپنی استعداد علمی اور معلومات وافرہ کے اظہار و نمائش کی ضرورت محسوس نہیں کی۔" (1)

قیام پاکستان کے بعد مولانا کے جنعلماء و محققین سے دیرنہ مراسم قائم رہے ان میں مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا مفتی محمد عمر نعیمی، مولانا عبدالسلام باندوی، مولانا محمد یعقوب ضیاء القادری بدایونی، مولانا بہزاد لکھنوی، مولانا اطہر نعیمی، مولانا جمیل احمد نعیمی، مولانا تقدس علی خان بریلوی، پروفیسر محمد ایوب قادری، مفتی انتظام اللہ شہابی، جناب محمد علی خاں سب ایڈیٹر روزنامہ حریّت، مولانا عبدالحکیم خطیب ترک مسجد، مولانا امجد العلی رامپوری، حکیم محمد یونس دہلوی، علامہ رشید ترابی، مولانا بشیر احمد نعیمی اور سید ضامن حسین گویا جہان آبادی کے نام سر فہرست ہیں۔

اولاد:

صفیہ قاری ایم اے (تاریخ اسلام) زوجہ سلیم الدین خان۔ زاہدہ قاری بی اے بی ایڈ ۔شاہدہ قاری زوجہ خان صادق حسین خان۔ خالدہ قاری بی اے۔ راشدہ قاری ایم ایس سی زیر تعلیم۔ خواجہ رضی حیدر ایم اے سب ایڈیٹر روزنامہ حریت کراچی۔ وصی حیدر عمار ایف اے زیر تعلیم۔ ولی حیدر ذاکر میٹرک زیر تعلیم۔

تصانیف:

---

1 مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی۔ مضمون شاہ حسین گردیزی، مطبوعہ روزنامہ جنگ کراچی، ۱۸ مئی ۱۹۷۷ء

۱۔	مشاہدات حرمین، مطبوعہ افضل جیلانی اسٹور کاغذی بازار کراچی، ۱۵اکتوبر ۱۹۵۳ء			صفحات ۲۰۸
۲۔	رحمت دو عالم، مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی یکم شعبان ۱۳۷۳ھ			صفحات ۱۷۶
۳۔	حیات مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ، مطبوعہ سعیدی کراچی۔ یکم جولائی ۱۹۵۵ء			٦٨
۴۔	تاریخ اسلام، مطبوعہ قرآن محل کراچی۔ ۱۹۵٦ء			صفحات ۷۵۲
۵۔	کتاب الصلوٰۃ	مطبوعہ قرآن محل کراچی ۱۳۷۹ھ		صفحات ٦۴
٦	کتاب الزکوٰۃ			صفحات ۴۸
۷۔	کتاب الایمان			صفحات ٦۴
۸۔	کتاب الجہاد			صفحات ٦۴
۹۔	کتاب الطہارت			صفحات ٦۴
10 ۔	لغات القرآن	مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی		صفحات ۵۹۲
۱۱۔	تاریخ انبیاء	قرآن محل کراچی	۱۹٦۲	صفحات ۵۱۲
۱۲۔	تاریخ مصطفیٰ ﷺ		۱۹٦۳	صفحات ٦۲۴
۱۳	تاریخ خلفاء راشدین		۱۹٦۵	صفحات ۵۹۲

١۴	تاریخ بنی امیہ		١٩٦٧	صفحات ۴٨٠
15	ناموراصحاب رسول ﷺ	امین برادرس ١٣٨٨ھ		صفحات160
16	داتا گنج بخش لاہوری			صفحات١٧٦
١٧	مخدوم صابر کلیری			صفحات١٦٠
18	صحیح بخاری (ترجمہ)	قرآن محل کراچی		
١٩	اسماءالرجال (ترجمہ)			
20	تاریخ ہندوپاک	قرآن محل کراچی ١٩٧٦ء		صفحات428

اس کے علاوہ مولانا حکیم قاری احمد کی غیر مطبوعہ تصانیف میں تاریخ رو،ہیلکھنڈ، علماء تابعین،۔۔۔ کار محد ثین، قلمدان (تاثراتی مضامین کا مجموعہ) اور قادیانی فتنہ کا ارتداد شامل ہیں جن کے قلمی مسودات آپ کے صاحبزادے ولی حیدر ذاکر کے پاس محفوظ ہیں۔ مولانا نے "پیام حق" کی ادارت کے دوران مذہبی اور تاریخی موضوعات پر مختلف مضامین قلمبند کئے جن کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی سال بسال قلمی ڈائریاں بھی موجود ہیں جن میں مولانا اپنی یادداشتیں قلمبند کیا کرتے تھے۔

برادر خورد

مولانا محمد عبداللطیف سورتی علیہ الرحمۃ:

مولانا محمد عبداللطیف سورتی علیہ الرحمۃ کا شمار پیلی بھیت کے ممتاز علماءِ دین اور رؤسا میں ہوتا تھا۔ آپ حضرت محدث سورتی کے برادر خورد اور ہم درس بھی تھے۔ جیسا کہ زیر نظر تذکرہ کی ابتدا میں تحریر کیا گیا ہے کہ مولانا محمد عبداللطیف سورتی نے تکمیل علم دین کے بعد مسند درس وتدریس کو رونق بخشنے کے بجائے تجارت کی طرف توجہ دی۔ ابتداء میں کپڑے کی تجارت اور بعد میں جنگلات کی ٹھیکیداری شروع کی۔ آپ نے دورۂ حدیث مولانا عبدالحئ لکھنوی فرنگی محلی علیہ الرحمۃ سے پڑھا اور ہمیشہ اس تعلق پر فخر مندر رہے۔ حضرت شاہ رحمٰن گنج مراد آبادی سے آپ کو ارادت کا شرف حاصل تھا۔ جبکہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ، مولانا عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمۃ، مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری علیہ الرحمۃ، مولانا ریاست علی خاں شاہجہاں پوری علیہ الرحمۃ، مولانا شاہ کرامت اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ، مولانا قاضی عبدالوحید عظیم آبادی علیہ الرحمۃ، مولانا خلیل الرحمٰن سہارنپوری علیہ الرحمۃ، مولانا حسن رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ وغیرہ سے آپ کے دیرینہ مراسم تھے۔ آپ نے تحریک ردِ وہابیت اور اصلاح ندوۃ العلماء میں سر گرمی سے حصہ لیا جیسا کہ اس ضمن میں شائع ہونے والے رسائل سے ثابت ہے۔ حضرت محدث سورتی سے بے پناہ محبت فرمایا

کرتے تھے۔ جب کوئی چیز خریدتے تو دو لیتے ایک اپنے گھر رکھتے اور ایک بھائی کے گھر دیتے۔ مولانا حکیم قاری احمد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ بھائی کے احترام کا یہ عالم تھا کہ جب کسی مجلس میں شریک ہوتے تو بھائی کے جوتے اٹھا کر بغل میں دبا لیتے۔ پورے شہر پیلی بھیت میں ان کی محبت اور احترام کا چرچا تھا۔ حضرت محدث سورتی کے وصال کے دن اپنی قبر بھی بھائی کی قبر کے برابر کھدوائی اور اس میں جو بھر کے بند کردیا اور وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسی قبر میں اتارنا کیونکہ آج میں بھی مر گیا ہوں۔ ۵؍ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ کو انتقال کیا اور مجوزہ قبر میں سپرد خاک کئے گئے۔ آپ کی شادی جامع مسجد کے قریب ایک معزز خاندان میں ہوئی۔ آپ کی اہلیہ کا نام رابعہ خاتون تھا۔ بڑی نیک اور پابند صوم و صلوٰۃ خاتون تھیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے شرف بیعت حاصل تھا اور مولانا عبداللطیف کے چھ صاحبزادے تھے جن کے حالات یہ ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ:

مولانا عبداللطیف سورتی کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ ۱۳۲۴ھ میں صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی انصاری کی معیت میں حضرت محدث سورتی سے دورۂ حدیث پڑھا اور مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری علیہ الرحمۃ نے دستار فضیلت باندھی۔ اپنے والد کے ساتھ جنگلات کی ٹھیکیداری کرتے تھے۔ والدہ کے خاندان میں شادی ہوئی تھی۔ عالم جوانی میں اپنے والد کی حیات میں انتقال کیا۔ بیوی کا نام فاطمہ تھا جو تمام عمر اپنے خسر کے گھر رہیں اور وہیں پر وفات پائی۔

مولانا عبدالحئ علیہ الرحمۃ:

مولانا عبدالحئ پیلی بھیتی کے تفصیلی حالات حضرت محدث سورتی کے تلامذہ میں درج ہیں۔ مولانا عبداللطیف سورتی نے آپ کا نام اپنے استاد مولانا عبدالحئ فرنگی محلی کی نسبت سے رکھا تھا۔ تمام عمر علم دین کے فروغ کیلئے جد وجہد کرتے رہے اور حضرت محدث سورتی کے علمی جانشین قرار پائے۔ راقم الحروف کو بیلوں والے قبرستان واقع پیلی بھیت میں آپ کے مزار پر حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے آپ کے سب بڑے فرزند مولوی عبدالعلی اور رابعی میاں عرف چھوٹے بھائی پیلی بھیت میں مقیم ہیں اور کاروبار کرتے ہیں جبکہ عبدالمغنی عرف برکات احمد کراچی میں ہیں۔ آپ کے پوتے عبدالولی بھی پیلی بھیت میں تجارت کرتے ہیں۔ ایک صاحبزادی ساجدہ بیگم کی کانپور میں شادی ہوئی تھی۔ اور وہ کانپور میں مقیم ہیں۔

مولانا حافظ محمد ابراہیم علیہ الرحمۃ:

حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے شاگرد اور اپنے والد کے شریک کار تھے۔ پیلی بھیت کے رؤساء میں شمار ہوتا تھا۔ آج بھی کچہری روڈ پر آپ کا مکان پیلی کوٹھی کے نام سے معروف ہے۔ جس میں آپ کی دو صاحبزادیاں میمونہ خاتون اور توصیفہ خاتون اپنے بھائی جناب محمد اسماعیل کے ساتھ مقیم ہیں۔ آپ کی ایک صاحبزادی صالحہ خاتون کی شادی فارسٹ انجینئر وجاہت اللہ خان کے ہمراہ ہوئی تھی جبکہ دوسری صاحبزادی محمودہ خاتون کی شادی اپنے عم زاد بھائی جناب غلام رضا عرف پیارے میاں سے کانپور میں ہوئی۔ میمونہ خاتون کی

شادی نہیں ہوئی۔آپ نہایت نیک پابند صوم وصلوٰۃ اور فقہ وحدیث پر گہری نظر رکھتی ہیں۔ راقم الحروف کو ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔ پیلی بھیت میں علمی و مذہبی حلقوں میں آپ کو خصوصی شہرت حاصل ہے۔ فاضل بریلوی کے صاحبزادے حضرت مولانا مصطفٰی رضاخان سے بیعت ہیں۔اور ہر وقت مسلک اہلسنت کا دم بھرتی رہتی ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دے۔ جناب محمد اسماعیل نے علی گڑھ سے ایم اے کیا اور پیلی بھیت میں لکڑی کی تجارت کرتے ہیں۔آپ کی شادی اپنی عم زاد بہن صفورا خاتون سے ہوئی ہے۔ حافظ محمد ابراہیم کا ۱۹۵۳ء میں پیلی بھیت میں وصال ہوا۔ مفتیٔ اعظم مولانا مصطفٰی رضاخان بریلوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت محدث سورتی کے مقبرے کے باہر بیلوں والے قبرستان میں سپرد قبر کئے گئے۔

مولانا عبدالحنان علیہ الرحمۃ:

حضرت محدث سورتی اور مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری سے کتب درس نظامی کی تکمیل کی۔نہایت پابند صوم وصلوٰۃ اور باشرع بزرگ تھے۔ چھوٹوں سے انتہائی شفقت اور علماء دین کا احترام آپ کے مزاج کا وصف خاص تھا۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے شرف بیعت حاصل تھا۔ابتداء میں اپنے والد کے ساتھ پیلی بھیت میں جنگلات کی تجارت کی اور جلد نیپال اور بہار تک آپ کا کاروبار پھیل گیا۔ کانپور کے ایک رئیس شیخ عزیز اللہ کی صاحبزادی سے عقد ہوا۔ بعد میں کانپور کی بانس منڈی میں لکڑی کی تجارت شروع کی اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضاخان بریلوی اور مفتیٔ اعظم مولانا مصطفٰی

رضاخان بریلوی سے خصوصی مراسم تھےاور یہ حضرات کانپور میں آپ ہی کی رہائش گاہ پر قیام کرتے تھے۔ مولانا عبدالحنان کا سترہ سال کی عمر میں ۸، فروری ۱۹۷۱ء کو کانپور میں انتقال ہوا۔ تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں جناب غلام رضا عرف پیارے میاں، غلام مصطفیٰ اور غلام مجتبیٰ، سب کانپور میں مقیم ہیں۔اور بانس منڈی میں آبائی تجارت سے وابستہ ہیں۔ جناب غلام رضا عرف پیارے میاں کانپور کے علمی و ادبی حلقوں میں نمایاں شہرت کے حامل ہیں۔اوعرراقم الحروف پر خصوصی شفقت فرماتے ہیں۔

مولانا عبدالسبحان علیہ الرحمۃ:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے برادر بزرگ مولانا عبدالحئ سے حاصل کی۔اور دورۂ حدیث حضرت محدث سورتی سے پڑھا۔نہایت وجیہہ اور سرخ وسفید تھے۔اسی بناء پر لال بھائی کے نام سے مشہور ہوئے۔والد کے انتقال کے بعد کثرت دولت کی وجہ سے خرافات کا شکار ہوئے دیگر افراد خاندان کے مقابلے میں شہر میں اچھی شہرت نہ ہونے کے باوجود لوگ احترام میں کوئی فرق نہ آنے دیتے۔ نہایت سخی۔ حسن اخلاق سے آراستہ اور محبت و شفقت سے معمور طبعیت پائی تھی۔ سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد کی تمام اولادوں سے خصوصی محبت فرماتے تھے۔۱۹۵۷ء میں انتقال فرمایا۔ مفتیٔ اعظم نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور بیلوں والے قبرستان میں سپرد قبر کئے گئے۔راقم الحروف کی آپ کے صاحبزادے عرفان میاں اور صاحبزادی حبیبہ بیگم سے پیلی بھیت میں ملاقات ہوئی حبیبہ بیگم کی کانپور میں جناب محمد زکریا سے شادی ہوئی اور وہ کانپور میں ہی مستقل رہتی ہیں جبکہ عرفان میاں پیلی بھیت میں

اپنی دیگر بہنوں کے ساتھ مقیم ہیں اور تجارت کرتے ہیں۔

مولانا عبدالحمید علیہ الرحمۃ:

مولانا عبدالحمید عرف اچھے بھائی مولانا عبداللطیف سورتی کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ مذہبی امور کے علاوہ انگریزی زبان سے بھی واقفیت حاصل تھی۔ جنگلات کی تجارت ذریعہ معاش تھا۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نے لکھا ہے کہ بڑے محنتی، صوم و صلوۃ کے پابند اور باشرع بزرگ تھے۔ کانپور میں شادی ہوئی دسمبر ۱۹۶۳ء میں انتقال ہوا اور بیلوں والے قبرستان میں سپرد قبر کئے گئے ل۔ تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں یادگار چھوڑی ہیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔ محمد طاہر، محمد قاسم اور محمد طیب۔ صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں حسینہ بیگم، نفیسہ بیگم اور سکینہ بیگم۔ مولانا عبدالحمید نے اپنے صاحبزادوں کے نام اپنے اجداد کی مناسبت سے رکھے تھے۔

راقم الحروف کو ۱۹۷۹ء اکتوبر میں آپ کی اولادوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ محمد قاسم کا انتقال ہو چکا ہے جبکہ محمد طاہر اور محمد طیب پیلی بھیت میں مقیم ہیں۔ آپ کی طبیعتوں میں اسلاف کی سی شرافت نفاست بردباری شفقت اور محبت کی فراوانی ہے۔ راقم الحروف کو پہلی مرتبہ دیکھنے کے باوجود جس محبت اور شفقت کا اظہار فرمایا وہ میرے دل و دماغ کیلئے نشاطِ دوام کا درجہ رکھتی ہے۔ محمد طاہر صاحب جنگلات کی ٹھیکیداری کرتے ہیں۔ جبکہ محمد طیب صاحب اسلامیہ کالج پیلی بھیت میں انگریزی کے پروفیسر ہیں دونوں حضرات مسلک اہل سنت پر نہ صرف خود سختی سے کاربند ہیں بلکہ اس کی اشاعت و ترویج میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے

ہیں۔ محمد طاہر صاحب کی شادی پیلی بھیت کی ای بستی پر یوادیش کے معزز پٹھان عبدالاحد خان کی صاحبزادی رونق جہاں سے ہوئی ہے۔ نہایت بااخلاق اور پر شفقت خاتون ہیں۔ تین بچے ہیں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں۔ لڑکا محمد اقبال طاہر لکھنؤ کے ایک اسکول میں زیر تعلیم ہے محمد طیب کی شادی علی گڑھ کے پروفیسر کی صاحبزادی سے ہوئی ہے جو اعلیٰ تعلیم واخلاق سے بہرہور ہیں۔ حسینہ بیگم کی شادی سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے مولانا فضل احمد صوفی مرحوم سے ہوئی تھی۔ نفیسہ بیگم کی شادی پیلی بھیت کے حاجی فقیر محمد کے فرزند مرحوم حبیب احمد سے ہوئی تھی۔ سکینہ بیگم کی شادی لکھنؤ میں ہوئی ہے۔ حسینہ بیگم اپنے فرزند ارجمند معین احمد صوفی کے ساتھ مخدم طاہر ار محمد طیب کے ہمراہ پیلی بھیت کے محلہ محمد واصل خان میں رہتی ہیں۔

مدرسۃ الحدیث سیلاب کی زد میں

حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ نے تقریباً چالیس سال پیلی بھیت میں درس حدیث دیا۔ مدرسۃ الحدیث میں آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالاحد علیہ الرحمۃ شیخ الحدیث ہوئے اور تقریباً دس سال یہ مدرسہ اسی آن بان سے احادیث رسول ﷺ سے مسلمانوں کے قلوب کو منور کرتا رہا۔ ۱۹۲۴ء میں پیلی بھیت میں شدید سیلاب اور زلزلہ آیا جس میں یہ مدرسہ بھی زمین بوس ہو گیا۔ بعد میں علماء واکابر کے اصرار پر سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد علیہ الرحمۃ نے اس کی از سر نو تعمیر کا بیڑہ اٹھایا اور حصول عطیات کیلئے ایک اپیل مولانا فضل احمد شاہ مانا میاں قادری فضل رحمانی علیہ الرحمۃ کی جانب سے شائع کیا گیا۔ یہ اپیل حضرت محدث سورتی کی حیات وخدمات کے سلسلہ میں ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ حضرت محدث سورتی کی شخصیت کے بہت سے گوشے اس سے سامنے آتے ہیں یہاں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس اپیل کا مکمل متن درج کر دیا جائے تاکہ تمام حقائق کھل کر سامنے آجائیں۔

مدرسۃ الحدیث کی از سر نو تعمیر:

حضرات یہ وہ قدیمی دینی درسگاہ ہے جس میں چالیس سال تک حدیث نبوی کے درس کا دریا لہراتا رہا اور نہایت اہتمام سے اس کے دور کا دورہ جاری رہا۔ یہ اس بانیٔ اعظم کے

چشمۂ فیض کا اثر تھا کہ جس نے احادیث کے برکات سے ایک عالم کو سیراب کیا اور وہ خدمت مذہب وملت فرمائی کہ آج اس کا سکہ عرب سے عجم تک اور شرق سے غرب تک جاری ہے گویا اپنی تمام عمر خدمت دین کیلئے وقف فرمادی۔ یہ وہی درسگاہ ہے جس نے زبردست اکابر علماء تیار کر کے خدمت دین و مذہب کیلئے ہندوستان کی نذر کردیئے یہ علماء آج علم دین کی حمایت وحفاظت میں شب وروز مصروف ومشغول ہیں چند علماء کے اسماء گرامی یہ ہیں: مولانا مفتی عبدالقادر لاہوری، مولانا سید محدث کچھوچھوی، مولانا امجد علی اعظمی صدر مدرس مدرسۂ معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری پروفیسر دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مولانا ظفرالدین بہاری پروفیسر کالج بانکی پور، مولانا محمد رشید، صاحبزادہ مولانا خادم حسین پسر حضرت مولانا سید پیر جماعت لعی شاہ محدث علی پوری، مولانا مصباح الحسن پھپھوندوی، مولانا ضیائ الدین پیلی بھیتی سابق ایڈیٹر تحفۂ حنفیہ پٹنہ، مولانا عبدالحق پیلی بھیتی، مولانا ضیائ الدین مدنی، حکیم حبیب الرحمٰن خان، مولانا عبداللہ پشاوری، مولانا مصباح القیوم اورنگ آبادی ضلع بلند شہر، مولانا سید حسین احمد ہنوڑی ضلع بجنور، مولانا محدم امین چاٹل ضلع الٰہ آباد، مولانا محمد زمان خان مدرس مدرسہ کانپور، مولانا محمد عمر الٰہ آبادی، مولانا قمر علی راولپنڈی، مولانا محمد مسعود سیالکوٹی، مولانا عبدالجلیل ضلع آسام، مولانا عبدالحئی پیلی بھیتی، مولانا حافظ محمد اسماعیل محمود آبادی استاد نواب صاحب ریاست جلال آباد، مولانا ولی الرحمٰن پوکھیروی وغیرہ۔ یہ وہ اجل علماء ہند ہیں جن کی عالم میں دھوم ہے یہ اسی مدرسۃ الحدیث کے تابندہ چاند ہیں جو اپنی تابشوں سے قلوب مومنین کو منور کئے ہوئے ہیں۔ اور جن

کی تربیت اسی مدرسہ کے بانی اعظم حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ کے ذہن فیض اثر سے ہوئی۔ حضرت محدث سورتی کی وہ ذاتِ مبارک تھی جس کی ایک تجلی تو تلامذہ تھے تو دوسری جانب آپ کی وہ تصانیف وتالیفات ہیں جو آج بھی حرمین شریفین وجامع ازہر وبلخ وبخارا تک کی درسگاہوں میں داخل نصاب اور وہاں کے کتب خانوں کی زینت ہیں۔ مثلاً حاشیہ طحاوی، حاشیہ نسائی، حاشیہ شروح اربعہ ترمذی، تعلیق المجلی، برمنیۃ المصلی، حاشیہ مدارک، حاشیہ مقامات حریری، حاشیہ شافعیہ وجامع الشواہد وغیرہم۔ حضرت محدث سورتی کی درسگاہ، ہندوستان میں ایک اسلامی ریاست کی یادگار تھی سوئے اتفاق کے رفتارِ زمانہ سے اس میں کچھ پستی آچلی تھی گو بظاہر اس کی فکر تھی مگر تقدیر نے اپنا زبردست قلم چلایا اور پیلی بھیت میں زلزلہ وسلیاب آیا جس سے شہر میں دیگر نقصانات کے علاوہ یہ غریب مدرسہ بھی اس کی نذر ہو گیا سو اس کی از سر نو تعمیر کا مسئلہ اب درپیش ہے تعمیری کام شروع ہو چکا ہے مگر اب بھی ہنوز باقی ہے۔ صاحبانِ خیر سے درخواست ہے کہ وہ اس کارِ خیر میں حصہ لیں۔

(المعلن :۔(مولانا) فضل الصمد قادری، فضل رحمانی (مانا میاں) خادم مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت)

اس اپیل کے آخر میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے صاحبزادے حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد حامد رضا خان بریلوی کی تقریظ بھی درج ہے جس میں آپ نے لکھا ہے کہ ’’حضرت مولانا سیدنا شاہ محمد وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ العزیز کا نام نامی اور اسم گرامی آسمانِ عالم کا چاند ہو کر چمکا علمی دنیا میں آپ کے کارنامے اپنی تابشوں کے ساتھ چمک

رہے ہیں آپ کی تدریس و تصنیف کی ضیا باریاں آفاقِ عالم کو جگمگا رہی ہیں۔ مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت آپ ہی کا مدرسہ ہے آپ کے عہد برکت عہد میں اس آبشار فیوض و برکات سے علوم و فنون کے پیاسے سیراب ہوتے رہے افسوس اور ہزار افسوس کہ اب وہ سرچشمۂ ہدایت علم کی کساد بازاری اور قوم کی تغافل شعاری کے ہاتھوں ناگفتہ بہ حالت میں ہے۔ برادرانِ اہلسنّت کو اس کی جانب ہاتھ بڑھانا اور حضرت محدّث سورتی قدس سرہ کے فیوض و برکات کو از سر نو زندی کرنا اور ان کی یادگار کو باقی رکھنا اپنا اولین فرض سمجھنا چاہئے۔ فقیر کی دعا ہے کہ مولا تعالٰی اس تحریک کو کامیاب فرمائے اور مدرسۃ الحدیث کو اپنی روایات قدیمہ کے موافق مدرسۃ الحدیث بل جمیع العلوم من القدیم و الحدیث بنائے اور اسے حامیٔ سنت ماحیٔ کفر و بدعت اخینا فی الدین مولانا عبدالاحد سلطان الواعظین کی سعی جمیل و ہمت عظیمہ سے حضرت محدث سورتی قدس سرہ کے فیوض ضاہری و باطنی کے ساتھ سورۃ و معنیٰ تعمیر و تعلیم سے معمور کردے۔ آمین۔

(فقیر: حامد رضا خان قادری رضوی بریلوی، خادم سجادہ و گدائے آستانۂ عالیہ رضویہ بریلی)

تلامذہ

حضرت محدث سورتی نے ایسے دور میں جبکہ بر صغیر کے مسلمانوں کے شفق بار چہرے گردش لیل ونہار کا مرثیہ دکھائی دیتے تھے علم حدیث کے وہ چراغ روشن کئے جن کی تابانی سے آج بھی ظلمت شب کا سینہ بقۂ نور بنا ہوا ہے جس طرح شجرۂ نسب باعث فخر و تمکنت ہے اسی طرح چراغ سے چراغ جلنا بھی وجہۂ قدر و منزلت ہے۔ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ نے علم حدیث کے جو چراغ روشن کئے ان سے اکتساب نور کرنے والی شمعیں آج بھی جہالت کی تاریکی میں فانوس کا درجہ رکھتی ہیں۔ اگر محدث سورتی علیہ الرحمۃ کی علمی اور روحانی رشتوں پر نظر ڈالی جائے تو ذیلی اور بالائی دونوں سمتوں میں علم و عرفان کے دریا موجزن نظر آتے ہیں۔ حضرت سے دورۂ حدیث پڑھنے والوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے لیکن امتدادِ زمانہ اور مؤرخ کی مستقل خاموشی نے گذشتہ سو سال کی کی تاریخ کو کچھ اس طرح دریا برد کر دیا ہے کہ سطح آب پر کوئی نقش ابھرتا ہی نہیں۔ حضرت محدث سورتی کے تلامذہ نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں لیکن ان کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ چند تلامذہ کے حالات اور اسمائے گرامی بعد تلاش و جستجو میسر آسکے ہیں۔ جن کو یہاں درج کیا جا رہا ہے۔

مولانا امجد علی اعظمی انصاری علیہ الرحمۃ:

مولانا امجد علی اعظمی ۱۲۹۶ھ میں یو پی کے ی ضلع اعظم گڑھ کے ی ق ۲ صبہ گھوسی کے محلہ کریم الدینمیں پیدا ہوئے آپ ذات کے انصاری تھی ابتدائی کتب اپنے رشتہ کے بھائی مولوی صدیق سے پرھیں اور پھر انہیں کی ایماء پر مدرسہ حنفیہ جونپور میں داخلہ لیا۔ جہاں مولانا ہدایت اللہ خان رامپوری سے اکتساب فیض کے بعد آپ حجۃ العصر شیخ المحدثین مولانا وصی احمد محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت حاضر ہوئے۔ اور مدرسۃ الحدیث میں دورۂ حدیچ مکمل کر کے ۱۳۲۴ء میں سندِ حدیث حاصل کی۔ اس موقع پر مولانا سلامت اللہ رامپوری نے دستار فضیلت آپ کے زیب سر کی۔ بعد میں محدث سورتیکے ی مشورہ پر لکھنؤ گئے جہاں حکیم عبدالعزیز کے صاحبزادے حکیم عبدالولی جھوانجی ٹولہ سے علم طب حاصل کیا اور مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں درس وتدریس کا آغاز کیا۔ ۱۳۲۷ء میں پٹنہ گئے اورع وہاں پر مطب شروع کیا اس دوران اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان کو مدرسۂ منظر الاسلام بریلی کیلئے ایک مدرس کی ضرورت پیش آئی اور آپ نے اس سلسلہ میں محدث سورتی سے رجوع کیا حضرت محدث سورتی نے مولانا امجد علی کا نام پیش کیا چنانچہ آپ فوری طور پر مطب چھوڑ کر پٹنہ سے بریلی آئے اور درس وتدریس کا آغاز کیا۔ اسی دوران آپ اعلیٰ حضرت کے درست حق پرست پر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ اور خلافت سے

نوازے گئے۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کو صدر الشریعہ کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ ۱۳۴۳ھ میں دارالعلوم معینیہ عثمانیہ کے صدر مدرس کی حیثیت سے اجمیر چلے گئے۔ ۱۳۵۱ھ میں پھر بریلی واپس آگئے اور تین سال قیام کے بعد نواب حاجی غلام محمد خان شیر وانی رئیس ریاست دادوں (علیگڑھ) کی فرمائش پر دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ علی گڑھ میں سات سال تک بحیثیت صدر مدرس درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۳۶۷ھ میں مفتیٔ اعظم مولانا مصطفی رضا خان بریلوی کے ساتھ حرمین شریفین کی زیارت کیلئے بریلی سے روانہ ہوئے بمبئی پہنچ کر پیغام اجل آیا اور ۲، ذی القعدہ ۱۳۶۷ھ بروز دوشنبہ عالم جاودانی کی طرف تشریف لے گئے۔ قرآن حکیم کی آیت کریمہ ان المتقین فی جنت وعیون مادہ تاریخ ہے۔ بہار شریعت کی شہرہ آفاق تصنیف ہے جو سترہ حصوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کے آخر میں آپ نے اپنے استاذ مولانا وصی احمد محدث سورتی کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ تلامذہ میں مولانا سردار احمد لائلپوری، مولانا حشمت علی خاں لکھنوی، مولانا رفاقت حسین مفتی اعظم کانپور، مفتی وقار الدین پیلی بھیتی، مولانا تقدس علی خان، مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری، مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی، مولانا قاری غلام محی الدین پیلی بھیتی، مولانا عبدالعزیز مبارکپوری کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ مزید تفصیلات کیلئے دیکھیں:

باغی ہندوستان، مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور ۱۹۴۷ء

تذکرہ علماء اہلسنت، مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ

سوانح حیات اعلیٰ حضرت مؤلفہ شاہ مانا میاں پیلی بھیتی، مطبوعہ کراچی۔ ۱۳۹۰ھ

مولانا حبیب الرحمٰن خان پیلی بھیتی:

مولانا حبیب الرحمٰن کا شمار پیلی بھیت کے ممتاز علماء میں ہوتا ہے آپ منے علم حدیث حضرت محدث سورتی سے اور علم طب حکیم عبدالرشید جھوائی ٹولہ لکھنؤ سے حاصل کیا۔ مدرسۃ الحدیث سے درس و تدریس کا آغاز کیا اور جلد ہی مدرسین میں نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ فاضل بریلوی سے ارادت و خلافت حاصل تھی۔ پیلی بھیت کے بزرگ حضرت شاہ جی شیر میاں آپ کے ماموں تھے۔ چنانچہ ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۱ء میں آپ نے شاہ جی شیر میاں کے مزار سے متصل ایک مدرسہ قائم کیا جس کا تاریخی نام حافظ پیلی بھیتی نے مدرسہ آستانۂ شیریہ تجویز کیا آپ نہایت ملنسار بااخلاق باوضع اور پورے شہر میں مقبول و محبوب شخصیت تھے۔ آپ کے تلامذہ میں مولانا وقارالدین پیلی بھیتی، مولانا عبدالرشید پیلی بھیتی اور مولانا انوار احمد مدرس مدرسہ بصیریہ پیلی بھیت کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ مولانا حبیب البرحمٰن کا وصال ۱۹۴۳ء میں ہوا اور اپنی ذاتی باغ میں سپرد خاک کئے گئے۔

مولانا سید خادم حسین محدث علی پوری:

مولانا سید خادم حسین ولد پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری تقریباً ۱۲۹۴ھ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم علی پور سیالکوٹ میں حاصل کی حافظ قاری شہاب الدین سے کلام مجید حفظ کیا اور لاہور آکر اورینٹل کالج لاہور سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ بعد میں تحصیل و تکمیل علم کیلئے کانپور پہنچے اور کچھ دن قیام کے بعد حضرت محدث سورتی کی

خدمت میں حاضر ہو کر دورۂ حدیث کی سند حاصل کی آپ نہایت ذہین اور لائق طالب علم تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت محدث سورتی آپ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔منیۃ المصلی کی تدریس کے دوران آپ کی گزارش پر حضرت محدث سورتی نے منیۃ المصلی کی شرح التعلیق المجلی کے نام سے لکھی اور اس کی غرض تصنیف بیان کرتے ہوئے اپنے شاگرد عزیز مولانا سید خادم حسین کی ذہانت کی تعریف کی ہے۔آپ کے ہم درس طلبہ میں مولانا ضیائ الدین مدنی اور مولانا فضل حق رحمانی شامل تھے۔سیرت امیر ملت کے مؤلفین نے مولانا خادم حسین کے ضمن میں محدث سورتی کا تذکرہ نہیں کیا جبکہ مولانا محمود احمد قادری نے تذکرۂ علماء اہلسنّت میں مولانا سید خادم حسین کو حضرت محدث کا شاگرد لکھا ہے مولانا سید کادم حسین نے فراغت علم کے بعد درس وتدریس کو اپنا مشغلہ بنالیا اور مدرسۂ نقشبندیہ علی پور سیداں میں ایک عرصہ تک آپ کا فیض جاری رہا۔آپ کو مطالعہ کا بے پناہ شوق تھا چنانچہ آپ نے نادر اور قیمتی کتب کا ایک قابل قدر ذخیرہ جمع کیا تھا جو بعد میں مدرسہ نقشبندیہ کیلئے وقف کر دیا۔آپ ریل کے ایک حادثہ میں شدید زخمی ہو کر ۲۲؍اکتوبر ۱۹۵۱ء کو اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ (1) آپ کے صاحبزادے مولانا سید نذر حسین شاہ آپ کے علمی جانشین ہیں۔

قاضی خلیل الدین حسن حافظ پیلی بھیتی:

قاضی خلیل الدین حسن حافظ پیلی بھیتی اردو کے نعت گو شعراء میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔آپ ۱۸۶۰ء میں پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ابتدئی تعلیم اپنے والد اور ماموں

1 سیرت امیر ملت ص: ۶۹۰،مؤلفہ سید اختر حسین وپروفیسر طاہر فاروقی،مطبوعہ علی پور سیداں ۱۳۹۴ھ

قاضی ممتاز حسین سے حاصل کی۔ نو عمری سے ہی شعر کہنے لگے تھے۔ حضرت محدث سورتی سے درس نظامی کی ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد دورۂ حدیث پڑھا حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے شرف بیعت حاصل تھا۔ جبکہ فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان، پیر سید جماعت شاہ محدث علی پوری و دیگر علماء سے بڑے دیرینہ مراسم تھے۔ مولانا امیر مینائی اور داغ دہلوی آپ کے نعتیہ اشعار کے ہمیشہ مداح رہے۔ قاضی صاحب کی بعض مذہبی کتابوں پر تقریضات موجود ہیں۔ آپ خود کو خاک پائے حضرت محث سورتی تحریر فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا کلام انیس دوائین پر مشتمل ہے۔ جن میں سے نعت مقبول خدا ۱۳۰۳ھ، نغمۂ روح ۱۳۰۹ھ، خمخانۂ حجاز ۱۳۱۵ھ، آئینہ پیغمبر ۱۳۳۰ھ، بیاض نعت ۱۳۳۳ھ، نغمۂ جگر دوز ۱۳۳۵ھ، لذتِ درد ۱۳۳۸ھ اور غمخانہ خُلد ۱۳۴۰ھ میں نظامی پریس بدایوں اور مطبع حسنی پریس بریلی سے طبع ہو چکے ہیں آپ کا وصال ۹ء دسمبر ۱۹۲۹ء بمطابق ۷ء رجب المرجب ۱۳۴۸ھ کو پیلی بھیت میں ہوا۔

سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمۃ:

مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی ابن مولانا حکیم مولانا نذر اشرف ۱۵ء ذیقعدہ بروز شنبہ ۱۳۱۱ھ بمقام جائس ضلع بریلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد صاحب سے اور درس نظامی کی کچھ کتابیں مدرسۂ نظامیہ فرنگی محل کے اساتذہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی وغیرہ سے پڑھیں۔ علی گڑھ میں مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے شرح تجدید اور افق المبین پڑھ کر سند فراغ حاصل کی پیلی بھیتی میں حضرت محدث سورتی کی خدمت میں حاضر

ہو کر حدیث پڑھی اور سند حاصل کی اور دہلی میں اپنے استاد کے مدرسۃ الحدیث کی ایک شاخ قائم کرکے معلمی کا آغاز کیا۔ اپنے ماموں مولانا شاہ احمد اشرف سے مرید ہو کر تکمیل سلوک کیا اور درجۂ کمال کو پہنچے، نظم و نثر دونوں پر کمال دسترس حاصل تھی۔ مجموعہ کلام ''فرش و عرش'' کے نام سے طبع ہوا اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف فرمائیں۔ فاضل بریلوی سے بھی اجازت حاصل تھی۔ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست مخالف اور تحریک پاکستان کے سرگرم رہنما تھے۔ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس منعقدہ بنارس کے موقع پر کانفرس کے صدر عمومی مقرر کئے گئے۔ اور کانفرنس میں جو خطبہ پیش کیا وہ تحریک پاکستان کی دستاویز میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی نے اپنے استاد حضرت محدث سورتی کا ذکر خیر اپنی تحریروں میں بڑی عقیدت اور احترام کے ساتھ کیا ہے اور ۱۳۷۹ھ ناگپور میں جشن ولادت احمد احمد رضا کے موقع پر اپنے صدارتی خطبہ میں حضرت محدث سورتی کو فنِ حدیث کا امام تحریر فرمایا ہے۔(1)

مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی کا وصال ۷، رجب المرجب ۱۳۸۳ھ بمقام لکھنؤ ہوا۔ کچھوچھہ شریف میں تدفین ہوئی۔ مولانا سید محمد ہمدانی فرزند ثالث جانشین ہیں۔

پروفیسر سلیمان اشرف بہاری:

حضرت محدث سورتی کے تلامذہ میں مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کا ذکر بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ آپ علوم دینی کے ساتھ ساتھ علوم دنیوی پر بھی گہری نگاہ رکھتے

---

1 المیزان بمبئی ص: ۲۴۷، امام احمد رضا نمبر

تھے اور شاید اس کی وجہ علی گڑھ مسلم یونیوسٹی میں آپ کی بحیثیت استاد وابستگی تھی جہاں آپ کو خالصتاً دنیاوی نہج پر سوچنے والے افراد سے سابقہ پڑتا تھا اور آپ ان کی روحانی تشنگی کا ازالہ فرماتے تھے۔ مولانا سید سلیمان اشرف ۱۸۷۸ء میں صوبۂ بہار کے ایک دیہات میر داد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار حکیم سید محمد عبداللہ علیہ الرحمۃ سے حاصل کی جو جامع الصفات شخصیت کے مالک تھے کچھ کتابیں مولانا محمد احسن اتھانوی علیہ الرحمۃ سے پڑھیں اور پھر علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ کے شاگرد مولانا ہدایت اللہ جونپوری علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے جہاں علوم اسلامیہ اور منطق فلسفہ کی تمام کتابیں مکمل کیں اور مولانا جونپوری کے ایماء پر دورۂ حدیث کیلئے حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے پاس پیلی بھیت پہنچے۔ حضرت محدث سورتی آپ کی ذکاوت علمی سے بے پناہ متاثر ہوئے اور نہایت شفقت کے ساتھ آپ کے ساتھ پیش آئے۔ تقریباً پیلی بھیت میں ایک سال قیام کے دوران ہر جمعرات کو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کی خدمت عالیہ میں حاضری کیلئے حضرت محدث سورتی کے ہمراہ بریلی جاتے۔ دورۂ حدیث کی تکمیل پر آپ جب بریلی حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت نے اپنے دستِ مبارک سے آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ مولانا سید سلیمان اشرف کو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سے بے پناہ عشق تھا اور اس عشق کا آپ برملا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ مفاسد ندوۃ العلماء کو عام کرنے اور عوام اہلسنّت کو اس کی تائید سے باز رکھنے کی تحریک میں آپ نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں ہی حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ رجب ۱۳۲۰ھ

بمطابق اکتوبر ۱۹۰۲ء آپ اپنے استاد محدث سورتی کے ہمراہ مجلس علمائے حنفیہ امرتسر کی دعوت پر امرتسر پہنچے اور سنی کانفرنس میں حصہ لے کر مسجد مہر آفتاب امرتسی میں مفاسد ندوۃ پر نہایت عالمانہ تقریر کی۔(1)

مولانا سید سلیمان اشرف نے دورہ حدیث کی تکمیل کے بعد جونپور میں اپنے استاد مولانا ہدایت اللہ جونپوری علیہ الرحمۃ کے مدرسہ سے تدریس کا آغاز کیا اور ۱۹۰۲ء میں مولانا کی رفاقت کے بعد ایم اے او کالج علی گڑھ کے شعبۂ دینیات سے بحیثیت استاد وابستہ ہو گئے علی گڑھ پہنچ کر آپ نے نماز عصر کے بعد درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا جس میں علی گڑھ کے طلباء کے علاوہ مدرسین اور منتظمین بھی کثرت سے شرکت کیا کرتے تھے۔ مولانا سید سلیمان اشرف کی علی گڑھ سے وابستگی بایں معنٰی کرامات اولیاء میں داخل تھیں کیونکہ اس دور پر فتن میں جبکہ ہر طرف سے اسلام پر اور خصوصاً تقلید آئمہ اربعہ پر یلغار ہو رہی تھی اور نام نہاد علماء کا ایک طبقہ مقام مصطفٰی ﷺ کو نعوذ باللہ گھٹانے کی فکر میں صبح و شام مصروف عمل تھا۔ مولانا سید اشرف بلاکم وکاست اور بغیر از مصلحتانہ صرف ان کے خلاف سینہ سپر تھے بلکہ فقہ حنفی کے متصلب پیروکار بھی تھے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا قیام جن افراد کے ہاتھوں عمل میں آیا تھا ان کے عقائد و نظریات سے کون واقف نہیں تھا۔ خود مولانا اس کے بارے میں بڑے واضح نظریات رکھتے تھے اور ان کا برملا اظہار بھی کرتے تھے لیکن آپ کی حرارت ایمانی کے آگے کسی کی کیا مجال کہ حرف آرائی کر سکے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی نے

---

1 رئیداد جلسۂ اہلسنّت ص: ۱۲، مطبوعہ مطبع حنفیہ پٹنہ ۱۳۲۰ھ

گنجہائے گرانمایہ میں مولانا سید سلیمان اشرف کے بارے میں اپنے تاثرات کے ضمن میں تحریک موالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "۱۹۲۱ء کا زمانہ ہے نان کوآپریشن کا سیلاب اپنی پوری طاقت پر بہے گا ئےھ کی قربانی اور موالات پر بڑے بڑے جید اور مستند لوگوں نے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے اور ع اس زمانے کے اخبارات تقاریر تصانیف اور رجحانات کا اب اندازہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کیا سے کیا ہو گیا۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ کیا جا رہا ہے وہی سب کچھ ہے۔ یہی باتیں ٹھیک ہیں ان کے علاوہ کوئی اور بات ٹھیک ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ کالج میں عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی مرحوم (مولانا سید سلمان اشرف) مطعون ہو رہے تھے لیکن چہرے پر کوئی اثر تھا اور نہ معمولات میں کوئی فرق۔ سیلاب گزر گیا جو کچھ ہونے والا تھا وہ بھی ہوا لیکن مرحوم نے اس عہد سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی۔ اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ قائم ہے سارے علماء سیلاب کی زد میں آچکے تھے صرف مرحوم اپنی جگہ پر قائم تھے۔(1)

مولانا سید سلیمان اشرف نے علی گڑھ کی ملازمت کے باوجود اپنے دور کی تمام تحریکوں میں کھل کر حصہ لیا اور پانے مؤقف کا واضح اعلان کیا اور یہی آپ کی شخصیت کا حسن تھا جس کے مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی، نواب محسن الملک اور دیگر افراد ہمیشہ اسیر رہے۔ آپ نے ۱۳۳۹ء میں بریلی کے مقام پر ابوالکلام آزاد سے ترک موالات۔ ذبیحہ گاؤ پر

---

[1] گنجہائے گرانمایہ ص:۲۷، پروفیسر رشید احمد صدیقی مطبوعہ فرینڈز پبلشرز راولپنڈی ۱۹۵۳ء

پابندی اور کانگریس سے الحاق واتحاد کے موضوع پر مناظرہ کر کے ابوالکلام کو تاریخی شکست سے ہمکنار کیا۔(1)

مولانا سید سلیمان اشرف کثیر التصانیف عالم دین تھے لیکن آپ کی جن کتابوں کو شہرت دوام حاصل ہوئی ان میں المبین (عربی فیلالوجی پر تحقیقی مقالہ) النور (دو قومی نظریہ کی وضاحت میں) اور امیر خسرو کی مثنوی ہشت بہشت پر طویل مقدمہ شامل ہے آپ کے تلامذہ میں یوں تو علی گڑھ یونیوسٹی کا ہر طالب علم شامل تھا لیکن ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری، پروفیسر رشید احمد صدیقی، قاری محمد انور صمدانی گجراتی، ڈاکٹر سید عابد علی اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی قابل ذکر ہیں۔ مولانا کا وصال ۲۵ اپریل ۱۹۳۹ء کو ہوا اور علی گڑھ میں ہی تدفین عمل میں آئی۔

مولانا ضیاءالدین مدنی علیہ الرحمۃ:

مولانا ضیاءالدین مدنی ولد شیخ عبدالعزیز اگست ۱۲۹۴ھ بمقام تلاش والا ضلع سیالکوٹ پیدا ہوئے آپ سیدنا عبدالرحمٰن بن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ء کی اولاد میں سے ہیں۔ مولانا ضیاءالدین مدنی کے اجداد میں اپنے وقت کے مشہور عالم دین حضرت مولانا عبدالحکیم بھی شامل ہیں جن کے خیالی اور ع قطبی پر حواشی اہل علم کیلئے سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ مولانا محمود احمد قادری نے لکھا ہے کہ مولانا عبدالحکیم حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی

---

[1] ابوالکلام کی تاریخی شکست کے عنوان پر مولانا محمد جلال الدین قادری کی مفصل کتاب، مکتبہ رضویہ ۲/۲۴، سوڈیوال کالونی ملتان روڈ لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔

کے معاصر تھے اور حضرت شیخ احمد کو ''مجدد الف ثانی'' کا خطاب آپ ہی نے دیا تھا۔(1)

مولانا ضیاء الدین نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں تلاش والا میں مولوی محمود حسین سے حاصل کی اور پھر حصول علم دین کیلئے لاہور پہنچے اور مولانا غلام قادر بھیرونی سے عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ مولانا ضیاء الدین کا بیان ہے کہ میرے والد مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد و نظریات سے متفق ہوگئے تھے۔ اسلئے میں نے زمانہ طالب علمی ہی میں طے کر لیا تھا کہ اب یہاں کبھی اپنے والد سے نہیں ملوں گا۔ چنانچہ میں لاہور سے دہلی آگیا جہاں ایک برس قیام کے بعد حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت پہنچا اور تقریباً چار سال پیلی بھیت میں رہ کر تمام علوم کا تکملہ کیا۔(2)

پیلی بھیت میں آپ کے ہم سبق طلبہ میں پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے صاحبزادے مولانا سید خادم حسین بھی شامل تھے۔ مولانا ضیاء الدین نے پروفیسر شاہ فرید الحق کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی سے میری پہلی ملاقات بھی حضرت محدث سورتی کی وجہ سے ہوئی چونکہ حضرت محدث سورتی سے اعلیٰ حضرت کا خصوصی تعلق تھا چنانچہ میں اپنے استاد کے ہمراہ ہر جمعرات کو بریلی جاتا۔

---

1 تذکرۂ علماء اہلسنّت ص:۱۰۷

2 مولانا ضیاء الدین کے ایک طویل انٹریو سے اقتباس۔ یہ انٹرویو حکیم محمد موسیٰ امر تسری نے ۱۹۷۳ء میں لیا تھا اور ٹیپ کی شکل میں آپ کے پاس لاہور میں موجود ہے۔

اور جمعہ کی نماز پڑھ کر پیلی بھیت لوٹ آتا۔(1)

مولانا ضیاء الدین کا یہ معمول کئی سال تک رہا اسی دوران آپ اعلیٰ حضرت سے بیعت ہوئے۔ پیلی بھیت سے آپ بغداد شریف چلے گئے جہاں نو سال قیام کیا۔اور حضرت شیخ مصطفیٰ اور حضرت شیخ شرف الدین کی خدمت میں حاضر رہ کر سلوک و طریقت کے مختلف مدارج طے کئے ئ۔ ۱۳۲۷ھ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور پھر دیار مدینہ میں ہی مستقل سکونت اختیار کرلی۔اور بحمد للہ اب تک حیات ہیں۔ مولانا حکیم قاری احمد نے ۱۹۵۳ء میں زیارت وحج بیت اللہ کے موقع پر شرف ملاقات حاصل کیا تھا جس کا تذکرہ اپنے سفر نامۂ حج مشاہدات حرمین میں کیا ہے۔(2) مدینہ منورہ میں مولانا ضیاء الدین کی شخصیت منفرد مقام کی حامل اور علماء کیلئے ئ مرکز و مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ عالم اسلام میں آپ کے خلفاء کی تعداد سینکڑوں اور مریدین کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ہے۔

ابوالمساکین مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ:

مولانا ضیاء الدین ولد حسین علی شوال ۱۲۹۰ھ میں تلہر ضلع شاہجہاں پور میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی بعد میں حضرت محدث سورتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دورۂ حدیث کی تکمیل پر دستار فضیلت حاسل کی۔ حضرت محدث سورتی کی ایماء پر تکمیل الطب کالج لکھنؤ سے طب کا امتحان پاس کیا لیکن باقاعدہ کبھی طبابت نہیں کی۔

---

1 مولانا ضیاء الدین انٹرویو شاہ فرید الحق مطبوعہ جنگ آزادی نمبر ترجمان اہلسنّت کراچی۔

2 رئیداد جلسۂ اہلسنّت ص: ۱۲، مطبوعہ مطبع حنفیہ پٹنہ ۱۳۲۰ھ

فاضل بریلوی سے آپ کوارادت وخلافت حاصل تھی اوراستاد ومرشد دونوں آپ کی ذہانت وتبحر علمی کی قدر کرتے تھے۔ مولاناضیاءالدین عملی زندگی میں درس وتدریس کے علاوہمیشہ تصنیف وتالیف میں مصروف رہے اور تصانیف کثیرہ سپرد قلم فرمائیں۔آپ نے ماہنامہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ کی بھی ادارت کے فرائض کئی سال انجام دیئے۔آپ کے مریدین کی ایک بڑی تعداد ہندو پاک کے مختلف بلاد وامصار میں موجود ہے۔ مولانا حکیم قاری احمد نے لھاہے کہ حضرت محدث سورتی کے وصال کے بعد آپ مستقل طور پر پیلی بھیت آگئے تھے اور محدث سورتی صاحب کے مقبرے سے متصل بیلوں والی مسجد میں جمعہ کو خطابت فرماتے رہے دین داری، پابندی شرع اورع مذہبی رکھ رکھاؤ میں آپ کی ذات بڑی نمایاں تھی بلکہ پیلی بھیت میں آپ کی ذات سے شریعت کارعب قائم تھا۔۲۸ء محرم الحرام ۱۳۶۴ء بوقت فجر بحالت نماز روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ مولانا حشمت علی خان لکھنوی نے نماز جناہ پڑھائی اور بہشتیوں والی مسجد سے متصل تدفین عمل میں آئی۔آپ کے خلیفہ مولاناوجہہ الدین پیلی بھیت میں بقید حیات ہیں۔ مولاناضیاءالدین کی چند قابل ذکر کتابیں یہ ہیں۔

ذکر ابرار مجموعہ نعت ومنقبت مطبوعہ مطبع حنفیہ پٹنہ ۱۳۲۵ھ

ضیاءالارشاد مجموعہ نعت ومنقبت مطبع حنفیہ پٹنہ ۱۳۳۰ھ

التحقیق المعلیٰ (سود کی حرمت کابیان) مطبوعہ پیلی بھیت ۱۳۵۸ھ

فرامینِ شریعت مطبوعہ پیلی بھیت ۱۳۶۰ھ

مراتب سیاست (اسلامی سیاست پر قرآن و حدیث کی روشنی میں بحث) مطبوعہ پیلی بھیت ۱۳۶۲ھ

مولانا ظفر الدین بہاری:

مولانا ظفر الدین بہاری ولد مولانا عبد الرزاق ۱۴ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ کو موضع میجرہ ضلع عظیم آباد پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی بعد میں مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں مولانا معین الدینا شرف، مولانا بدر الدین اشرف، اور مولانا معین الدین اظہر سے علوم مروّجہ حاصل کئے۔ ۱۳۲۰ھ میں مدرسہ حنفیہ پٹنہ میں داخلہ لیا جہاں حضرت محدث سورتی بحیثیت شیخ الحدیث مسند درس وتدریس پر جلوہ افروز تھے۔ چنانچہ آپ حضرت محدث سورتی کے درس میں شامل ہوئے اور ۱۳۲۱ھ میں حضرت محدث سورتی کے پیلی بھیت واپس جانے کے بعد آپ مدرسہ حنفیہ سے کانپور پہنچے اور استاذ زمن حضرت مولانا شاہ احمد حسن کانپوری سے منطق کی کتابیں پڑھیں۔ مولانا عبید اللہ الہ آبادی اور مولانا عبد الرزاق کانپوری سے بھی اکتساب علم کیا لیکن حضرت محدث سورتی کی یاد برابر ستاتی رہی چنانچہ کچھ دن بعد پیلی بھیت پہنچے اور مدرسۃ الحدیث میں حضرت محدث سورتی کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث پاک کی سماعت وقرأت کی۔ حضرت محدث سورتی نے آپ کی علمی صلاحیتوں کے پیش نظر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھیج دیا۔ جہاں آپ نے اعلیٰ حضرت کے علاوہ مولانا حکیم محدم امیر اللہ شاہ بریلوی، مولانا حامد حسن رامپوری اور مولانا بشیر احمد علی گڑھی سے بھی اکتساب فیض کیا۔ آپ کو فاضل بریلوی سے ارادت وخلافت حاصل تھی اور

فاضل بریلوی نے آپ کو ”ملک العلماء“ کا خطاب عطا کیا تھا۔ مولانا ظفرالدین بہاری مایہ ناز مدرس اور مصنف تھے۔ اعتقادی اور نظریاتی مسائل کو حل کرنے میں آپ کو کمال بلکہ ملکہ حاصل تھا۔ مولانا ظفرالدین بہاری نے فاضل بریلوی کے افادات پر مبنی ایک رسالہ ”الحرف الحسن فی الکتابة علی الکفن“ مرتّب فرمایا جس پر حضرت محدث سورتی نے اپنی تقریظ میں لکھا کہ میں نے مبارک رسالہ جو علامہ سیدنا مولانا حاجی احمد رضا خانصاحب کی افادات سے ہے مع فتاویٰ مجیب لبیب مولوی ظفرالدین صاحبارک اللہ فی علمہ حرفاً حرفاً دیکھا اور ان کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ اس کو براہین ساطعہ اور دلائل لامعہ سے مشحون صواب مقرون اور وہاو ضعف فی الماخذ سے مصون و مامون پایا۔ جزا ھما اللہ تعالیٰ عنا و عن سائر المسلمین بحرمة خاتم النبیین ﷺ و علیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین و علی من تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین۔ فقط ناصر دین، محمد وصی احمد۔

مولانا ظفرالدین نے حیات اعلیٰ حضرت میں اپنے استاذ مکرم حضرت محدث سورتی کے کئی واقعات بصدر احترام رقم کئے ہیں۔ مولانا حکیم قاری احمد نے لکھا ہے مولانا ظفر الدین ہر سال پیلی بھیت تشریف لاتے اور اپنے استاد کے مزار پر گھنٹوں عالم استغراق میں بیٹھے رہتے تھے۔ مولانا ظفرالدین نے ۷۹ سال کی عمر میں ۱۹ جمادی الآخر ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸ء نومبر ۱۹۶۲ء کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی سمت کوچ اختیار کیا۔ ”فاضل بہار“ سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے آپ کی قابل ذکر تصانیف میں جامع الرضوی شرح صحیح بخاری ۶ جلدیں، حیات اعلیٰ حضرت چار جلدیں، ترجمہ حسان الخیرات۔ اعلیٰ حضرت کی

تصانیف کا مجموعہ اور تنوری الراج فی ذکر المعراج شامل ہیں۔ آپ کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے جبکہ اردو کے ممتاز ادیب و محقق اور علی گڑھ مسلم یونیوسٹی کے سابق صدر شعبہ عربی ڈاکٹر مختار الدین آرزو آپ کے فرزند ہیں۔

حکیم عبدالجبار خان:

حکیم عبدالجبار خان جہاد آزادی ۱۸۵۷ء کے ایک گمنام مجاہد غلام حضرت خان کے بیٹے تھے۔ ۱۶۷۹ء میں پیلی بھیت میں پیدا ہوئے دس برس کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا چنانچہ اپنی والدہ کی ایماء پر حضرت محدث سورتی کی خدمتمیں حاضر ہوئے اور تقریباً دس سال میں تمام علوم و فنون کی تکمیل کر لی۔ جس میں علم طب بھی شامل تھا۔ ۱۸۹۹ء میں حضرت محدث سورعتی نے تکمیل طب کیلئے حکیم واصل خان کے پاس بھیجا جو اس وقت مدرسہ طبیہ کے منتظم اعلیٰ تھے۔ حکیم واسل خان نے جو حضرت محدث سورتی کے علم و فضل کے مداح تھے فوری طور پر مدرسہ میں داخلہ دے دیا۔ لیکن جلد ہی حکیم واصل خاں کا انتقال ہو گیا چنانچہ باقی ماندہ تعلیم کے کے برادر خورد حکیم اجمل خاں سے حاصل کی۔ اور اعلیٰ امتیازی نمبروں سے امتحان طب پاس کیا۔ پیلی بھیت واپس پہنچ کر ابتداً حضرت محدث سورتی کے مطب میں بیٹھنا شروع کیا اور پیلی بھیت کے محلہ خیر اللی شاہ چوک پر مطب کا آغاز کیا۔ اور تقریباً پچاس سال طبابت کا سلسلہ جاری رہا۔ حکیم عبدالجبار خان نہایت زیرک اور فہیم عالم تھے اور طبیب بھی مشہور تھے حکماء کی پیلی بھیت میں اکثریت ہونے کے باوجود آپ کی شخصیت ممتاز تھی۔ آپ سماجی کاموں میں بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ اور تقریباً پچیس

سال پیلی بھیت کے میونسپل کمشنر رہے اور اس عہدے سے اردو ہندی تنازعہ پیدا ہو جانے پر احتجاجاً استعفیٰ دے دیا۔ آپ کو پیلی پھیت کے مسلمانون میں بڑی مقبولیت حاصل تھی اور آپ مسلم لیگ کے سیاسی مؤقف کی تائید کرتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد ہندو آپ کے خلاف سخت نفرت کا اظہار کرتے رہتے تھے چنانچہ ۴ مارچ ۱۹۵۰ء کو ہولی کے موقع پر پیلی بھیت میں ہندو مسلم فساد ہو گیا اور ہندوؤں کے ایک گروہ نے آپ کے مکان پر حملہ کر دیا جس میں آپ شدید زخمی ہوئے مکان کو آگ لگا دی گئی بڑے لڑکے حکیم محمد احمد خان کو بلوہ کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ مگر ہمت نہ ہاری اور دشمن سے مقابلہ کرتے رہے فساد کی آگ سرد پڑنے پر اہل شہر کے مشورہ سے پاکستان ہجرت کی اور ۱۵ مئی ۱۹۵۰ء کو نہایت بے سرو سامانی کے عالم میں لاہور پہنچے۔ لاہور میں مولانا ابوالحسنات مولانا غلام دین اور حکیم محمد حسن قریشی نے آپ سے بھرپور تعاون کیا۔ اور لاہور میں مطب شروع کرا دیا مگر اجل آنکھ لگائے بیٹھی تھی۔ چنانچہ ۲۲ اپریل ۱۹۵۱ء بروز اتوار صبح نو بجے ۷۵ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ گڑھی شاہو کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ علم میراث پر آپ کی ایک وقیع تصنیف زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے آپ کے صاحبزادے حکیم محمد احمد خان صوبہ سرحد کے ی مقام چارسدہ میں طبابت کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا معلومات موصوف نے ہی راقم الحروف کو فراہم کی ہیں۔

مولانا عبدالحق محدث پیلی بھیتی:

مولانا عبدالحق کا شمار حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے لائق شاگردوں میں

ہوتا ہے آپ نے نہایت کم عمری میں حضرت محدث سورتی سے تمام علوم کی تکمیل کی اور مدرسہ حافظیہ جامع مسجد پیلی بھیت میں مدرس مقرر ہوئے۔ پیلی بھیت کی پنجابی سوداگر برادری سے آپ کا تعلق تھا لیکن آپ نے تجارت اور حصول دولت کو اپنا شعار نہیں بنایا بلکہ نہایت سادگی کے ساتھ علم دین کے فروغ میں مشغول رہے عادات واطوار میں اپنے استاد سے مشابہ تھے اور حضرت محدث سورتی کے وصال کے بعد پیلی بھیت شہر میں آپ کو اپنے علمی تبحر کی بناء پر مرکزیت حاصل ہوگئ تھی۔ پیلی بھیت کے نامور بزارگ شاہ لطف اللہ میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے آپ کو خصوصی انس تھا یہی وجہ ہے اکثر و بیشتر آپ ان کے مقبرہ کے اندر اوراد ووظائف میں مشغول پائے جاتے۔اس مقبرہ میں آپ نے شرح ملا علی قاری ے کئی نسخوں سے ایک مستند نسخہ مرتب فرمایا تھا جس کے بعض مقامات پر حضرت محدث سورتی نے حواشی قلمبند فرمائے ہیں یہ قلمی نسخہ مولانا و قارالدین پیلی بھیتی کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اور راقم الحروف نے بھی اس سے استفادہ کیا ہے۔ اعلیٰحضرت عظیم البرکت مولانا عبدالحق کو ''محدث پیلی بھیت'' کے لقب سے یاد فرماتے اور اکثر کہتے کہ مولانا عبدالحق کو دیکھ کر سلف وصالحین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ مولانا عبدالحق کا شمار محدث سورتی کے نہایت عزیز ولائق تلامذہ میں ہوتا ہے آپ تمام عمر درس نظامی کی تدریس میں مصروف رہے۔۔ صرف و نحو د وحدیث پر اچھی مہارت تھی۔ایک عرصہ تک مدرسۃ الحدیث میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے کچھ عرصہ جامع مسجد پیلی بھیت کے مدرسہ میں پھر مدرسہ رحمانیہ پیلی

بھیت اور پھر مدرسہ آستانہ شیریہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ نہایت خلیق و مہربان بزرگ تھے۔ شریعت کی پابندی اور سادگی قابلِ دید تھی۔ بعض اوقات آپ کی سادگی یا یہ عالم تھا کہ پائجامہ کا ایک پائنچہ نیچا دوسرا اونچا۔ پیر میں جوتے مگر دونوں مختلف۔ مگر جہاں عزت کا معیار علم و عمل ہو، وہاں دنیا بے حقیقت ہو جاتی ہے۔ پیلی بھیت کے محلہ پنجابیاں کے آبائی قبرستان میں مدفون ہیں۔ آپ کے ایک صاحبزادے مولوی سراج الحق پیلی بھیت میں تجارت کرتے ہیں۔

مولانا عبد الحق کرگہنوی:

مولانا عبد الحق کرگہنوی ولد حاجی قدرت علی رئیس کرگہنہ ۲۷؍ ذیقعد ۱۲۸۱ھ موضع کرگہنہ پرگنہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ قرآن حکیم اپنے والد سے پڑھا اور عربی فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا سلامت اللہ رامپوری سے پڑھیں۔ جو اس وقت کرگہنہ کے ایک مدرسہ مُں مسندِ درس و تدریس پر فائز تھے۔ حضرت محدث سورتی سے درس حدیث لیا اور ارشاد العلوم رامپور سے دستار بندی کرا کے فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کو فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان سے شرف بیعت حاصل تھا۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نے لکھا ہے کہ آپ کا وصال ۱۸؍ اکتوبر ۱۹۳۶ء مطابق ۲۱؍ رجب ۱۳۵۵ھ کو ہوا۔ حضرت محدث سورتی کے مقبرہ سے متصل قبرستان میں سپرد قبر کیا گیا۔ مولانا احمد رضا خاں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مولانا عبد الحئ پیلی بھیتی:

مولانا عبدالحئ حضرت محدث سورتی کے برادر خورد مولانا عبداللطیف سورتی تلمیذ مولانا عبدالحئ فرنگی محلی کے خلف رشید تھے۔ پیلی بھیت میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور پھر اپنے چچا حضرت وصی احمد محدث سورتی کے مدرسۃ الحدیث میں داخل ہو کر تمام علوم کی تکمیل کی۔ ۱۳۲۴ھ میں دورۂ حدیث کی تکمیل پر سالانہ جلسہ دستار بندی میں حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری نے دستار فضیلت زیب سر کی۔ آپ کے ہم سبق طلبہ میں مولانا امجد علی اعظمی المعروف صدر الشریعہ اور مولانا محمد شفیع بیسلپوری اور آپ کے برادر خورد مولانا عبدالرحمٰن کے نام قابل ذکر ہیں۔ مولانا عبدالحئ کو شرف بیعت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں سے حاصل تھا۔ تمام عمر مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت سے بحیثیت مدرس وابستہ رہے۔ آپ کی علمی لیاقت پر فاضل بریلوی اور حضرت محدث سورتی کو بڑا ناز تھا۔ مدرسۃ الحدیث سے ملحقہ بیلوں والی مسجد میں زمانۂ طالب علمی سے ہی امامت کے فرائض انجام دینے لگے تھے۔ مولانا حکیم قاری احمد نے لکھا ہے کہ مولانا عبدالحئ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ ان کے پیچھے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان نے کئی نمازیں ادا کیں جبکہ حضرت محدث سورتی اور مولانا عبداللطیف سورتی اکثر نمازیں ان کے ہی پیچھے پڑھتے تھے۔ بڑے دیندار اور عبادت گزار بزرگ تھے۔ آپ کی شفقت اور محبت کا پورا شہر دلدادہ تھا۔ ہندو مسلم اتحاد کے سخت مخالف اور مسلم لیگ کے حامی تھے۔ پیلی بھیت میں مسلم لیگ کی ابتدائی تنظیم اور کامیابی میں آپ نے اہم کردار ادا کیا۔ ساٹھ سال سے زئاد عمر میں یکم جون ۱۹۴۰ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔ ابو المساکین مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی نے نماز جنازہ

پڑھائی اور بیلوں والے قبرستان میں اپنے چچا حضرت محدث سورتی کے مقبرہ سے متصل سپرد قبر کئے گئے۔ مولوی عبدالعلی، مولوی عبدالغنی عرف دلو میاں، اور مولوی عبدالمغنی عرف برکات میاں اور رابعی آپ کے صاحبزادوں کے نام ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد دلو میاں اور برکات میاں پاکستان آگئے تھے دلو میاں اپنے ووالد کی طرح صاحب تقویٰ اور صاحب سلسلہ بزرگ تھے اور حیدر آباد میں مقیم تھے۔ ۲۲ اگست بروز جمعہ ۱۹۶۹ء میں انتقال ہوا پرانا قلعہ حیدر آباد کے قریب واقع قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ حیدر آباد اور اندرون سندھ مریدین کی کثیر تعداد موجود ہے۔ برکات میں کراچی میں مقیم ہیں اور ملازمت کرتے ہیں انہوں نے مولانا غلام جیلانی میرٹھی سے سند حدیث حاصل کی ہے۔

مولانا عبدالعزیز خاں محدث بجنوری:

مولانا عبدالعزیز خان ولد مولوی ظفریاب خان ضلع بجنور قصبہ گھنگھور کے رہنے والے تھے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور درس نظامی کی تکمیل مولوی احمد حسن امروہوی سے کی بعد میں حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پہنچے۔ اور صحاح ستہ سے احادیث سنا کر سند حاصل کی۔ حضرت محدث سورتی آپ کی ذہانت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ کو مدرسہ حافظیہ جامع مسجد پیلی بھیت میں بحیثیت مدرس مامور کیا۔ ۱۳۴۰ھ میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کے وصال کے بعد جن کے آپ مرید و خلیفہ تھے، مولانا حامد رضا خان بریلوی نے مدرسۃ منظر الاسلام بریلی طلب کیا جہاں آپ تادم آخر درس وتدریس میں مشغول رہے۔ ۸ جمادی الاوّل ۱۳۶۹ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ مزار انجمنِ

اسلامیہ بریلی کے قبرستان میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

مفتی عبدالقادر لاہوری:

مفتی عبدالقادر لاہوری دورۂ حدیث کی تکمیل حضرت محدث سورتی سے کی تھی جس کا اظہار آپ نے فیض بخش ورفاع عام پریس سے ۱۳۳۰ھ میں شائع ہونے والے حضرت محدث سورتی کے رسالہ جامع الشواہد کی تقریظ میں کیاہے۔ تلاش بسیار کے باوجود آپ کے حالات نہ مل سکے البتہ عقائد کی مختلف کتب پر موجود آپ کی تقریضات سے یہ پتہ چلتاہے کہ آپ مدرسۂ غوثیہ عالیہ مسجد سادھواں لاہور سے بحیثیت مدرس ایک عرصہ تک وابستہ رہے۔ مولانا حکیم قاری احمد نے بھی آپ کو حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کا شاگرد لکھاہے۔امر تسر سے شائع ہونے والے اخبار الفقیہہ میں آپ کے مستقل مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ ۵ مئی ۱۹۱۹ء کے شمارہ میں ''البرحان فی منع الدخان'' کے نام سے آپ کا ایک طویل مضمون شائع ہوا تھا جس میں آپ نے ''ماتھکم عنہ فانتھوہ'' کی تشریح کی ہے۔ اس کے علاوہ ۵ اکتوبر ۱۹۱۹ء کے الفقیہہ میں شراب کی تجارت، طالب علم اور مسافر، کی مسجد میں رہائش اور دیگر مسائل پر فتویٰ شائع ہوئے ہیں۔

مولانا عبدالقدیر میاں پیلی بھیتی:

مولانا عبدالقدیر میاں اپنے وقت کے معروف پیر طریقت حضرت عبدالبصیر میاں کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ ۱۶ رجب المرجب ۱۳۱۰ھ کو تورڈھیر ضلع مردان صوبہ سرحد میں پیدا ہوئے۔ قرآن پاک اپنے جد امجد سید رحیم اللہ میاں سے اور عربی فارسی کی

ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ کچھ عرصہ سنبھل ضلع مراد آباد میں بھی تعلیم حاصل کی دورۂ حدیث کی تکمیل کے لئے مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں حضرت محدث سورتی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اور سند حاصل کی۔ آپ حضرت شاہ جی شیر میاں کے مرید و خلیفہ تھے۔ برصغیر پاک وہند میں آپ کے ہزاروں مرید اور عقیدت مند موجود ہیں۔ ۱۴ محرم الحرام ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۷ مئی ۱۹۶۴ء بروز دوشنبہ آپ کا وصال ہوا اور درگاہ بصیریہ میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالرشید میاں آپ کے خلیفہ و جانشین ہیں اکثر و بیشتر پاکستان تشریف لاتے رہے ہیں۔

مولانا عزیز الحسن علیہ الرحمۃ:

مولانا عزیز الحسن پھپھوندوی ولد عنائت اللہ خاں قصبہ پھپھوند ضلع اوٹاوہ میں پیدا ہوئے مولانا سید اخلاص حسین مودودی سے فارسی کی کل کتابیں اردرس نظامی کی عربی کتب متوسطات پڑھیں۔ مولانا سید مصباح الحسن پھپھوندوی کے ایماء پر دورۂ حدیث کیلئے حضرت محدث سورتی نے چند کتب شروع کرا کے بریلی بھیج دیا جہاں مولانا امجد علی اعظمی انصاری مولانا رحم الٰہی سے تکملہ کر کے سند فراغت حاصل کی۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ سے بیعت و ارادت کا شرف حاصل تھا۔ ۱۲۶۲ھ میں وصال فرمایا اور پھپھوند میں تدفین عمل میں آئی۔

علامہ قاری غلام محی الدین:

علامہ قاری غلا محی الدین کا حضرت محدث سورتی کے آخری تلامذہ میں شمار ہوتا

ہے آپ بیک وقت شیخ الحدیث، شاعر شیریں مقال، واعظ بے مثال اور پیر طریقت ہیں۔ حضرت شاہ محمد شیر میاں پیلی بھیتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے اور نواسے ہوتے ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت حافظ غلام جیلانی خطیب جامع مسجد پیلی بھیت ایک متبحر عالم دین اور حضرت شاہ جی محمد شید میاں کے خلیفہ تھے۔ پیلی بھیت اور گردونواح میں آپ کی شخصیت کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ خصوصاً اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ سے ایک خاص نسبت تھی۔ اور دونوں بزرگوں کے درمیان برادرانہ مراسم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس خاندان کا آج بھی بریلی شریف سے روحانی رشتہ استوار ہے۔ علامہ قاری غلام محی الدین کو پیدائش کے وقت حضرت شاہ جی میاں نے اپنے لعابِ دہن سے نوازا اور دعا دی کہ یہ بچہ قرآنِ حکیم کا ماہر اور متبحر عالم دین ہوگا۔ چنانچہ آپ نے دس سال کی عمر میں حفظ کر لیا اور لکھنؤ کے مدرسۂ فرقانیہ میں داخلہ لے کر قاری محمد نذر علیہ الرحمۃ سے تلمذ حاصل کیا اور نہایت کم عمری میں آپ کا شمار مشاہیر قراء میں ہونے لگا۔ قرأت کی تکمیل کے بعد آپ نے حضرت محدث سورتی کے مدرسۃ الحدیث میں داخلہ لیا۔ حضرت محدث سورتی نے موصوف کو میزان شروع کرا کے اپنے داماد حضرت مولانا محمد شفیع بیسلپوری علیہ الرحمۃ کے سپرد کر دیا اور باقی کتابیں ان سے مکمل کیں۔ دوران تدریس حضرت محدث سورتی آپ پر خصوصی عنایت اور توجہ فرماتے تھے کیونکہ نہایت ذہین اور حصول علم دین کی لگن سے سرشار تھے علامہ قاری غلام محی الدین کا بیان ہے کہ میری بسم اللہ بھی حضرت محدث سورتی نے پڑھائی تھی اس لئے مجھے روز اوّل سے ہی حضرت محدث

سورتی سے تلمذ کا شرف حاصل ہے حضرت محدث سورتی کے وصال سے کچھ قبل آپ خیر آباد چلے گئے جہاں آپ نے مدرسہ نیازیہ میں جامع منقول و معقولات مولانا حکیم محمد بشیر خان علیہ الرحمۃ (مدفون گولرہ شریف راولپنڈی) معقول و منقولات کی کتابیں پڑھیں۔ اور مدرسۂ عالیہ رامپور سے درس نظامی کی سند تکمیل حاصل کی۔ دورۂ حدیث کیلئے بریلی شریف حاضر ہوئے اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ کا شمار بھی آپ کے اساتذہ میں ہوتا ہے کیونکہ دورۂ حدیث کی تکمیل آپ نے ان سے کی۔ علامہ قاری غلام محی الدین کا بیان ہے کہ میں واحد طالب علم تھا جس نے حضرت محدث سورتی سے کتابیں شروع کر کے ان ہی کے شاگرد عزیز مولانا امجد علی سے تکملہ کیا اور دستار فضیلت حاصل کی۔

علامہ قاری غلام محی الدین کو حضرت شاہ جی میاں کے خلفاء سیدنا حافظ انور علی، خلیفہ مقصود عالم خاں رامپوری، قاضی مہربان علی شاہ، اپنے والد ماجد حضرت حافظ غلام جیلانی اور مفتیٔ اعظم ہند علامہ مولانا مصطفٰی رضا خان بریلوی سے اجازت و خلافت حاصل ہے اور پاک و ہند میں آپ کے بے شمار مریدین موجود ہیں۔

علامہ قاری غلام محی الدین نے درس و تدریس کا آغاز اپنے بھائی حکیم حبیب الرحمٰن پیلی بھیتی کے قائم کردہ مدرسۂ آستانِ شیریہ سے کیا اور پھر دادوں ضلع علی گڑھ میں نواب احمد جان کے مدرسہ میں مدرس ہو کر چلے گئے اور برسوں تشنگان علم کی پیاس بجھاتے رہے آپ کے تلامذہ میں مفی مسعود علی قادری مرحوم، مولانا تقدس علی خاں، مولانا

اعجاز ولی خاں، حافظ رشید، قاری حافظ سخاوت حسین، اقبال احمد صدیقی اسسٹنٹ ایڈیٹر روزنامہ جنگ کراچی، نواب اکرم خان شیر وانی، مولانا اعجاز حسین، عبدالشاہد خان شیر وانی، (مصنف باغی ہندوستان) قاری امانت رسول پیلی بھیتی وغیرہم شامل ہیں۔

قاری غلام محی الدین مدظلہ العالی شعبان ۱۳۹۹ھ میں کراچی تشریف لائے تھے اس موقع پر راقم الحروف، جناب محمد یوسف طرب شمسی اور علامہ شاہ حسین گردیزی نے آپ کی یادداشتیں قلمبند کی ہیں جو اہل علم کیلئے یقیناً دلچسپی کا باعث ہوں گی۔ قاری صاحب کا ان دنوں مستقل قیام ہلدوانی ضلع نینی تال میں ہے جہاں آپ نے اشاعت الحق کے نام سے ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کرر کھا ہے اس کے علاوہ آپ پیلی بھیت میں بھی آستانِ شیریہ پیلی بھیت کی دیکھ بھال کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ عربی فارسی اور اردو میں شعر کہتے ہیں آپ کا بیشتر کلام نعتِ رسول مقبول ﷺ اور حمد ومنقبت پر مشتمل ہے۔ نعتیہ اشعار پر مشتمل آپ کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ حال ہی میں آپ نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی مثنوی ”ردِ امثالیہ“ کی مختصر اردو شرح تحریر فرمائی ہے جو ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اشاعت الحق ہلدوانی سے شائع ہوئی ہے۔

حافظ محمد احسن کانپوری علیہ الرحمۃ:

حافظ محمد احسن مولانا احمد حسن کانپوری کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے آپ نے ابتدائی کتب اپنے والد سے پھر اپنے بڑے بھائی مولانا مشتاق احمد کانپوری سے پڑھیں دورۂ حدیث حضرت محدث سورتی سے پڑھا اور تمام عمر چھوٹی عید گاہ نئی سڑک کانپور

میں امام و خطیب رہے۔ مولانا حکیم قاری احمد نے لکھا ہے کہ نہایت سادہ طبیعت پائی تھی۔ درمیانہ قد، سانولا رنگ اور گٹھا ہوا جسم تھا۔ شہرت اور دنیاداری سے کوسوں دور تھے۔ یہی وجہ ہے گمنامی کے عالم میں رہے۔ قیام پاکستان کے ی بعد کانپور میں انتقال ہوا۔ آپ کے صاحبزادے مولانا شبیر احسن کانپور کے مقتدر علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ اور چھوٹی عیدگاہ میں اپنے والد کی جگہ امام و خطیب ہیں۔ مولانا حکیم مومن سجاد کی پوتی، آپ کی اہلیہ ہیں۔ ۱۹۲۲ء میں آپ پاکستان تشریف لائے تھے۔ راقم الحروف پر بے پناہ شفقت فرماتے ہیں۔

مولانا حافظ محمد اسمٰعیل محمود آبادی علیہ الرحمۃ:

مولانا حافظ محمد اسمٰعیل محمود آبادی نہایت سادہ لوح انسان تھے۔ ریاست محمود آباد میں آپ کا خاندان میلاد خان کی حیثیت سے بہت معروف تھا۔ آپ کے والد حافظ محدم علی مولانا سید خواجہ عبدالصمد پھپھوندوی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے اور کوٹھی عثمان پورہ ضلع بارہ بنکی میں پوسٹ ماسٹر تھے۔ حافظ محمد اسمٰعیل نے ابتدائی تعلیم مولانا خواجہ عبدالصمد پھپھوندوی سے حاصل کی۔ اور آپ سے ہی بیعت ہوئے۔ آپ کی آواز پر شعلہ سا لپک جانے کا گمان ہوتا تھا اس قدر محویت کے عالم یں نعتِ رسول مقبول ﷺ سناتے کہ پوری محفل پر وجد طاری ہو جاتا تھا خواجہ عبدالصمد پھپھوندوی علیہ الرحمۃ سے ۱۳۲۳ھ میں وصال کے بعد اپنے پیر زادہ مولانا شاہ سید مصباح الحسن علیہ الرحمۃ کی معیت ہیں حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں تکمیل علوم کیلئے پیلی بھیت حاضر ہوئے۔ اور تقریباً سات سال تک حضرت محدث سورتی سے مختلف علوم و فنون کی تعلیم حاصل کرنے

کے بعد دورۂ حدیث مکمل کیا اور حضرت محدث سورتی کے مشورہ پر محمود آباد میں مدرسہ قائم کیا جہاں آپ طلبہ کو درسِ نظامی کی ابتدائی کتب پڑھاتے تھے۔ مولانا برکات احمد پیلی بھیتی نبیرۂ مولانا عبداللطیف سورتی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ مولانا نہایت نفاست پسند انسان تھے۔ طلبہ سے اولاد کی طرح محبت کرتے تھے اور بڑی دھیمی آواز میں درس دیتے۔ اکثر دوران درس آپ پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ مولانا برکات احمد ۱۹۴۰ء کے اوائل میں مولانا محمود آبادی سے پڑھنے کیلئے محمود آباد گئے تھے اور تقریباً دو سال آپ نے محمود آباد میں قیام کیا۔ حضرت محدث سورتی کی علالت کی خبر سن کر مولانا محمد اسماعیل پیلی بھیت آگئے اور تادم واپسیں مامور بہ خدمت رہے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ بھی آپ پر خصوصی عنایت فرماتے اور آپ کو اجازت و خلافت سے بھی مشرف فرمایا۔ آپ نے اعلیٰ حضرت کے خلیفہ حاجی منشی محمد لعل خان کی کتاب تاریخ وہابیہ پر تقریظ لکھی تھی۔ جو بڑی تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ اما بعد سگ درگاہ قادری محمد اسمٰعیل حنفی چشتی محمود آبادی حضرات اہلسنت کلکتہ کی خدمت میں خصوصاً اور بیرون کلکتہ کی جناب میں عموماً عرض گزار ہے کہ کتاب تاریخ وہابیہ دیوبندیہ مرسلہ و مرتبۂ برادر دینی و یقینی کرم فرمائے احباب عالی جناب مسنی حاجی لعل خان صاحب سنی حنفی رضوی مدراسی مطبوعہ کلیمی پریس مچھوا بازار کلکتہ جس میں ابتداً مناقب امام الائمہ سید التابعین امام الاعظم و ہمام الافخم الاقدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر دیگر حالات مختصراً فرق باطلہ مثل وہابیہ و دیوبندیہ یعنی خوشہ

چینان دھلویہ نیز مجسمہ و معتزلہ ویغفوریہ وحکمیہ وقرامطہ وخارجیہ کے میری نظر سے گزری واقعی حاجی صاحب موصوف نے مسلمان بھائیوں کے ساتھ احسان فرمایا۔جزاہ اللّٰہ تعالیٰ عنی و عن سائر المسلمین خیر الجزاء خیرا۔ یہ لوگ جن پر وہابیہ کا اطلاق کیا گیا فی الحقیقیت مخرب دینِ متین حبیبِ رب العالمین ہیں نہ اس فرقہ کو خدائے تعالیٰ کا خوف نہ رسول اللہ ﷺ کی شرف علمائے اہلسنت نے صدہا بے باکیاں اور گستاخیاں جو بارگاہِ رسالت میں اس فرقہ نے کیں اپنی تصانیف عالیہ میں ظاہر فرمائیں جواحبابِ طالبِ دید ہوں اس تاریخ سے اون کے اسماء ملاحظہ فرماکر مسرور ہوں۔ برادران اسلام مجھے بھی اس فرقہ سے گاہے گاہے اتفاق رہاہے۔اور کبھی مناظرہ ومناقشہ سے ترقی ہوکر دور تک نوبت پہنچی مگر اس فرقہ نے اصلاح نہ حاصل کی اس گروہ کے بعض افراد نے توبہ بھی کی مگر جب اپنے جرگے سے ملے تمسخر واستہزاء ہی کیا اور توبہ سے کنارہ کشی کی۔ برادرانِ ملت نہ ان سے میل جول حلال نہ مصاحبت ٹھیک قرآن کریم کا ارشاد وما ینسینك الشیطٰن فلا تقعد بعد الذ کرٰ مع القوم الظلمین۔پر عمل کرنا ضروری یعنی اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔پر ظاہر کہ اس فرقے سے ظاہر، کون یہ کتاب تاریخ مذکورہ اگر انصاف سے دیکھی جائے ارو پھر محبت واطاعت تعظیم حضور سید عالم ﷺ کا موازنہ ومقابلہ کیا جائے تو فوراً منصف کمر ہمت باندھ کر توبہ انشاء اللہ وہابیت سے کرہی لے گا اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبول خلائق کرکے مسلمانوں کو بدمذہبوں کے شر سے محفوظ و مصوئن رکھے۔ ختم اللہ لنا ولکم بالخیر والحسنی ووفقنا لما یحب ویرضیٰ واحشرنا فی ظلال

حمایات اولیاء المقربین و تحت لوائی سید المرسلین وصلوٰۃ اللہ وسلامہ علیٰ خاتم النبیین محمد والہ واصحابہ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔ محمد اسمٰعیل سنی قادری محمود آبادی۔ ۴جمادی الثانی ۵ ۳ھ

مولانا محمد اسمٰعیل محمود آبادی نے ۱۳۷۱ھ محمود آباد میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

مولانا محمد شفیع بیسلپوری:

مولانا محمد شفیع بیسلپوری ولد مولانا فضل احمد ماہ شعبان ۱۳۰۱ھ بمقام بیسلپور ضلع پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ آپ فاتح رو ہیلکھنڈ حافظ رحمت خان کے سپہ سالار عبدالرشید خان کی اولاد سے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ علم حدیث حضرت محدث سورتی سے حاصل کیا۔ آپ فہم وفراست اور علم و عمل کا مجسم پیکر تھے۔ اور ہمہ وقت استاد کی خدمت میں رہ کر کسب فیض کرتے رہتے۔ حضرت محدث سورتی نے اپنی صاحبزادی محترمہ حلیم النساء آپ کے نکاح میں دے دیں۔ فاضل بریلوی ایک مرتبہ پیلی بھیت تشریف لائے تو آپ کی نگاہ انتخاب مولانا محمد م شفیع پر پڑی چنانچہ آپ کو ہمراہ بریلی لے گئے اور فتاویٰ نویسی و کتب خانہ کی نگرانی پر مقرر کیا بعد میں آپ فاضل بریلوی کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور اعلیٰ حضرت نے آپ کو خلافت عطا کی اور ''امین الفتاویٰ'' کا خطاب دیا۔ علامہ اقبال احمد فاروقی نے ''الاستمداد'' کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اپنے جن شاگردوں اور مریدوں کو بے پناہ اعتماد میں لیا ان میں مولانا محمد م شفیع سرفہرست تھے۔ آپ نے نہایت کم عمری میں ۲۴، رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ بروز جمعہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ مزار

قصبہ بیسلپوری میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ نے متعدد علمی و فقہی موضوعات پر مسبوط مضامین تحریر فرمائے۔ جو تحفۂ حنفیہ پٹنہ اور الفقیہہ امرتسر میں پابندی سے شائع ہوتے تھے لیکن ان رسائل کی مکمل فائل دستیاب نہ ہونے کی بناء پر مضامین کی صحیح تعداد کا اندازہ نہیں ہوسکا۔ البتہ ۱۵ صفر ۱۳۴۳ھ کے الفقیہہ میں آپ کا ایک مضمون سنی مسلمانوں کو غیر مقلد بنانے کی فکر راقم الحروف کے مطالعہ میں آیا جس میں مولانا محمد شفیع نے مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولوی خلیل احمد سہارنپوری کی بعض تحریروں پر قرآن و حدیث کی روشنی میں بحث کرتے ہوئے غیر مقلدین کی وکالت کرنے والوں کو بھی خارج اہل سنت قرار دیا ہے۔ مولانا محمد شفیع کا ایک قلمی نعتیہ دیوان اور مجموعہ فتاویٰ آپ کی علمی یادگار ہیں۔

مولانا مشتاق احمد کانپوری:

مولانا مشتاق احمد کانپوری ۱۲۹۵ھ میں سہارنپور میں پیدا ہوئے جہاں ان دنوں آپ کے والد مولانا احمد حسن کانپوری مظاہر العلوم میں مسند درس وتدریس پر متمکن تھے۔ آپ نے اپنے والد ماجد سے قرآن شریف کا ناظرہ کیا اور تقریباً ۱۲ سال کی عمر میں حفظ کیا۔ بعد میں اپنے والد کے شاگرد رشید مولانا شاہ محمد عبید اللہ پنجابی سے درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور دورۂ حدیث کیلئے اپنے خالو حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت پہنچے اور تحصیل و تکمیل علوم متداولہ و متعارفہ کیاں۔ آپ نہایت لائق و فائق تھے اور زمانۂ طالب علمی ہی میں آپ کی وفرات کا شہرہ عام ہوگیا تھا۔ مولانا مشتاق احمد نے معلمی کی ابتداء اپنے والد کے مدرسے دار العلوم مسجد رنگینیاں کانپور سے کی بعد میں مدرسہ صولتیہ مکہ

معظمہ میں بحیثیت مدرس پندرہ سال درس دیا۔ دارالعلوم معینیہ اجمیر شریف، جامعہ شمس العلوم بدایوں، مدرسہ عالیہ کلکتہ، جامعہ شمس الہدیٰ پٹنہ، اور مدرسہ اسلامی میرٹھ میں بھی آپ نے بحیثیت صدر مدرس پرنسپل، شیخ الحدیث اور شیخ التفسیر خدمات انجام دیں۔ آپ اپنے والد سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت تھے لیکن فاضل بریلوی سے حددرجہ عقیدت رکھتے تھے ار ہر سال فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضری کیلئے بریلی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مولانا مشتاق احمد علوم معقول و منقول کی تدریس میں اپنے والد کی مثل تھے۔ اور تمام زندگی تشنگان علوم اسلامی کی پیاس بجھانے میں گزار دی۔ آپ نے ۲۴، مئی ۱۹۲۵ء کو انجمن حزب الاحناف لاہور کے سالانہ جلسۂ دستار بندی میں شرکت فرمائی تھی۔ اس جلسہ کی صدارت مولانا سید دیدار علی محدث الوری نے کی تھی جبکہ فاضل بریلوی کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں بھی جلسہ میں شریک تھے۔ مولانا مشتاق احمد اس وقت مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں مدرس تھے۔ اور امام معقولات و منقولات کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ مولانا مشتاق احمد کے شاگردوں میں مولانا عمیم الاحسان صدر مدرس مدرسہ عالیہ ڈھاکہ مولانا عبدالحامد بدایونی، اور مولانا بذل الرحمٰن نے نمایاں قومی و ملی خدمات انجام دیں مولانا بذل الرحمٰن نے اپنے استاد کے نام پر ایک مدرسہ کسٹا جنکشن ضلع رنگپور سابق مشرقی پاکستان میں قائم کیا جو اچھی حیثیت میں چل رہا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد مولانا مشتاق احمد کے اہل خانہ نے مولانا کا کتب خانہ جو کئی ہزار کتابوں پر مشتمل تھا اسی مدرسہ کو دے دیا تھا مولانا حکیم قاری احمد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ مولانا مشتاق احمد نے دو شادیاں کیں پہلی بیوی

سے دو فرزند حافظ امداد احمد ارو حکیم مختار احمد تھے دونوں صاحبزادوں نے علم دین حاصل کیا مگر تجارت میں لگ گئتئے جس کی بناء پر علمی شہرت حاصل نہ ہو سکی۔ البتہ خاندانی سلسلہ کو جاری رکھااور حافظ امداد احمد ہر سال مسجد نیر نگیاں میں قرآن شریف سنایا کرتے تھے۔ آپ کی آواز نہایت پر سوز تھی جس کی بناء پر اکثر سامعین پر رقت طاری ہو جایا کرتی تھی۔ حکیم مختار احمد کو سیاست سے لگاؤ تھا چنانچہ آپ نے مولانا حسرت موہانی کے ہمراہ کانپور میں مسلم لیگ کی تنظیم نو کیلیئے بری خدمات انجام دیں۔ مولانا مشتاق احمد آخر عمر میں زیدہ تر کلکتہ میں مقیم رہے جہاں آپ مدرسہ عالیہ کے پرنسپل تھے لیکن عیدین پڑھانے کانپور تشریف لاتے تھے۔ ۲۹، رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ بمطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۱ء کانپور میں عید کا چاند دیکھ کر اعتکاف سے اٹھ کر گھر پہنچے ارو اسی شب روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ کے بڑے صاحبزادے حافظ امداد احمد نے ۴، صفر ۱۳۸۴ھ بمطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۱ء کو بمقام کانپور داعی اجل کو لبیک کہا۔ حکیم مختار احمد دامت برکاتہم عالیہ بفضل تعالیٰ بقید حیات ہیں اور کلکتہ میں برتنوں کی تجارت کرتے ہیں۔ مولانا مشتاق احمد کے بارے میں بیشتر معلومات حکیم مختار احمد نے مولانا حکیم قاری احمد کو ایک مفصل خط میں بہم پہنچائی تھیں۔ یہ خط مولانا قاری احمد کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔

مولانا مصباح الحسن پھپھوندوی علیہ الرحمۃ:

آپ حضرت خواجہ عبدالصمد پھپھوندوی علیہ الرحمۃ کے فرزند ارجمند تھے۔ ۷ جمادی الاوّل ۱۳۰۴ھ بمقام پھپھوند ضلع اٹاوہ میں پیدا ہوئے قرآن حکیم خواجہ اخلاق حسین

ابن مولانا الطاف حسین حالی سے ختم کیا۔ جو خواجہ عبد الصمد کے مرید صادق تھے ھ۔ ابتدائی کتب درسیہ مولانا امیر حسن سہسوانی، مفتی محمد ابراہیم مولانا شاہ اخلاق حسین مولانا حکیم مومن سجاد اور علامہ محمد ہدایت اللہ خان رامپوری سے پڑھیں۔ ۱۳۲۶ھ میں حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی سے دورۂ حدیث مکمل کیا۔ اور صحاح ستہ کی سند حاصل کی۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ مولانا برکات احمد پیلی بھیتی کا بیان ہے کہ مولانا کو تمام علوم و فنون پر قدرت حاصل تھی۔ آپ گفتگو کرتے تو اس طرح محسوس ہوتا جیسے علم کا دریا مؤجزن ہو۔ حضرت محدث سورتی کے اخلاق اور سادگی کا اکثر تذکرہ فرماتے اور کہتے کہ دین کی خدمت کرنے کیلئے حضعرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کا عمل اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ نمود و نمائش سب دین سے محبت کرنے کی علامات ہیں۔ علم کے حصول اور علم کے فروغ کیلئے سادگی اور پاکبازی سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔

مولانا شاہ مصباح الحسن پھپھوندوی کو قومی سیاست سے بھی بحیثیت ایک حساس عالمِ دین دل چسپی تھی۔ چناں چہ برصغیر میں انگریزی اقتدار کے خلاف ہر تحریک کا آپ نے بغور جائزلیا اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانانِ ہند کی فلاح و بہبود کے لیے مسلمانوں کی ایک علیحدہ ریاست کا قیام ضروری ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے مولانا نعیم الدین مراد آبادی اور مولانا عبد الحامد بدایونی کی معیت می قیامِ پاکستان کے لیے کی جانے والی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ نے پاکستان کی حمایت میں ۱۱ /فروری/۱۹۴۶ء بمطابق ۸ ربیع الاول ۱۳۶۵ء کو پھپوند ضلع اٹاوہ میں سنی کانفرنس طلب کی اور اپنے خطبۂ استقبالیہ میں ایک مثالی اسلامی

ریاست کے قیام پر دلائل پیش کیے۔ آپ کا یہ خطبۂ استقبالیہ ایک تاریخ دستاویز رکھتا ہے، جس سے آپ کی سیاستی بصیرت اور قومی معاملات کے فہم کا پتہ چلتا ہے۔[1]

سنی کانفرنس پھپھوندی کی صدارت حضرت مولانا ابوالحامد سید محمد محدث کچھوچھوی نے کی جبکہ کانفرنس سے مولانا نعیم الدین مراد آبادی، مولانا عبدالحامد بدایونی اور دیگر علمانے خطاب کیا۔

مولانا مصباح الحسن پھپھوندوی عربی فارسی اور اردو میں شعر بھی کہتے تھے۔ کلام میں سوز و گداز، سلاست و روانی اور فکر کی بلندی پائی جاتی ہے۔ علامہ محمود احمد قادری نے آپ کا تذکرہ ''فرید عصر مولانا سید مصباح الحسن'' کے نام سے مرتب کیا۔ آخر عمر میں فالج کا حملہ ہوا اور دو سال تک صاحبِ فراش رہنے کے بعد ۱۱/ رمضان المبارک ۱۳۴۸ھ کو وصال فرمایا۔ ''مرشد جان جہان جنت رسید'' سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ مولانا حامد رضا خان بریلوی اور مولانا نعیم الدین مراد آبادی سے آپ کے خصوصی مراسم تھے۔

مولانا نثار احمد کانپوری

مولانا نثار احمد کانپوری ۱۸۸۰ء بمطابق ۱۲۹۷ھ بمقام کانپور پیدا ہوئے۔ آپ استاد زمن مولانا احمد حسن کانپوری کے چھوٹے صاحبزادے اور مولانا مشتاق احمد کانپوری کے برادرِ خورد تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں

---

[1] خطباتِ سنی کانفرنس، ص ۲۴۵، محمد جلال الدین قادری، مکتبہ رضویہ، گجرات ۱۹۷۸ء۔

مولانا شاہ عبداللہ کانپوری، مولانا عبدالرزاق کانپوری اور مولانا محمد عدلی مونگری سے پڑھیں اور دورۂ حدیث کے لیے اپنے خالو حضرت محدث سورتی کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا۔ آپ نہایت خوش الحان حافظِ قرآن، سحر البیان، مفسر و مقرر، متبحر عالم و مناظر اور درد مند قومی رہنما تھے۔ آپ کو شرفِ بیعت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں سے حاصل تھا۔ اور اپنے پیرو مرشد سے عقیدت درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ مولانا نثار احمد کانپوری نے ۱۹۰۰ء میں ہندوستان کی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور بہت جلد پورے ہندوستان میں آپ کی شہرت عام ہوگئی۔ آپ انگریزوں کے شدید مخالف اور ہندوستان میں سلطنت اسلامی کے احیا کے زبردست داعی تھے۔ ۱۹۰۶ء میں حامیِ سنت نواب سر سلیم اللہ خان تلمیذ مولانا احمد حسن کانپوری نے جب مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی جماعت مسلم لیگ کے قیام کے سلسلے میں ہندوستان کے قومی رہنماؤں کو ڈھاکہ انے کی دعوت دی تو آپ نے بھی بحیثیت مبصر اس اجلاس میں شرکت کی۔ مولانا نثار احمد کی ہندوستان گیر قومی سیاست کا آغاز اس مقام سے ہوتا ہے جبکہ ۱۹۱۳ء میں مسجد مچھلی بازار کانپور کے سانحے پر آپ کی شہر کو دوام حاصل ہوا۔ اس تحریک کے ہراول دستہ میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا آزاد سبحانی، مولانا عبدالماجد بدایونی، بیرسٹر مظہر الحق اور مولانا نثار احمد کانپوری شامل تھے۔ اس سانحہ کی مذمت میں مولانا نثار احمد کانپوری نے کانپور کے اطراف و کناف میں اپنی سحر بیانی سے آگ سی لگادی تھی اور مسلمانوں کے قافلے مسجد کے انہدام کو روکنے کے سلسلے میں جوق در جوق کانپور پہنچ رہے تھے۔ بزرگ صحافی سردار احمد صابری نے لکھاہے کہ مولانا نثار احمد کانپوری

مشہور سیاسی رہنما اور بہت ہی پر جوش خطیب تھے۔ جس شہر میں آپ کی تقریر ہوتی تھی اسے سننے کے لیے قرب وجوار کے علاقوں سے بکثرت لوگ آیا کرتے تھے قرآن مجید پر سیر حاصل عبور تھا۔ بات بات پر قرآن مجید کی آیات استدلال میں پیش کرتے تھے۔[1] سردار احمد صابری نے اپنے مضمون میں مولانا نثار احمد سے متعلق تقریباً تمام یادداشتیں قلم بند کر دی ہیں۔ ہر چند بعض مقامات پر واقعاتی تضاد و اغلاط موجود ہیں لیکن اس کے باوجود یہ مضمون ایک وقیع حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مجھے مولانا نثار احمد کی زیارت کا شرف پہلی مرتبہ ۱۹۱۱ء یا ۱۹۱۲ء میں حاصل ہوا۔ اس زمانے میں کانپور مسلمانوں اور عیسائیوں کے مناظرے کا اہم مرکز بنا ہوا تھا۔ خاص کر پادری احمد شاہ کی سرگرمیوں نے جارحانہ شکل اختیار کر لی تھی۔ مدرسۃ الٰہیات کے وسیع احاطے میں عام مناظروں سے برعکس علمی نوعیت کا ایک مناظرہ عیسائی مشنریوں سے ہوا تھا۔ مسلمانوں کی جانب سے مچھلی بازار کے ہیرو مولانا آزاد سبحانی اور مولانا نثار احمد نے حصہ لیا تھا۔ میں اپنے خالو مولانا عبدالرزاق کانپوری مصنف برامکہ کے ہمراہ مناظرہ دیکھنے گیا۔ نوعمری کی وجہ سے سمجھ تو کچھ نہ آیا لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ مولانا سبحانی کی تقریر ایک ٹھہرے ہوئے دریا کی سی تھی جبکہ مولانا نثار احمد کی تقریر کا انداز ایک طوفانی سمندر کی طرح تھا۔

مولانا نثار احمد نے جنگ طرابلس کے موقع پر بھی بڑی جرأت اور گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔ طرابلس کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ دوسری جنگ بلقان کے شعلے بھڑک

---

1 مولانا نثار احمد کانپوری مضمون سردار احمد صابری مطبوعہ روزنامہ جنگ کراچی، ۱۲/ مئی ۱۹۷۶ء۔

اٹھے۔ چناں چہ مولانا کانپوری کا جوش و خروش اور بڑھ گیا۔ آپ نے علمائے فرنگی محل کے تعاون اور اشتراک سے ترکوں کی امداد کے لیے بڑی تندہی سے کام کیا۔ اس سلسلے میں علمائے فرنگی کے تعاون اور اشتراک سے ترکوں کی امداد کے لیے بڑی تندہی سے کام کیا۔ اس سلسلے میں علمائے فرنگی محل نے لکھنؤ میں ایک جلسہ منعقد کیا جس سے مولانا نثار احمد کانپوری نے خطاب کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ اگر برطانیہ نے ترکوں کو یورپ سے نکالنے کی کوشش کی۔ تو اس مسلمانانِ ہند کی وفاداری سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

مولانا نثار احمد کانپوری اور مولانا محمد علی جوہر کے درمیان تعلقات کا آغاز ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کے قیام کے موقع پر ہوا۔ اور پھر ان تعلقات کو ایسا استحکام حاصل ہوا کہ مرتے دم تک ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ مولانا محمد علی کی ۱۹۱۹ء میں رہائی کے بعد مولانا نثار احمد کانپوری نے کانپور کی رہائش ترک کر کے آگرے کو اپنا مستقر بنالیا اور آگرے کے مفتی مقرر ہوئے۔ اس زمانے میں خلافت اور عدم تعاون کی تحریک اپنے پورے شباب پر تھی۔ پورے ملک میں جلسے ہو رہے تھے۔ مولانا حکیم قاری احمد نے لکھا ہے کہ مولانا نثار احمد کانپوری کا بریلی سے رشتہ اس قدر مستحکم تھا کہ ترکِ موالات کی حمایت کے باوجود آپ خانقاہِ رضویہ بریلی کی حاضری سے نہیں کے۔[1] فاضل بریلوی کے خلیفہ اور حضرت محدث سورتی کے صاحبزادے سلطان الواعظین مولانا عبد الاحد قادری پیلی بھیتی جو ہندو مسلم اتحاد کے سخت مخالف اور ترکِ موالات کے سلسلے میں فاضلِ بریلوی کے فتوے کے زبردست

[1] تاریخ پاک و ہند، ص ۳۵۲۔

مبلغ تھے۔ ان سے بھی مولانا نثار احمد کانپوری کے مراسم ہمیشہ برادرانہ رہے اور تمام عمر دوستی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ انجمن خدام کعبہ، خلافت کمیٹی اور مسلم لیگ کے علاوہ مولانا نثار احمد کانپوری نے انجمن خدام الحرمین کے قیام میں بھی بڑی گرم جوشی سے حصہ لیا۔ اس انجمن کے آرگنائزروں میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا احمد کانپوری، مولانا حسرت موہانی اور مشیر حسین قدوائی شامل تھے۔[1]

۸ رمئی ۱۹۲۱ء کو کراچی میں مولانا محمد علی جوہر کی صدارت میں آل انڈیا خلافت کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا، جس میں متفقہ طور پر یہ قرارداد منظور کی گئی کہ انگریز کی فوج میں مسلمانوں کا بھرتی ہونا شرعی اعتبار سے ناجائز اور احرام ہے۔ اقرار داد کی حمایت میں پانچ سو علماء کا ایک دستخط شدہ فتویٰ بھی کانفرنس میں تقسیم کیا گیا۔ چناں چہ حکومت نے خلافت کانفرنس کے سات رہنماؤں کے خلاف بغاوت کے الزام میں مقدمہ قائم کرکے وارنٹ گرفتاری جاری کردیئے۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا نثار احمد کانپوری، پیر غلام مجدد سرہندی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، حسین احمد مدنی اور شنکر اچاریہ کو مختلف مقامات سے گرفتار کرکے کراچی لایا گیا۔ اور ۲۶ر دسمبر ر ۱۹۲۱ء کو کراچی کے خالقدینا ہال میں مقدمے کی سماعت شروع ہوئی۔ اور مقدمہ سیشن سپرد کردیا گیا، جہاں سے سوائے شنکر اچاریہ کے سب رہنماؤں کو دو دو سال قید بامشقت کی سزا سنادی گئی۔ مولانا نثار احمد کی دوسری مرتبہ گرفتاری ۱۹۲۵ء میں عمل میں آئی۔ جبکہ آپ نے یتیم خانہ اسلامیہ، پریڈ بازار کانپور میں جلسے

1 علماء ان پالیٹکس، ص ۲۹۱۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مطبوعہ کراچی ۱۹۷۴ء۔

سے مطالبہ کیا کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کا احترام کرتے ہوئے حکومت حجاز سے احتجاج کرے اور نجدی کاروائیوں کو رکوائے۔ غرض کہ مولانا نثار احمد کانپوری کی پوری زندگی عالم اسلام کی سربلندی کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے گذری۔ آپ نے جب اور جس تحریک میں حصہ لیا اس کے لیے بے پناہ قربانیاں دیں اور اپنی ذات کو قومی خدمات کے لیے وقف کر کے رکھ دیا۔ لیکن افسوس کہنا پڑتا ہے کہ اس عظیم رہنما کو مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے بھلا دیا اور کبھی اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کہ ان کی زندگی اور شخصیت سے نسل کو روشناس کرایا جائے۔

۴؍ جنوری ۱۹۳۱ء کو جب مولانا نثار احمد کانپوری کو اطلاع ملی کہ مولانا محمد علی جوہر لندن میں انتقال کر گئے تو آپ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور آپ نے فوری طور پر ہندوستان چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ فروری ۱۹۳۱ء کے اوائل میں آپ ارادۂ حج سے نکلے اور زیارتِ مدینہ و حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر اپریل کے آخری عشرے میں جدہ کے مقام پر اس دارِ فانی سے عالمِ جو دوانی کی جاب کوچ کر گئے۔ آپ کے انتقال کی خبر ہندوستان میں بڑھ دکھ سے سنی گئی۔ مسجد بی جی بریلی، بیلوں والی مسجد پیلی بھیت اور شاہی مسجد آگرہ اور مسجد میاں محمد جان امر تسر کے علاوہ متعدد مقامات پر تعزیتی جلسے منعقد ہوئے اور مولانا کی قومی و ملی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔ امر تسر کے اخبار ''الفقیہہ'' نے مولانا کے انتقال کے خبر سیاہ حاشیے اور ''آفتابِ علم و عمل غروب ہو گیا'' کے جلی عنوان کے ساتھ شائع کی اور لکھا کہ حضرت مولانا زبردست عالم فاضل اور نہایت ہی مخلص اور بے تکلف بزرگ تھے۔ چند برسوں سے

آپ کا معمول تھا کہ آپ ہر سال حج بیت اللہ وزیارت مدینہ طیبہ کی نیت سے حجازِ مقدس تشریف لے جاتے تھے۔ آپ کا قول تھا کہ ''مجھے حج کی بیماری ہے''۔ آپ کو حجاز کی مقدس سرزمین سے اس قدر عشق تھا کہ عموماً مکہ معظمہ سے مدینہ تک پیدل سفر کیا کرتے تھے۔ آپ کی الم ناک وفات سے جماعتِ احناف کو بے حد نقصان پہنچا ہے۔[1]

مولانا نثار احمد کانپوری کی کوئی مستقل تصنیف موجود نہیں مگر مختلف فتویٰ پر آپ کی تصدیقات اور مختلف رسائل پر تقریظات موجود ہیں۔

حافظ یعقوب علی خان

حافظ یعقوب علی خان ابن مولوی ولی خان پیلی بھیت کے ایک معزز پٹھان گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ علم دین سے رغبت آپ کو ورثے میں ملی تھی۔ پیلی بھیت کے مشہور نابینا حافظِ قرآن مولوی کلن سے آپ نے قرآنِ حکیم حفظ کیا اور دورۂ حدیث کی تکمیل مدرسۃ الحدیث میں حضرت محدث سورتی سے کی۔ آپ کا شمار پیلی بھیت کے نہایت خلیق بزرگوں میں ہوتا تھا۔ حضرت شاہ جی شیر میاں پیلی بھیت، فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں، مولانا حبیب الرحمٰن پیلی بھیتی اور مولانا عبدالاحد سے آپ کے دیرینہ مراسم تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے مدرسۃ الحدیث اور مدرسہ احمدیہ جامع مسجد میں قرآنِ پاک پڑھانا شروع کیا اور تمام عمر یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۲۷/ محرم/ ۱۳۵۷ھ بمطابق

[1] اخبار الفقیہہ امر تسر، ص ۹۔ شمارہ ۲۱ / مئی ۱۹۳۱ء۔

۳۰ ؍مارچ؍ ۱۹۳۸ء بروز چہار شنبہ آپ کا وصال ہوا۔ مولانا حبیب الرحمٰن نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور پیلی بھیت میں پرانی جامع مسجد موٹا پاکر والی کے باغ میں تدفین عمل میں آئی۔ مولانا افتخار ولی خاں نے حافظ یعقوب علی خاں (۱۹۳۸ء) سے تاریخ وفات نکالی۔

محدث سورتی کے دیگر تلامذہ

اس کے علاوہ جن علما و مشائخ کو حضرت محدث سورتی سے تلمذ حاصل تھا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ قاضی تلمذ حسین پرنسپل ندوۃ العلماء، مولانا صفدر علی خان پشوری، حکیم سعید الرحمٰن خان پیلی بھیتی، مولانا حافظ محمد ابراہیم سورتی، مولانا عبد السبحان سورتی، حافظ شوکت علی رئیس اعظم پیلی بھیت، مولانا عتیق احمد امام جامع مسجد پیلی بھیت، حکیم محمود الرحمٰن خان، مولانا فضل حق رحمانی، مولانا حضر اللہ خان پیلی بھیتی مدرسہ اہل سنت پٹنہ، مولانا عبد الرحمٰن سورتی پیلی بھیتی، مولانا عبد الرحمٰن کانپوری عرف مولانا مٹھائی والے، مولانا حکیم محمد مصطفےٰ امیر ٹھی، مولوی سرفراز احمد مرزاپور، حکیم مقصود حسن خاں، برادر بزرگ حکیم اقبال حسین، مولانا آزاد سبحانی، مولانا فاخر الٰہ آبادی، قاری عبد الوحید عظیم آبادی، مولانا عبد الجبار بہاری، مولانا سید عبد القیوم اورنگ آبادی ضلع بلند شہر، مولانا سید حسین احمد نہوڑی ضلع بجنور (خواجہ احمد رامپوری کے یہاں درس دیتے تھے)، مولانا محمد ظہیر احمد اودے پور میواڑ۔ مولانا صوفی محمد حسن بھوجاگاؤں ضلع پورنیہ، مولانا عبد الجلیل برمی، مولانا محمد امین چائل ضلع الٰہ آباد، مولانا سید محمد عمر خلیل پور پرگنہ نواب گنج ضلع الٰہ آباد، مولانا محمد قمر علی ہزاروی، حکیم عبد الحفیظ لکھنوی، مولانا محمد عبد السلام گھوسی ضلع اعظم

گڑھ، مولانا حاجی محمد عبد الجبار ڈھاکہ، مولانا محمد رشید مردان، مولانا عبد اللہ پشاوری، مولانا محمد مسعود سیالکوٹی، مولانا محمد زماں خاں مدرس مدرسہ کانپوری، مولانا ولی الرحمٰن پوکھیروی، مولانا عبد الحکیم بلند شہری، مولانا ریاض الحق پیلی بھیتی، مولانا علی حسین قصبہ باڑی ضلع سیتاپور، مولانا امداد حسین رامپوری، مولانا نور عالم سیتاپوری، مولانا غلام خاں پیلی بھیتی، مولانا شاہ عبد القادر قادری راندیری ضلع سورت اور مولانا نذیر الحق پٹنہ ضلع بہار۔

معاصرین

مولانا احمد حسن کانپوری

استاذِ زمن حضرت مولانا احمد حسن کانپوری ۳؍صفر ۱۲۹۶ھ کو ڈسکہ ضلع حصار پنجاب میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت مولانا جلال الدین رومی کی وساطت سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ ابتداً حصولِ علم کی جانب کوئی رغبت نہ تھی چناں چہ سنِ بلوغت کو پہنچنے تک کچھ نہ پڑھ سکے۔ بعد میں خیال آیا اور ابتدائی تعلیم اپنے برادرِ خورد حافظ موسیٰ اور اپنے والد مولانا عظمت اللہ سے حاصل کی اور تکمیل علوم کے لیے امر تسر ہوشیار پور، ملتان، پشاور، پانی پت، سہارن پور، مظفر نگر، مظفر نگر، لکھنؤ، چریا کوٹ اور خیر آباد کا سفر اختیار کیا۔ لیکن اطمینانِ قلب کانپور پہنچ کر حاصل ہوا۔ اور آپ استاذ العلماء حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے درس میں شامل ہوئے جو مدرسۂ فیض عام کانپور میں مسندِ درس تدریس پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ذہن رسا بحیثیت استاد مسندِ درس پر

ممکن ہوئے۔ بعد میں مدرسۂ فیض عام میں چلے آئے اور تمام زندگی کانپور میں ہی درس و تدریس میں گذار دی۔ آپ کو اویسِ دوراں حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی سے قلبی لگاؤ تھا۔ چناں چہ ایک مرتبہ آپ نے بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی لیکن حضرت شاہ صاحب نے فرمایا۔ ''احمد حسن تمہارا حصہ تو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے پاس ہے'' چناں چہ آپ مکہ مکرمہ پہنچے اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی انہی ایام میں آپ سے تعلم کے لیے کانپور پہنچے لیکن آپ مکہ معظمہ روانگی کے لیے تیار تھے۔ چناں چہ پیر صاحب علی گڑھ پہنچے جہاں استاذ العلماء حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی مسندِ درس وتدریس پر فائز تھے۔ کئی سال کے بعد پاک پتن کے عرس میں مولانا احمد حسن کانپوری اور پیر صاحب کی ملاقات ہوئی تو مولانا نے اظہارِ تاسف کرتے ہوئے کہا کہ کاش میں آپ کو چند اسباق پڑھا دیتا۔ پیر سید غلام محی الدین گولڑوی سے ''مہر منیر'' میں روایت ہے کہ ''میں نے کسی معمر بزرگ کو ایسی نورانی اور جاذب نظر شکل و شباہت کا نہیں دیکھا جیسے حضرت مولانا احمد حسن کانپوری تھے۔ شفاف گندمی رنگ، کشیدہ قامت، سفید ریش اور اعلیٰ درجے کی نفاست پسندی۔ گفتگو کے وقت گویا منہ سے پھول جھڑتے تھے''اس شانِ علم پر اخلاص وانکسار بیحد۔ مولانا فیض احمد فیض نے لکھا ہے کہ مولانا احمد حسن کانپوری کے نیاز کا ذکر فرماتے ہوئے قبلہ پیر سید غلام محی الدین گولڑوی کی طبیعت پر رقت طاری ہو گئی اور فرمایا کہ مولانا نے مکہ معظمہ میں اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مزار پر چھ ماہ قیام کیا اور ہر روز اپنی ریش مبارک سے مزار

کو صاف کیا کرتے تھے۔ اپنے وقت کے استاذ الکل کی اپنے شیخ کے ساتھ یہ نسبت نیاز اور عقیدت آج کل کے علما اور زعما کے لیے مقام عبرت و نصیحت ہے۔[1]

مولانا احمد حسن کانپوری کی پہلی شادی پٹیالہ کے ایک رئیس کی صاحبزادی سے ہوئی جبکہ دوسری شادی مولوی عنایت حسین دہلوی کی صاحبزادی سے تیسری شادی لکھنؤ کے سید گھرانے میں ہوئی۔ پہلی بیوی سے مولانا مشتاق احمد کانپوری، مولانا نثار احمد کانپوری، مولانا عبدالرحمٰن، مولانا خلیل الرحمٰن نے نوعمری میں انتقال کیا۔ دوسری بیوی سے مولانا حافظ محمد احسن، آمنہ بی بی، عائشہ بی بی اور حافظ محمد حسن۔ تیسری بیوی سے منور جہاں زوجہ شاہ عبدالرحیم سجادہ نشین کلیر شریف اور نورجہاں بیگم زوجہ برادر خور شاہ عبدالرحیم، (صاحبزادہ غلام معین الدین اور آفتاب جہاں نے نوعمری میں انتقال کیا۔)

حضرت محدث سورتی کے مولانا احمد حسن کانپوری سے نہ صرف معاصرانہ مراسم تھے بلکہ آپ مولانا کے ہم زلف بھی تھے۔ کیوں کہ مولوی عنایت حسین کی بڑی صاحبزادی لطیف النساء صاحبہ حضرت محدث سورتی کے عقد میں تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا احمد حسن کانپوری اور حضرت محدث سورتی چالیس سال تک رشتہ رفاقت میں پیوستہ رہے۔ کسی بھی مرحلے پر ایک دوسرے کے موقف سے اختلاف نہیں کیا۔ ندوۃ العلماء کی تنظیم کے ابتدائی ایام میں غیر مقلدوں نے ندوہ میں جو مفاسد پیدا کیے ان کو دور کرنے کی جدوجہد میں مولانا احمد حسن کانپوری نے حضرت محدث سورتی اور مولانا احمد رضا خان سے

---

[1] مہر نیم روز، ص ۲۷۔

مکمل تعاون کیا جس کا تفصیلی ذکر اعلیٰ حضرت کے ملفوظات اور دیگر کتب میں موجود ہے۔
۱۳۰۷ھ میں دیو بند کے ایک طالب علم نے مسئلہ امکانِ کذب باری تعالیٰ سے متعلق آپ سے استفسار کیا، جس کے جواب میں آپ نے ایک مبسوط رسالہ "تنزیہ الرحمٰن عن شائبۃ الکذاب والنقصان" تحریر فرمایا جس پر مولانا لطف اللہ علی گڑھی نے تقریظ تحریر فرمائی۔ اس رسالے کی اشاعت سے عقائدِ دیو بند پر بھاری ضرب پڑی۔ چناں چہ مولانا محمود الحسن شیخ (شیخ الہند) نے اس کے جواب میں ایک رسالہ "جہد المقل" لکھا جس کا جواب مولانا عبد اللہ ٹونکی نے رسالہ "عجالۃ الراکب" میں دیا ہے۔ مولانا احمد حسن کانپوری کی تصانیف میں قرآنِ مجید کی تفسیر (قلمی)، شرح حمد اللہ، افاداتِ احمدیہ، شرح ترمذی (قلمی) اور مثنوی مولانا روم کی شرح امدادیہ پر حاشیہ شامل ہے۔

۳ / صفر المظفر / ۱۳۲۳ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ مولانا شاہ محمد عادل نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور سباطی قبرستان کانپور میں سپردِ قبر کیا گیا۔ حضرت مولانا کے شاگردوں کی کثیر تعداد کاشغر، شام، موصل، حلب، بخارا، افغانستان، مصر و عراق اور پاک و ہند میں پھیلی ہوئی تھی، جن کا فیض آج بھی جاری ہے۔ قاری عبد الرحمٰن الٰہ آبادی اور حضرت مولانا محمد غازی گولڑوی نے آپ سے چند اسباق کا درس لیا تھا۔ مولانا احمد حسن کانپوری کی حیات و خدمات پر راقم الحروف نے تفصیلی معلومات بذریعہ مکتوب حضرت کے نبیرہ حافظ شبیر احسن صابری سے حاصل کی ہیں جو کانپور میں مقیم ہیں اور حضرت کے فیض کو عام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔

آپ کے نواسے ڈاکٹر مغیث فریدی دہلی یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کے سربراہ اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ایک اور نواسے معین فریدی عرف نواب میاں آگرہ میں مقیم ہیں اور درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ ایک نواسی محترمہ نفیس فاطمہ زوجہ قبلہ محمد اکرام فریدی حیدر آباد سندھ میں مقیم ہیں۔ راقم الحروف پر بے پناہ شفقت فرمائی ہیں۔ جن کے بڑے صاحبزادے قدریر الاسلام فخری نے اردو میں ایم اے کیا ہے اور علامہ اقبال ہائی اسکول میں مدرس ہیں۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی

چودھویں صدی ہجری کے وائل میں جن علما کرام نے مقامِ مصطفیٰ کے تحفظ اور اسلام کو تصرف سے بچانے کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں ان میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کا اسم گرامی سرفہرست آتا ہے۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور برصغیر میں اس کے پیروکاروں سے سرکارِ دوعالم تاجدارِ مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے فضائل کو گھٹا کر دنیا کے سامنے پیش کرنے کی جو مذموم تحریک شروع کی وہ تمام مسلمانوں کے لیے شدید غم و غصہ اور تکدر کا باعث تھی۔ مولانا شاہ فضلِ حق خیر آبادی، مولانا قطب الدین دہلوی، مولانا فضل رسول بدایونی، مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی، مولانا عنایت احمد کاکوروی، مولانا نقی علی خان بریلوی، اور اسی دور کے متعدد علما کرام نے اس فتنے کے خلاف علمی جہاد کیا اور مختلف موضوعات پر گراں قدر رسائل و کتب تصنیف فرما کر مقامِ مصطفےٰ کے تحفظ کے لیے سعیِ بلیغ فرمائی لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد جب وہابی عناصر غیر مقلدین اور منکرین

ختمِ نبوت کی شکل میں سامنے آئے تو علما کی ایک بہت بڑی تعداد اس ذہنیت و تحریک کے خاتمے کے لیے صف آرا ہو گئی۔ اس ضمن میں علمی سطح پر سب سے نمایاں خدمات اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے انجام دیں اور نہایت سختی کے ساتھ "اوصافِ محمد" سے انکار کرنے والوں کو پابندِ فتویٰ کیا۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت عشقِ مصطفےٰ میں غرق اور مدحت مصطفیٰ میں فرد تھے۔ آپ نے نظم و نثر دونوں اصنافِ ادب میں وہ شہ پارے تصنیف فرمائے جو آج بھی مسلمانوں کے سینے عشقِ مصطفےٰ سے معمور رکھتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت البرکت ۱۰ ؍شوال المکرم ؍۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴؍جون؍۱۸۵۶ء بریلی کے ایک محلہ جسولی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد امام المتکلمین مولانا نقی علی خان اور دادا مولانا رضا علی خان اپنے وقت کے عالمِ بے بدل تھے۔ اعلیٰ حضرت نے ابتدائی تعلیم مرزا غلام قادر بیگ سے باقی کتب اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ مولانا عبد العلی رامپوری سے بھی شرح چغمینی سے کچھ اسباق پڑھے اور تقریباً چودہ سال کی عمر میں اپنے والد سے سندِ فراغت حاصل کرلی۔

بچپن سے ہی اعلیٰ حضرت کی ذہانت و ذکانت کے چرچے عام تھے۔ چناں چہ آپ نے سندِ فراغت حاسل کرنے کے بعد ہی ایک سوال کے بجواب میں فتویٰ تحریر فرمایا۔ جس سے متاثر ہو کر آپ کے والد ماجد نے مسندِ افتاء آپ کے سپرد کردی۔ اور پھر تادمِ آخر آپ فتویٰ نویسی فرماتے رہے۔ مولانا عبد الحکیم شرف قادری لکھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے علم و نظر کی پختگی، نگاہ کی جولانی، استدلال کی قوت، تنقید کی شدت اور بے پناہ قوتِ فیصلہ

کا اندازہ ہزارہا صفحات پر پھیلے ہوئے آپ کے فتاویٰ کو دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔[1]

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت اور حضرت محدث سورتی کی رفاقت تقریباً نصف صدی پر مشتمل ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ یہ دونوں زعمائے ملت یک جان دو قالب تھے تو بیجا نہ ہوگا۔ اعلیٰ حضرت پر محدث سورتی سن و سال میں فوقیت رکھتے تھے لیکن اعیلٰ حضرت کے علم و فضل کے ہر مقام پر معترف رہے۔ ہمیشہ اعلیٰ حضرت کو واجب الاحترام سمجھا اور ہر معاملے میں اعلیٰ حضرت کی رائے اور فتویٰ کی فوقیت دی۔ یہ ان دونوں محسنینِ ملت کی باہمی رفاقت اور اخلاص کا ہی کرشمہ تھا کہ چودھویں صدی کی ابتداء میں علما کی ایک ایسی مضبوط جماعت منظر عام پر آئی جس نے دین میں رخنہ اندازی کی ہر کوشش کا جرأت مندی سے مقابلہ کیا اور مسلک حقہ کے حفاظت میں اپنے روز و شب ایک کر دیئے۔ پیش نظر تذکرہ میں اعلیٰ حضرت اور محدث سورتی کی یہ دوستی اغیار کی آنکھوں میں مثلِ خار کھٹکتی تھی۔ چناں چہ علمائے وہابیہ کے علاوہ علمائے دیوبند نے بھی اکثر اپنی کتب و رسائل میں طنز کے تیر چلائے ہیں۔ مولوی اشرف علی تھانوی کے خلیفہ اور مشیر خاص مولوی محمد مرتضیٰ حسن در بھنگوی نے اپنے مکتوب میں اعلیٰ حضرت کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”اگر میری حالت کی پوری تحقیق منظور ہو تو اپنے وزیر اعظم مولوی وصی احمد صاحب سورتی سے دریافت کر لیجیے۔“[2]

---

1 یادِ اعلیٰ حضرت، ص ۲۳، مولانا عبد الحکیم شرف قادری۔ مکتبہ قادریہ لاہور۔

2 اسکات المتعدی، ص ۱۴۔ مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند (یوپی) ۱۳۲۶ھ۔

اسی رسالے میں ایک اور مقام پر اسی شخص نے محدث سورتی کو ''چودھویں صدی اور بدعتیوں کا محدث'' کہہ کر مخاطب کیا ہے لیکن اعلیٰ حضرت عظیم البرکت اور حضرت محدث سورتی نے جو لوجہ اللہ مسلکِ حقہ کی حفاظت کا فریضہ انجام دے رہے تھے، ان تمام دشنام طرازیوں اور خرافات کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ اور اپنے کام کو جاری رکھا۔

حضرتت محدث سورتی کے شاگردوں پر اعلیٰ حضرت کی نظرِ انتخاب ہمیشہ رہتی، یہی وجہ ہے کہ آپ نے حضرت محدث سورتی کے شاگردوں کی اکثریت کو خلافت سے سرفراز فرمایا اور ان سے مسلکِ اہلِ سنت کی کماحقہٗ ترویج واشاعت کا کام لیا۔ خصوصاً مولانا ضیاء الدین مدنی، مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا عبدالحد پیلی بھیتی، مولانا امجد علی اعظمی انصاری، مولانا محمد شفیع بیسل پوری، مولانا محمد اسمٰعیل محمود آبادی، علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی، مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی، مولانا عبدالحق پیلی بھیتی اور مولانا سید سلیمان اشرف وغیرہ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

مولانا ظفر الدین بہاری نے اپنی کتاب ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' میں اور مولانا نسیم بستوی نے ''اعلیٰ حضرت بریلوی'' میں حضرت محدث سورتی اور اعلیٰ حضرت کی باہم رفاقت کے متعدد واقعات درج کیے ہیں جن کو خوفِ طوالت سے یہاں درج نہیں کیا جارہا ہے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کو اللہ تعالیٰ نے علم وفضل سے اس قدر نوازا تھا کہ آپ نے کم وبیش پچاس علوم پر گراں قدر تصانیف قلم بند فرمائیں جن کو عرب وعجم کے علمانے

اعلیٰ حضرت کی علمیت اور ہمہ دانی پر سند قرار دیا۔ اس کے علاوہ ۱۳۱۷ھ میں پٹنہ کے ایک اجتماع میں پاک وہند کے علمائے حق کی اکثریت موجود تھی۔ آپ کو مولانا عبدالمقتدر بدایونی نے ''مجددِ مائتہ حاضرہ'' کے خطاب سے مخاطب کیا۔ جس کی تمام علما نے تائید فرمائی۔[1]

اعلیٰ حضرت کی مذہبی اور ملی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کو رقم کرنے کے لیے ایک علیحدہ تذکرہ کی ضرورت ہے کیوں کہ برصغیر کی تمام قومی وسیاسی تحریکات میں آپ کا عمل دخل رہا ہے اور خصوصاً قیامِ پاکستان کے سلسلے میں علمائے کرام نے جو خدمات انجام دیں وہ آپ کے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی کی مرہونِ منت ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا وصال ۲۵ ؍صفر ؍۱۳۴۰ھ بروز جمعہ دو بج کر ۳۸؍ منٹ پر ہوا۔ راقم الحروف نے نومبر ۱۹۷۹ء میں بریلی میں آپ کے مزارِ اقدس پر حاضری دی اور آپ کے صاحبزادے مفتی اعظم حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ اعلیٰ حضرت کی روحِ پاک سے خانوادۂ محدث سورتی کے رابطۂ عقیدت کو ہمیشہ قائم ودائم رکھے آمین۔

مولانا ارشاد حسین محدث رامپوری

حضرت مولانا ارشاد حسین رامپوری تیرھویں صدی ہجری کے بزرگ ترین عالم اور محدثِ کامل تھے۔ آپ کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا اور طلبہ دور دراز سے حصولِ علم کے

[1] دربارِ حق وہدایت۔

لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ حضرت مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے۔ آپ کے بزرگ سرہند پر سکھوں کی تعدی کے بعد بریلی آئے اور پھر رام پور پہنچے۔ مولانا ارشاد حسین رامپوری کی ولادت ۱۴ صفر ۱۲۴۸ھ بلاس پور دروازہ پر واقع میاں خواجہ احمد کے مدرسے میں درس حدیث دیا۔ آپ کے تلامذہ میں مولانا سید دیدار علی محدث الوری، مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری، علامہ ظہور الحسین رامپوری، مولانا عبدالغفار رامپوری اور علامہ شبلی نعمانی قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے حیاتِ شبلی میں لکھا ہے کہ شبلی نعمانی کو حضرت مولانا ارشاد حسین رامپوری کی وسعتِ نظر، اصابت رائے قوتِ تفقہ کے واقعات بیان فرماتے۔ مولانا ارشاد حسین نہایت متشدد حنفی تھے۔ مولوی نذیر حسین دہلوی کی کتاب ""معیار الحق" کے جواب میں "انتصار الحق" لکھی اور علامہ شبلی کو بھی فقہِ حنفی میں بہت غلو تھا۔ چناں چہ آپ نے بحیثیت استاد مولانا ارشاد حسین رامپوری کا انتخاب کیا۔[1]

مولانا ارشاد حسین رامپوری کو ان کے تقریباً تمام معاصر علما نہایت محترم رکھتے تھے۔ حضرت محدث سورتی کو بھی مولانا کی ذات سے ایک خاص تعلق تھا۔ چناں چہ آپ اکثر و بیشتر رامپور تشریف لے جاتے اور حضرت مولانا سے نیاز حاصل کرتے۔ دختر زادۂ حضرت محدث سورتی قبلہ حسن میاں نے راقم الحروف کے نام ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ مولانا جب بھی پیلی بھیت تشریف لے جاتے تو حضرت محدث سورتی کے مہمان ہوتے۔ حضرت محدث سورتی نے اپنی تحریروں میں اکثر مقامات پر مولانا ارشاد حسین رامپوری کا

---

[1] حیاتِ شبلی، ص۷۹۔

تذکرہ نہایت عقیدت واحترام سے کیا ہے۔ چناں چہ منتیہ المصلی کی شرح التعلیق المجلی میں ایک مقام پر آپ کا ذکر ان کے القاب و آداب کے ساتھ ہے۔ وھھنا تحقیق شریف لقطب الارشاد المحدث النبیه والفقیه الوجیه سندنا العلامه ومستند الفهامه سیدنا ومولانا الشیخ ارشاد حسین الرامفوری۔[1] مولانا ارشاد حسین رامپوری کے تلامذہ سے حضرت محدث سورتی کا تعلق آپ کی وفات کے بعد بھی برقرار رہا۔ اور آپ مولانا سلامت اللہ رامپوری شاگردِ رشید مولانا ارشاد حسین رامپوری کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ مولانا ارشاد حسین رامپوری کا وصال ۱۵/جمادی الآخر/۱۳۱۱ھ بروز پیر بوجہ مرض تپ محرقہ ہوا۔

"روضۂ منیر" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ راقم الحروف نے مولانا ارشاد حسین رامپوری اور مولانا سلامت اللہ رامپوری کے شاگرد مولانا حشمت اللہ خان رامپوری سے نومبر ۱۹۷۶ء میں ملاقات کا شرف حاصل کیا اور ان کی یاد داشتیں قلم بند کیں۔ مولانا حشمت اللہ خان کراچی میں اپنے بڑے بیٹے عظمت اللہ خان کے ساتھ گوجرنالہ ناظم آباد پر عرصہ ۲۰/سال سے مقیم تھے۔ اور ۵/جنوری/۱۹۷۹ء کو ۱۰۲/برس کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ سخی حسن نارتھ ناظم آباد کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔

حکیم خلیل الرحمٰن خان

---

1 التعلیق المجلی، ص ۱۷۵۔

طبیبِ حاذق حکیم خلیل الرحمٰن خان پیلی بھیت سے جانب اتر ایک گاؤں موضع جگر ولی کے رہنے والے تھے۔ آپ کے آباو اجداد افغانی تھے۔ اور حافظ رحمت خان روہیلہ کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ حکیم خلیل الرحمٰن خان نے ابتدائی تعلیم پیلی بھیت اور بریلی میں حاصل کی اور پھر کانپور میں مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی کے درس میں شامل ہو کر درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد علی مونگیری، مولانا احمد حسن کانپوری اور مولانا محمد حسن سنبھلی بھی شامل ہیں۔ حضرت محدث سورتی سے آپ کے مراسم مدرسۂ فیضِ عام کانپور میں ہی استوار ہوئے اور پھر تادمِ مرگ یہ رشتہ استوار رہا۔ آپ نے جھوالی ٹولہ لکھنؤ میں حکیم عبد العزیز سے تعلیم طب حاصل کی اور اپنے عہد کے نامور اطبا میں شمار ہوا۔[1] اوپسِ دوراں حضرت شاہ فضلِ رحمٰن گنج مراد آبادی سے آپ کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی سے آپ کے خصوصی مراسم تھے اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے اعلیٰ حضرت کی ہر آواز پر لبیک کہا اور بے خطر ہو کر مسلکِ اہلِ سنت کی تبلیغ و اشاعت میں حصہ لیا۔ خصوصاً ندوۃ العلماء کی اصلاح اور تحریکِ ترکِ موالات کے دوران آپ نے دامے، دِرمے علمائے اہلِ سنت کی شان میں جو قصیدہ "امالی الابرار" کے نام سے لکھا تھا، اس میں حکیم خلیل الرحمٰن کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

---

[1] رموز الاطبّاء، جلد دوم، ص ۷۰۔

بِطِبِّ خَلِیّل رحمٰن اِلّتِقّی لِسُقُمِ فَقیدِ صحتہٖ

فقرد

۱۳۱۵ھ میں رسالہ تحفۂ حنیفیہ کے پٹنہ عظیم آباد سے اجرا پر آپ نے ایک نظم کہی تھی، جو یوں شروع ہوتی ہے۔

قبلہ کی طرف کو ہاتھ اٹھائے، یارب یہ خلیل کی دعا ہے
تحفہ ہے پٹنہ سے یہ جاری، دل کا مرے بس یہ مدعا ہے [1]

آپ کے صاحبزادے حکیم سعید الرحمٰن خان اور حکیم محمود الرحمٰن خان حضرت محدث سورتی کے شاگرد عزیز اور نامی گرامی طبیب گذرے ہیں۔ حکیم سعید الرحمٰن خان ایک عرصے تک میونسپل بورڈ پیلی بھیت کے چیئر مین رہے۔ جبکہ حکیم محمود الرحمٰن خان حیدر آباد دکن میں شاہی معالج کے عہدے پر فائز تھے۔ حیدر آباد دکن کے ممتاز شاعر شاذؔ تمکنت جب ۱۹۷۹ء میں کراچی آئے تو راقم الحروف سے ایک ملاقات میں انہوں نے حکیم محمود الرحمٰن خان کا ذکر کیا، اور بتایا کہ حکیم صاحب حیدر آباد کی ہر دلعزیز اور ادب دوست شخصیات میں شمار ہوتے تھے اور اکثر ان کے مکان پر شعر و سخن کی محفل گرم رہتی تھی۔ حکیم خلیل الرحمٰن کے برادر زادے حکیم الحاج مولوی عبید الرحمٰن خاں بھی حضرت محدث سورتی کے شاگرد تھے۔ تمام عمر پیلی بھیت میں رہے۔ نہایت نفاست پسند، خوش اخلاق اور پابندِ شرع تھے۔ علمائے اہلِ سنت آپ کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ پیلی بھیت میں ہی

---

[1] تحفۂ حنفیہ، ص ۷، جمادی الثانی ۱۳۱۵ھ

اکتوبر ۱۹۵۸ء کو انتقال ہوا۔

ندوۃ العلماء کے ضمن میں علمائے اہل سنت کی جانب سے تحریر کیے جانے والے رسائل اور کتب میں حکیم خلیل الرحمٰن خان کا بکثرت ذکر ملتا ہے۔ آپ کے وصال کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔ حضرت محدث سورتی کے وصال کے وقت حیات تھے۔

مولانا سید دیدار علی محدث الوری

مولانا سید دیدار علی محدث الوری کا شمار برصغیر پاک و ہند کے ممتاز محدثین میں ہوتا ہے۔ خصوصاً تقسیم سے قبل پنجاب میں مسلکِ اہل سنت کے فروغ اور علمِ حدیث کی تدریس کے جو چراغ روشن کیے ان سے آج بھی سرزمین پنجاب معمور و منور ہے۔ مولانا سید دیدار علی بن سید نجف علی محلہ نواب پورہ ریاست الور میں ۱۲۷۰ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے اجداد مشہد سے اودھ کے خطّہ بلگرام آئے اور پھر ریاست الور میں مستقل سکونت اختیار کی۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچا حضرت مولانا سید نثار علی الوری سے حاصل کی اور پھر دہلی پہنچے۔ جہاں بلاد و امصار سے تحصیل علم کے لیے آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہوتی تھی۔ حضرت شاہ کرامت اللہ دہلوی سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ بعض کتب کی تکمیل کے بعد استاذ العلماء حضرت مولانا سید ارشاد حسین رامپوری کی خدمت میں حاضری دی۔ اور اصولِ فقہ و معقولات کی تعلیم حاصل کی۔ اس دوران آپ نے کچھ کتابیں حضرت مولانا شاہ عنایت اللہ خان رامپوری سے بھی پڑھیں۔ آخر دورۂ حدیث کے لیے امام المحدثین حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوری کی خدمت میں پہنچے۔ یہاں پر شیخ العارفین قبلۂ عالم حضرت پیر سید

مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ اور حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی سے مراسم کا آغاز ہوا۔ اور پھر تقریباً چالیس سال ان دونوں نفوسِ قدسیہ کے درمیان اخوت و محبت کا رشتہ قائم رہا۔ حضرت محدث سورتی اور مولانا دیدار علی محدث الوری کے درمیان ایک اور قدرِ مشترک اور رشتۂ باطن حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی کی ذات گرامی تھی۔ جن سے دونوں حضرات کو اجازت و خلافت کا شرف حاصل تھا۔ مولانا شاہ حسین گردیزی نے اپنی کتاب ''رجال السنہ'' میں مولانا احمد علی محدث سہارن پوری کے ان تینوں ہم درس تلامذہ کی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امر تسری نے مخزنِ برکات کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ ''مغربی پاکستان میں سنیت کی نشاۃ ثانیہ کا سہرا حضرت سید دیدار علی محدث الوری کے سر بندھتا ہے۔'' ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا یار محمد فریدی فرمایا کرتے تھے کہ اگر سید دیدار علی لاہور آکر درس وتدریس اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع نہ کرتے تو سارا پنجاب وہابی مذہب قبول کرلیتا۔[1]

مولانا سید دیدار علی نے الور میں مدرسہ قوت الاسلام قائم کیا، پھر آگرہ کے خطیب و مفتی مقرر کیے گئے۔ ایک عرصے تک جامعہ نعمانیہ لاہور میں مسندِ درس پر فائز رہے۔ مسجد وزیر خان لاہور کی خطابت قبول کی اور ۱۳۴۴ھ میں دار العلوم حزب الاحناف کی بنیاد ڈالی اور تادمِ آخر اسی مدرسے میں علوم وفنون کی ترویج واشاعت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ آپ کے صاحبزادوں علامہ ابو الحسنات لاہوری اور استاذ المحدثین مولانا ابو البرکات سید احمد

---

[1] مخزنِ برکات، ص۸ رضا المصطفیٰ چشتی، مطبوعہ مکتبہ مخزنِ برکات لاہور ۱۳۹۸ھ۔

لاہوری نے ۲۲ ررجب ۱۳۵۴ھ کو آپ کے وصال کے بعد اس علمی خدمت کا بیڑہ اٹھایا اور آج بھی یہ دارالعلوم علامہ محمود احمد رضوی کی سرپرستی میں مسلکِ اہل سنت کے فروغ میں شب و روز مصروف ہے۔ راقم الحروف کو مئی ۱۹۷۸ء میں حضرت مولانا الوالبرکات سید احمد لاہوری سے شرفِ ملاقات حاصل ہوا۔ اور راقم الحروف نے حضرت محدث سورتی کے بارے میں حضرت مولانا سے معلومات حاصل کیں۔ اس موقع پر ممتاز مصنف اور مکتبۂ قادریہ لاہور کے ناظم مولانا عبدالحکیم شرف قادری اور دارالعلوم نظامیہ رضویہ کے ناظم اعلیٰ مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی بھی موجود تھے۔

حضرت شاہ محمد شیر میاں پیلی بھیت

پیلی بھیت کی سرزمین پر جو عارفانِ کامل اور صاحبانِ کشف و کرامات گذرے ہیں ان میں حضرت شاہ محمد شیر میاں پیلی بھیتی کو شہرتِ دوام حاصل ہے۔ آپ اہلِ مجاہدہ کے داعی، مشاہدہ میں مستغرق، طریقت خداشناسی کے سالک، بحرِ معرفت کے غواص، معاملاتِ دینوی سے بے نیاز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شہرت تمام ہندوستان میں چشم زدن میں عام ہوئی۔ اور آپ کے فیوضاتِ روحانی سے خلق خدا کی ایک بڑی تعداد مستفید ہوئی۔ بلکہ آج بھی آپ کا مزار شریف طالبانِ حق کے لیے نشانِ منزل بنا ہوا ہے۔

حضرت شاہ جی میاں ۱۲۲۰ھ بمطابق ۱۲ اپریل ۱۸۰۵ء کو پیلی بھیت کے ایک محلہ منیر خان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی محبت خان تھا۔ انہوں نے آپ کا نام احمد شیر رکھا، لیکن بعد میں محمد شیر کے نام سے مقبول ہوئے۔ ابتدا میں آپ کو ورزش

اور کشتی لڑنے سے رغبت تھی اور کتابوں سے گریز کیا کرتے تھے۔ والد نے حصولِ علم کی جانب توجہ دلانے کی بہت کوشش کی مگر حضرت شاہ جی شیر میاں نے کسی قسم کی رغبت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ والد کے انتقال کے بعد آپ اپنی نابینا والدہ کا سہارا بنے۔ اور ہاتھی دانت وسینگ کی کنگھیاں بنا کر فروخت کرنے لگے۔ والدہ کی خدمت آپ کا مشغلۂ خاص تھا۔ عالمِ استغراق میں بھی کبھی اس فرض سے غافل نہیں ہوئے۔

۱۲۴۰ھ میں حضرت سید احمد علی شاہ رامپور سے پیلی بھیت تشریف لائے اور آپ کی نظر حضرت شاہ جی شیر میاں پر پڑی اور اپنا کام کر گئی۔ شاہ جی شیر میاں نے حضرت سید احمد علی کے دست فیض آثار پر بیعت کی اور بہت جلد خلافت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت سید احمد علی اپنے وقت کے ولیِ کامل گذرے ہیں۔ آپ حضرت شاہ جمال اللہ بغدادی نبیرۂ حضرت شیخ عبد القادر بغدادی جیلانی کے مرید و خلیفہ تھے۔ پیلی بھیت کی سرزمین کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس پر ایک مرتبہ حضرت شاہ جمال اللہ بغدادی بھی تشریف لا چکے ہیں۔ آپ کے ایک مرید و خلیفہ حضرت خواجہ نور الدین جامع مسجد پیلی بھیت کے امام و خطیب تھے۔ خواجہ صاحب کا انتقال ۱۲۰۸ھ میں ہوا۔ اور آپ کا مزار جامع مسجد کے شمالی منارہ کے نیچے موجود ہے۔[1] حضرت سید احمد علی خواجہ اویس قرنی کی اولاد سے تھے۔ ایک سو گیارہ سال کی عمر میں آپ کا یکم محرم ۱۲۶۶ھ بمطابق ۲۶ / نومبر / ۱۸۴۹ء انتقال ہوا۔ موچی بھٹ پورہ تحصیل بلاس رامپور میں مزار آج بھی مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ پیلی بھیت سے شاہ جی شیر

---

[1] محمد عتیق احمد، ص ۷۔ زبدۃ ذکرِ خیر مطبوعہ مطبع نظامی کانپور ۱۳۲۷ھ۔

میاں کے علاوہ شاہ نعمت اللہ میاں، شاہ سبحان اللہ شاہ میاں اور شاہ لطف اللہ شاہ میاں بھی آپ کے خلیفہ تھے۔ جن کے مزارات پیلی بھیت میں موجود ہیں۔ حضرت شاہ جی شیر میاں کے خوارق اور کرامت کا شہر دور دراز بہت جلد پھیل گیا تھا۔ اور خلق خدا تک پہنچتی تھی۔ علما میں مولانا ارشاد حسین رامپوری، مولانا عبدالرحمٰن خان مالک مطبع نظامی کانپور، مولانا شاہ سلیمان پھلواوری، مولانا خلیل الرحمٰن سہارن پوری، مولانا سلامت اللہ رامپوری، اعلی حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور حضرت محدث سورتی سے آپ کے خصوصی مراسم تھے۔ ممتاز شاعر اور مولوی اشرف علی تھانوی کے صحبت یافتہ جناب سوز شاہ جہاں پوری نے راقم الحروف کو ایک مرتبہ بتایا کہ مولوی اشرف علی بھی ایک دفعہ حضرت شاہ جی شیر میاں کی خدمت میں حاضری کے لیے پیلی بیت پہنچے لیکن حضرت نے آپ سے گفتگو نہیں کی۔ بلکہ اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑتے رہے۔ بقول شاعر ؎

بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

ندوۃ العلماء کے قیام کے بعد جب علمائے اہلِ سنت نے ندوہ کی پالیسی سے اختلاف کیا تو بڑا شور مچا۔ مولانا شاہ سلیمان پھلواوری آنریری مجسٹریٹ جو ندوہ کی وکالت میں بڑے سرگرم تھے، تائید ندوہ حاصل کرنے کی غرض سے حضرت شاہ جی شیر میاں کی خدمت میں پہنچے۔ لیکن بقول حضرت محدث سورتی انہوں نے بھی خوب چٹکیاں لیں اور ناخوش لوٹے۔[1]

---

[1] مکتوب بنام فاضل بریلوی، ص ۱۱۰۔ مکتوباتِ علماء مطبوعہ، بریلی ۱۳۱۴ھ

حضرت شاہ جی شیر میاں کے خلفا میں حضرت عبد البصیر میاں، حضرت بشیر میاں بریلوی، حافظ انور علی شاہ رامپور، آپ کے بھانجے حاجی غلام جیلانی میاں اور میاں مقصود عالم رامپوری وغیرہ کو قبولیت عام حاصل ہوئی۔ مولانا عتیق احمد نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ مولانا عبد الرشید خان نے وعظ میں سماع موتی کا انکار کیا۔ اس پر قاضی خلیل الدین حسن حافظ پیلی بھیتی نے اختلاف کیا۔ حاجی عزیز احمد نے بھی ان کی تقریر کو نہ سمجھا تو انہوں نے تفسیر کی عبارت بڑھ کر سنائی۔ تب بھی بات سمجھ میں نہ آئی۔ چناں چہ وہاں سے سب لوگ جن میں حضرت محدث سورتی اور حاجی عبد اللطیف خان بھی شامل تھے۔ شاہ جی شیر میاں کی خدمت میں پہنچے۔ شاہ جی شیر میاں کی خدمت میں پہنچے۔ شاہ صاحب کو باہر آنے میں توقف ہوا۔ کچھ دیر بعد اندر سے تشریف لائے تو ایک کتاب ہاتھ میں تھی اور انگلی اوراق کے درمیان تھی۔ یہ خلافِ معمول بات دیکھ کر سب کو تعجب ہوا۔ آپ نے وہ کتاب اس جگہ کھول کر حضرت محدث سورتی کے حوالے کی اور کہا کہ اس کو پڑھیں۔ جب پڑھا تو اس میں سماعِ موتی کی بحث تھی۔[1] شاہ جی شیر میاں کی لاتعداد کرامات زبان زدِ خاص وعام ہیں۔ راقم الحروف کو اکتوبر

---

[1] مولانا محمد عتیق احمد، ص ۱۴ اریزۂ ذکر خیر: مولانا محمد عتیق احمد حضرت محدث سورتی کے فاضل تلامذہ میں سے تھے اور جامع مسجد پیلی بھیت میں امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ تصنیف وتالیف سے گہرا شغف تھا۔ شعر خوب کہتے تھے۔ آپ نے ہجری سال کے مہینوں پیش آنے والے تمام تاریخی واقعات پر مشتمل ایک نظم لکھی تھی جو تحفۂ حنفیہ پٹنہ کی ۱۳۱۵ھ کی اشاعتوں میں قسط وار شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ آپ کے مضامین، مختلف رسائی کے تراجم اور منظور منقبتیں بھی معاصر میں شائع ہوا کرتی تھی۔ آپ کے وصال اور اہل خاندان کے بارے میں تلاش و جستجو کے باوجود کچھ پتہ نہ چل سکا۔

۱۹۹۷ء میں آپ کے مزار پر حاضری اور سالانہ عرس پر شمولیت کا شرف حاصل ہوا ہے۔

حضرت شاہ جی میاں کا وصال ۵/ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ کو تپ ولرزہ میں ہوا۔ آپ کی نمازِ جنازہ مولانا سلامت اللہ رامپوری نے پڑھائی جبکہ تدفین میں روہیل کھنڈ کے نامی گرامی علما اور ہزاروں افراد شریک تھے۔

مولانا عبدالعلی آسی مدراسی

مولانا عبدالعلی آسی مدراسی چتوڑ کے رہنے والے تھے۔ لیکن جوانی میں تحصیل علم کے لیے لکھنؤ آگئے اور تمام عمر لکھنؤ میں ہی قیام کیا۔ آپ نے زیادہ تر درسی کتب مولانا الٰہی بخش فیض آبادی سے اور بعض کتب مولانا عبدالحئ فرنگی محلی سے پڑھیں اور فقہ، حدیث، نحو اور علمِ لغت میں کمال حاصل کیا۔ ابتداً آپ نے عبدالرحمٰن خان مالک مطبع نظامی کانپور کے یہاں کتبِ دینیہ کی تصحیح و تحشیہ کی خدمت انجام دی اور اس فن میں پورے ہندوستان میں اپنی مثال آپ قرار پائے۔ فنِ طباعت سے آپ کو خاص شغف تھا۔ چناں چہ لکھنؤ سے ۱۳۰۳ھ میں اردو اور عربی کا ایک مشترکہ ماہنامہ رسالہ ''البیان'' جاری کیا، جس نے عرب و عجم میں حد درجہ مقبولیت حاصل کی۔ مہدی افادی نے افاداتِ مہدی میں لکھا ہے کہ ملک میں عالمانہ اردو کے ساتھ عربی لٹریچر کے مذاق کی تجدید کے لیے البیان کوشاں ہیں، یہی وج ہے کہ ادبی رسالوں میں یہ علانیہ ممتاز ہے۔[1]

[1] افاداتِ مہدی، ص ۱۵۵۔ مہدی افادی

جناب نادم سیتاپوری نے لکھا ہے کہ یہ اپنی نوعیت کا پہلا ادبی رسالہ تھا جس کو قبولیتِ عام حاصل ہوئی۔ البیان کی ادارت کے لیے مولانا عبداللہ العمادی منتخب کیا گیا تھا۔ جو اس زمانے میں عربی کے مانے ہوئے صحافی و ادیب تھے۔ البیان سات آٹھ سال تک جاری رہا، اب اسکے فائل نایاب ہیں۔[1]

مولانا عبدالعلی آسی مدراسی نے البیان کے اجرا کے بعد لکھنؤ کے محلہ محمود نگر میں مطبع آسی مدراسی کے نام سے ایک دارالاشاعت قائم کیا اور لیتھو پریس لگایا جو حسنِ طباعت کے لحاظ سے اپنے عہد کا مشہور پریس تھا۔ اس مطبع کے مہتمم مولانا آسی کے صاحبزادے مولانا عبدالولی تھے جبکہ آپ کے برادر خورد مولانا عبدالاول جونپوری بھی مطبع میں تصحیح و تحشیہ کا کام انجام دیتے تھے۔ حکیم عبدالحئ رائے بریلوی نے نزہتہ الخواطر میں مولانا آسی کے مختصراً حالات درج کیے ہیں اور لکھا ہے کہ ''دینی کتب کی نشر و اشاعت ان کا عظیم کارنامہ ہے'' حضرت محدث سورتی سے مولانا آسی کے بڑے دیرینہ مراسم تھے۔ کیوں مولانا آسی بھی متشدد حنفی تھے اور غیر مقلدوں کو فرقۂ باطل تصور کرتے ہوئے ہمیشہ ان کی تکذیب فرماتے۔ آپ نے ایک غیر مقلد غلام محی الدین کی فتنہ پرداز کتاب ''الظفر المبین'' کے جواب میں ایک کتاب ''تنبیہ الواہابیین'' پر حضرت محدث سورتی نے منظوم تقریظ تحریر فرمائی تھی، جو یہاں من و عن درج کی جاتی ہے۔

---

1 مضمون البیان مطبوعہ سہ ماہی بصائر کراچی، اپریل ۱۹۶۳ء۔

تحریر بے نظیر و تقریر دل پذیر۔ متضمن اثبات و جوب تقلید مع مواہیر علمائے مشاہیر خامہ علامۂ وحید محدث عدیم الندیہ فقیہ صاحب التنبیہ والتکبیت۔ مولانا وصی احمد حنفی مدرس مدرسۂ پیلی بھیت۔

کہاں ہیں وہ شیدائے نقل و روایت
کدھر ہیں وہ اعدائے عقل و درایت

کہاں ہی وہ اصحابِ دعوائے سنت
کدھر ہیں وہ اربابِ فتوائے ملت

جو کہتے ہیں تقلید کو شرک و بدعت
اور اہلِ فقاہت کو اہل سفاہت

ذرا آئیں دیکھیں بعین بصیرت
کہ تقلید اور فقہ ہے عین سنت

اور اس پر ہے شاہد حدیث اور آیت
کہ تقلید ہر گز نہیں شرک و بدعت

ہے تقلید واجب زروے روایت
دلیل اس کی ہے بس حدیث اور آیت

ہے لامذہبوں کی سراسر
کہ تقلید شخصی کو کہتے ہیں

جہالت	بدعت
بھلا اہل تقلید ہوں اہل	یہ قول ان کا محمول ہے
بدعت	برعداوت
عداوت ہے ان کی سراسر	شرارت میں ان کے بھری
شرارت	ہے ضلالت
بدی ان کی سراسر	فریب ان کی خصلت ہے
شرارت	کیدان عادت
ہے مدحت میں ان کے	مذمت میں ان کے ہے
گمانِ مذمت	ایہام مدحت
ائمہ پہ طعن ان کی فہم و	فقیہوں پہ لعن ان کی عقل
فراست	وکیاست
مقلد ہیں سب سالکین	مقلدین ہیں سب عالمین
ہدایت	روایت
ہے تقلید واجب ہے	ہے تقلید ثابت ہے
ازراہِ صحت	ازروے حجت
ہے تقلید مفروض ہے	ہے تقلید مامور ہے

بالبداہت	بالروایت
ہے تقلید ائمہ کی ہے عین سنت	ہے تقلید ایمان کی ہے علامت
ہے تقلید خضرِ رہِ دین و ملت	ہے تقلید ارشادِ پیر طریقت
ہے تقلید اسلام کی عین حجت	ہے تقلید دین نبی پر دلالت
ہے تقلید واجب زروے روایت	ہے تقلید ثابت زراہِ درایت
ہے تقلید سر منزل راہِ سنت	ہے تقلید سر چشمۂ استقامت
ہے تقلید باغ و بہارِ ہدایت	ہے تقلید نقش و نگار سعادت
ہے تقلید منشائے ضبطِ شریعت	ہے تقلید فحوائے ربطِ طریقت
ہے تقلید فتح در استخارت	ہے تقلید بال و پر

استشارت

ہے تقلید خو کردۂ استکانت
ہے تقلید پروردۂ استمالت

ہے تقلید تعلیم اربابِ حجت
ہے تقلید تفہیم اصحابِ ملت

ہے تقلید بوے ریاحینِ خبرت
ہے تقلید گئے گریبان عبرت

ہے تقلید تاج سرِ استقامت
ہے تقلید پیغمبر استجابت

پئے تقلید دُرِّ محیط کرامت
ہے تقلید نورِ بسیطِ ولایت

ہے تقلید سنت پہ روشن دلالت
ہے تقلید مومن کی پاکیزہ خصلت

ہے تقلید تاکیدِ حکمِ رسالت
ہے تقلید تائیدِ امرِ ہدایت

ہے تقلید مرقاتِ بامِ درایت
ہے تقلید مرآتِ روئے ہدایت

ہے تقلید برہان دین و دنیات ہے تقلید سلطانِ رشد و ہدایت

دلیل روشن ۱۲ حجت قاطع ۱۲

ہے تقلید آئینہ حسنِ صورت ہے تقلید گنجینہ نقدِ سیرت

ہے تقلید مفتاحِ بابِ ارادات ہے تقلید مصباحِ تابِ عبادت

ہے تقلید مستاصل شرک و بدعت ہے تقلید مستحصل دین و ملت

ہے تقلید رسم و رہِ اہلِ سنت ہے تقلید آئین اہلِ دیانت

ہے تقلید کالشمس تجلو الانارۃ ہے تقلید کالبدرِ فی الاستنارۃ

ہے تقلید فرض اور واجب بآیات ہے تقلید کی دین میں بس ضرورت

ہے تقلید ریحان و روحِ ہے تقلید سروِ ریاضِ

ولایت	ریاضت
ہے تقلید اسلامیوں کی	ہے تقلید ایمانیوں کی
علامت	شہادت
ہے تقلید معمولِ عاملِ	ہے تقلید موصولِ واصل
بسنت	بقربت
ہے تقلید مسلم کی راہِ	ہے تقلید مومن کی یمانی
سلامت	الفت
وصی بس کراب مدح کی	کہ آسی نے خود ضمیمے میں
کیا ہو حاجت	مدحت
وہ آسی کہ نبراسِ انوارِ	وہ آسی کہ قسطاسِ اسرارِ
وحدت	حکمت
وہ آسی کہ ہے شمع بزم	وہ آسی کہ ہے لمع رزم
ذہانت	فطانت
وہ آسی کہ کشاف رمزِ	وہ آسی کہ ہے بدر رخشانِ
عبارت	جلوت
وہ آسی کہ دانائے حکم	وہ آسی کہ بینائے رازِ

شریعت	طریقت
وہ آسی کہ سبّاح دریائے	وہ آسی کہ سیاح بیدائے
جودت	فِطنت
وہ آسی کہ ہے صدرِ ایوانِ	وہ آسی کہ ہے بدر خشان
خلوت	جلوت
وہ آسی کہ شمسُ الضحائے	وہ آسی کہ بدرُ الدجائے
فصاحت	بلاغت
وہ آسی کہ جامع فقہ و	وہ آسی کہ ہے قامع شرک
سنت	بدعت
وہ آسی کہ تقلید واجب	بتادی دکھادی حدیث اور
کی آیت	روایت
وہ آسی کہ تقلید کو عینِ	کیا ثابت ازروئے برہان و
سنت	حجت
پس اب بھی نہ مانیں جو	تو ہر گز نہ پائیں گے راہِ
اہل روایت	ہدایت
نہ دیکھیں گے آنکھوں	سنیں گے نہ کانوں سے

سے رائے حقیقت رائے اصابت
ہے ان جاہلوں کی جہالت ہے یہ نیت ان کی بدی ان
پہ فطرت کی طینت
نہ مانیں گے جب یہ کسی
کی نصیحت
وصّی کیا کرے کوئی ان
کو وصیت

مولانا عبد العلی آسی مدراسی کو شعر گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ خصوصاً غیر مقلدوں کے رَد میں آپ نے عدیم النظیر نظمیں تحریر فرمائی ہیں۔ آپ کا کوئی شعری مجموعہ ہر چند شائع نہیں ہوا۔ لیکن ''تنبیہہ الوہابیین''میں اکثر مقامات پر آپ کی شاعری کے نمونے موجود ہیں۔ مولانا آسی کا وصال ۱۳۲۷ھ بمطابق ۱۹۰۹ء لکھنؤ میں ہوا۔

تصانیف: التبصرہ انتظامیہ فی الرؤس الثمانیہ۔ تبصرۃ الحکمۃ فی حفظ الصحت۔ تکملہ واجب الحفظ۔ حل التعاریف المشکلہ۔ میزان اللسان۔ تنبیہہ الواہابیین وغیرہ۔

شیخ الاسلام مولانا عبد القادر بدایونی

شیخ الاسلام مولانا عبد القادر بدایونی کا شمار بر صغیر پاک وہند کے ممتاز علما میں ہوتا ہے۔ آپ نے تیرھویں صدی ہجری کے اختتام اور چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں

ناقابلِ فراموش ملّی و مذہبی خدمات انجام دیں۔ خصوصاً ترکِ تقلید کے فتنے کے استحصال اور مفسداتِ ندوۃ العلماء کی اصلاح میں ضمن میں آپ شب و روز مصروف رہے۔ مقامِ صحابہ کے تحفظ کے سلسلے میں بھی آپ نے متعدد رسائل قلم بند فرمائے۔ آپ سیف المسلول حضرت مولانا شاہ فضل رسول ۱۲۵۳ھ کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ "شیخ الاسلام فی الہند" سے آپ کی تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ محب رسول جزوی نام قرار پایا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کے شاگردوں میں استاذ العلماء علامہ ہدایت اللہ خان رامپوری، مولانا فیض الحسن سہارن پوری، شمس العلماء حضرت علامہ عبدالحق خیر آبادی اور مولانا عبدالقادر بدایونی عناصرِ اربعہ تصوّر کیے جاتے تھے۔ علامہ محمود احمد قادری نے "تذکرۂ علماءِ اہل سنت" میں لکھا ہے کہ علامہ عبدالحق خیر آبادی آپ کے بارے میں فرماتے تھے کہ ہر سہ تلامذہ کسی خاص فن میں یکتائے عصر اور حیدر روزگار ہیں۔ لیکن مولانا عبدالقادر بدایونی کا تبحر اور جامعیت تمام علوم و فنون میں ہے۔ مولانا عبدالقادر بدایونی کے حضرت محدث سورتی سے خصوصی مراسم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں حضرات کم و بیش پچیس سال شیر و شکر رہے۔ حضرت محدث سورتی غیر مقلدوں کے خلاف فتویٰ "جامع الشواہد" لکھوانے اور پھر اس کی عرب و عجم میں تشہیر کے سلسلے میں آپ نے نمایاں حصہ لیا۔ اس کے علاوہ ندوۃ العلماء کے قیام اور اس کی اصلاح کے سلسلے میں آپ کی خدمات بھی بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے بھی آپ کے بے پناہ دلی مراسم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فاضل بریلوی نے آپ کی ذات سے محبت کو علامتِ اسلام قرار دیا ہے۔ اور آپ کی شان میں قصیدہ

چراغِ اُنس میں یوں فرمایا۔

سنیت سے پھر ہدی سے پھرا   اب جو تجھ سے پھرا محب رسول
آج قائم ہے دم سے ترے   دین حق کی بنا محب رسول

شیخ الاسلام کو ابتدا ہی سے درس و تدریس سے خصوصی شغف تھا۔ نہایت توجہ اور انہماک سے آخر دم تک تعلیم دیتے رہے۔ مولانا محب احمد بدایونی، مولانا فضل احمد بدایونی، مولانا فضل مجید بدایونی، مولانا حافظ بخش بدایونی، مولانا شاہ عبدالصمد مودودی چشتی سہوانی، مولانا محمد حسن سنبھلی آپ کے نامور تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی تصانیف بکثرت ہیں۔ جن میں حقیقۃ الشفاعۃ۔ شفاء السائل، سیف الاسلام، ہدایت الاسلام، عقائد الاسلام اور تاریخ بدایوں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر شہرتِ دوام حاصل کر چکی ہیں۔ ایک کتاب آپ نے حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے ضمن میں تصحیح العقیدہ فارسی میں تصنیف فرمائی تھی جس کا اردو ترجمہ دارالعلوم نعیمیہ (کراچی) کے استاذ مولانا شاہ حسین گردیزی نے کیا ہے۔

مولانا عبدالقادر بدایونی ی وفات ۱۷ ار جمادی الآخر ۱۳۱۹ھ کو مختصر علالت کے بعد ہوئی۔ اپنے والد کے پہلے میں مدفون ہیں۔

حضرت مولانا شاہ عبدالکریم گنج مراد آبادی

حضرت مولانا شاہ عبدالکریم جالندھر کے سید گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ علمِ دین کے حصول کی تمنا میں جالندھر سے ترکِ مکانی کر کے بدایوں اور سہسوان پہنچے لیکن اطمینانِ قلب نصیب نہ ہوا۔ چناں چہ گنج مراد آباد آئے اور اویسِ دوراں حضرت شاہ فضلِ رحماں کی خدمتِ عالیہ میں حاضری دی اور پھر ہمیشہ کے لیے اسی چوکھٹ کے ہو کر رہ گئے۔ حضرت شاہ فضل رحماں آپ پر حد درجہ عنایت فرماتے اور ہمیشہ احترام کی نظر سے دیکھتے۔ مولانا عبدالکریم صاحب (جو شاہ فضل رحماں کے حلقۂ مریدین میں ''چھوٹے بابا'' کے نام سے معروف تھے) ایک عرصے تک حضرت شاہ صاحب کی صحبت میں سلوکِ طریقت کی منزلیں اور عروجِ معرفت کے درجے طے کیے۔ تفسیر و حدیث کی کتابیں پڑھیں اور سندِ اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ حضرتشاہ صاحب نے آپ کو اپنے خصوصی اورادو وظائف کی اجازت بھی عطا فرمائی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالکریم ظاہر و باطن میں اپنے مرشد کی مثل قرار پائے۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنی نواسی صدیقہ بی بی آپ کے عقد میں دیں اور خاندان کے ایک فرد کی حیثیت سے شریکِ بیعت کیا۔ مولانا حکیم قاری احمد نے اپنی یاد داشتوں میں لکھا ہے کہ حضرت عبدالکریم گنج مراد آبادی اپنے وقت کے زبردست عالم، زاہد، متقی، اور صاحبِ کشف بزرگ تھے۔ قرآن و حدیث کا مطالعہ اور اورادو وظائف کا سلسلہ آپ کا مشغلۂ خاص تھا۔ بزرگی و وقار، عظمت و جلال اور انس و محبت آپ کے مخصوص اوصاف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فتوحاتِ دنیا سے بھی نوازا تھا۔ زمینداری اور

باغات کی دیکھ بھال فرماتے۔ جب تک اعضا نے ساتھ دیا، ہفتے میں ایک مرتبہ نماز فجر کے بعد باغات تشریف لے جاتے اور باغ میں ایک ایک درخت پر ایسی محبت کی نظر ڈالتے جیسے باتیں کر رہے ہوں۔ اپنے مرشد سے اس قدر عقیدت و محبت تھی کہ شام کے وقت اکثر مرشد کے مزار پر دیر تک سر جھکائے کھڑے رہتے۔ آپ کے فیوضاتِ ظاہری و باطنی کا دور و نزدیک شہرہ تھا اور ہزاروں مریدین روزانہ آپ کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے۔ حضرت محدث سورتی کو آپ خصوصی انس تھا اور وہ اکثر اپنے مرشد کے وصال کے بعد شاہ عبدالکریم کی خدمت میں حاضری دیتے۔ اسی تعلق خاطر اور قلبی لگاؤ کی بنا پر حضرت شاہ عبدالکریم نے اپنی بڑی صاحبزادی حضرت محدث سورتی کے صاحبزادے مولانا عبدالاحد کے عقد میں دی تھیں۔ آپ نے ۲۷ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ گنج مراد آباد میں وصال فرمایا اور اپنے آموں کے باغ میں دائمی سکون حاصل کیا۔ مزارِ مبارک کے تکیہ پر قدمات فی حب رسول اللہ کندہ ہے۔

آپ کی اولاد کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حمیدہ خاتون زوجہ عبدالاحد پیلی بھیتی، مولانا عبدالحلیم عرف حلو میاں سجادہ نشین گنج مراد آباد، صفیہ خاتون زوجہ حکیم سید منظور علی مرحوم مقیم کوئٹہ بلوچستان، حبیبہ خاتون زوجہ سید معصوم علی مرحوم مقیم ناظم آباد کراچی، مولانا فضیل الرحمٰن مرحوم، نفیسہ خاتون مرحومہ زوجہ مولانا عبدالحکیم میرٹھی مرحوم، عتیقہ خاتون مرحومہ زوجہ سید اوصاف علی مقایم عزیز آباد کراچی۔ نعیمہ خاتون زوجہ عبدالکریم مرحوم مقیم آگرہ، مولانا ضیاء العبید مقیم گنج مراد آباد، پروفیسر سراج الآفاق مقیم

نارتھ ناظم آباد کراچی۔

پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی

قبلہ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑی کی ولادت یکم رمضان المبارک ۱۲۷۵ھ کو ہوئی۔آپ کا شجرۂ نسب ۲۵ وسائط سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تک اور ۳۶ وسائط سے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔آپ اپنے علم اور تقویٰ کی بناپر برصغیر پاک وہند میں مجددِ کامل اور ولیِ آخر قرار پائے۔علومِ قرآنی اور اوصافِ طریقت سے آپ کی ذات کچھ اسی طرح معمور تھی کہ دور نزدیک آپ کا شہر تھا۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور مولانا فضل حق رامپوری جیسے علما وفضلا آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔اور آپ کو جامع العلوم قرار دیا۔ حضرت محدث سورتی سے بھی اختلافِ سن و سال کے باوجود آپ کے مراسم بڑے دیرینہ تھے اور حضرت محدث سورتی آپ کی نہایت تعظیم فرمایا کرتے تھے۔ ۱۲۹۵ء میں جب حضرت محدث سورتی سہارن پور میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے درسِ حدیث میں شامل تھے۔اور اسی مقام پر ان دونوں صاحبانِ فضیلت کے درمیان رسم وواره پیدا ہوئی۔ محدث سورتی کے نبیرہ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیی جن کو پیر صاحب سے شرفِ بیعت حاصل تھا لکھتے ہیں کہ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ میں میرے قیامِ گولڑہ شریف کے دوران حضرت قبلہ عالم نے دربارِ عام میں حاضرین سے میرا تعارف کراتے ہوئے فرمایا میں سہارن پور کے مدرسے میں مولانا احمد علی محدث سہارن پوری سے حدیث پڑھتا کرتا تھا۔ ہم درس ساتھیوں میں مولانا وصی احمد محدث سورتی

میرے کمرے کے برابر الگ حجرے میں اپنے چھوٹے بھائی مولانا عبداللطیف کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ میری عادت تھی کہ میں ہر جمعرات اپنے کمرے میں آہستہ آہستہ گھڑا بجا کر گنگنا کرتا تھا۔ محدث سورتی اپنے حجرے میں تھوڑی دیر تو سنتے رہتے اور اس کے بعد ہاتھ میں ایک لکڑی لیے ہوئے میرے کمرے میں داخل ہوتے او پھر لکڑی مار کر میرا گھڑا توڑ دیا کرتے۔ یہ سلسلہ مہینوں جاری رہا۔ نہ میں نے اپنا طریقہ بند کیا اور نہ مولانا نے میرا گھڑا توڑنا چھوڑا۔ مگر اس کے باوجود ہمارے ان کے تعلقات اور محبت میں کوئی فرق نہیں آیا۔[1][2]

حضرت پیر مہر علی شاہ سے حضرت محدث سورتی کی ایک اور ملاقات انجمن نعمانیہ کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۹۱۲ء میں بھی ثابت ہے۔ جس میں ان دونوں صاحبانِ فضیلت نے تقاریر کی تھیں۔ ان دونوں اصحابِ علم و عمل نے اپنے اپنے علاقے میں مسلکِ اہلِ سنت کی ترویج و اشاعت اور تحفظِ ختمِ نبوت کے ضمن میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ حضرت پیر مہر علی شاہ نے ایک عرصے تک مرزا قادیانی کی لغویات کا تعاقب کیا اور ہر مقام پر اسے شدید ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ چودھویں صدی ہجری کی ابتدا میں متحدہ ہندوستان میں صرف پیر صاحب کی ایک ذاتِ گرامی نظر آتی ہے جس نے کھل کر قادیانیت کی مخالفت کی اور اس

---

[1] ماہنامہ پیام حق، کراچی ص ۱۷، شمارہ جون ۱۹۶۸ء

[2] سماع کے متعلق حضرت پیر صاحب کا مسلک آپ کی سوانح حیاتِ مہر منیر سے واضح ہے۔ ویسے ابتدا میں بوجہ غلبۂ حال اس طرف زیادہ توجہ رہی، آخر میں کافی حد تک مروجہ مجالس سماع کے انعقاد سے بایں وجہ احتراز فرماتے تھے کہ فسادِ زمانہ کی وجہ سے بعض نااہل ناجائز فائدہ اٹھائیں گے۔

مرضِ مذموم کو پھیلنے سے روکنے کے لیے اپنی تمام توانائیاں صرف کیں۔اس کے علاوہ محکوم ہندوستان کی تمام تحریکوں میں آپ بلاواسطہ سرگرم عمل رہے۔قبلۂ عالم پیر صاحب کے علم سے چودھویں صدی کے تقریباً تمام علما و دانشور نہ صرف متاثر ہوئے بلکہ انہوں نے بقدرِ ظرف استفادہ بھی کیا۔آپ کا ۸۱ سال کی عمر میں ۲۹/ صفر المظفر/۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱/ مئی /۱۹۳۷ء بروز شنبہ بوقت عصر اسمِ ذات کا وِرد کرتے ہوئے وصال ہوا۔

حضرت پیر مہر علی شاہ کی تصانیف میں تحقیق الحق کلمۃ الحق، شمس الھدیۃ فی اثباتِ حیات المسیح، سیف چشتیائی، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان ما اھلّ بہ لغیر اللہ، الفتوحات الصمدیہ تصفیہ مابین سنی و شیعہ جیسی نادر روزگار کتابیں شامل ہیں۔شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے بھی مسئلۂ زمان و مکان پر آپ سے رہنمائی حاصل کی۔

حضرت محدث سورتی کے وصال کے بعد بھی پیلی بھیت کا گولڑہ شریف سے روحانی رابطہ قائم رہا اور آپ کے صاحبزادے سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد قادری پیلی بھیتی برابر گولڑہ شریف حضرت پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور پھر اپنے صاحبزادے مولانا حکیم قاری احمد کو روحانی فیوض و برکات سمیٹنے کے لیے حضرت پیر مہر علی شاہ خدمت میں بھیجا۔اور آج بھی اس خاندان کو گولڑہ شریف سے عقیدت و محبت اپنی جگہ برقرار ہے۔راقم الحروف کو حضرت پیر غلام محی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبزادے حضرت شاہ غلام معین الدین مدظلہ العالی اور حضرت شاہ عبدالحق مدظلہ العالی کی خدمت میں متعدد بار حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے۔راقم الحروف اس عظیم روحانی خانوادے سے

اپنی روحانی وابستگی پر نہ صرف فخر مند ہے بلکہ گولڑہ شریف کی حاضری کو کارِ آخرت تصور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس روحانی تعلق کو آئندہ نسلوں تک قائم ودائم رکھے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی ایک وسیع السلسلہ بزرگ تھے۔ آپ کے متولین و مریدین میں دیوان غیاث الدین اجمیری، دیوان سید محمد پاک پٹن، مولانا قاضی قطب الدین کشمیری، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا فضلِ حق رامپوری، مفتی عبدالکافی کانپوری، مولانا محمد غازی مہاجر مکی، مولانا غلام محمد گھوٹوی، مولانا فیض احمد چشتی، مولانا محمد حسن فیضی، مولانا قائم علی چشتی، مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی، مولانا محب النبی کیمبل پوری، استاذ العصر مولانا عطا محمد بندیالوی، استاذ العرب قاری عبداللہ مکی، استاذ العجم قاری عبدالرحمٰن الہٰ آبادی، قاری غلام محمد پشاوری و قاری عبدالرحمٰن جونپوری کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

تصانیف

حاشیہ مدارک

ماوراء النہر کے شہر نخشب کے رہنے والے علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود نفسی (م ۷۱۰ھ) کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے معروف فقہا و علما میں ہوتا ہے۔ آپ نے قرآن حکیم کی ایک نہایت معتبر تفسیر مدارک التنزیل کے نام تصنیف فرمائی جس کو اہلِ علم کے درمیان شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔ برصغیر کے علمانے بھی اس تفسیر کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا اور اس کے حواشی بھی تحریر کیے۔ خصوصاً مذہبی مدارس کے طلبہ کے لیے اس کی افادیت کو تسلیم کیا گیا۔ حضرت محدث سورتی نے مطبع نظامی سے شائع ہونے والی اس تفسیر پر ۱۳۰۲ھ میں ایک

مختصر حاشیہ تحریر کیا تھا۔ جیسا کہ مدرسۃ الحدیث کی از سرِ نو تعمیر کے سلسلے میں ۱۳۴۲ھ میں شائع ہونے والے ایک اشتہار میں محدث سورتی کی تصانیف کے ضمن میں اس حاشیے کا ذکر موجود ہے۔ راقم الحروف کو ہندو پاک کے متعدد کتب خانوں میں باوجود تلاشِ بسیار اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہ ہو سکا۔

حاشیہ بیضاوی (قلمی)

ابو سعید عبداللہ بن عمر بیضاوی (م: ۶۸۵ھ) کی معرکۃ الآرا تفسیر "انوار التنزیل و اسرار التاویل" تفاسیر قرآنی میں ایک اہم مقام کی حامل ہے۔ یہ تفسیر اپنے اصل نام سے کم اور تفسیرِ بیضاوی کے نام سے زیادہ معروف ہے اور درسِ نظامی کے نصاب کی اہم کتاب شمار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر اور مصر کے مدارس میں عام طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ علامہ بیضاوی نے یہ تفسیر اپنے شیخ محمد بن محمد کے ایما پر تالیف کی۔ اس کی بنیاد علامہ جار اللہ زمخشری کی "تفسیر کشاف" پر ہے۔ چناں چہ جگہ جگہ علامہ بیضاوی نے زمخشری کے اعتزال پر شدید گرفت کی ہے۔ تفسیر بیضاوی پر برصغیر پاک و ہند کے علما نے بکثرت حواشی تحریر کیے ہیں، جن میں مولانا مصلح الدین لاری، ابو الفضل گازونی (م ۹۵۹ھ)، شیخ محمد احمد آبادی (م ۹۸۲ھ)، علامہ وجیہہ الدین علوی (م ۹۹۸ھ)، قاضی انور اللہ شوستری، مولانا عبدالسلام لاہوری (م ۱۰۳۷ھ)، علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ)، ملا

عبدالحکیم سیالکوٹی (م۱۰۶۷ھ) ملا عبدالحکیم لکھنوی فرنگی محلی (۱۲۸۸ھ) کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ حضرت محدث سورتی نے بھی بیضاوی پر ایک مبسوط حاشیہ قلم بند کیا تھا لیکن طبع نہ ہوسکا۔ حافظ افتخار ولی خان کے مطابق قلمی نسخہ مولانا حبیب الرحمٰن رئیسِ اڑیسہ کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے۔

حاشیہ جلالین (قلمی)

علامہ جلال الدین محلی (م۸۶۴ھ) کی تصانیف میں تفسیر جلالین اہم ترین کتاب ہے۔ انہوں نے سورۃ الکہف سے الناس تک اور سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھی۔ بعد میں علامہ عبدالرحمان جلال الدین سیوطی (م۹۱۱ھ) نے اس کی تکمیل کی۔ اتفاق سے جلالین کے دونوں مفسر شافعی المذہب تھے لیکن کتاب کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ ہر مکتب فکر کے علمانے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ اس کی شرحیں اور حواشی لکھے۔ درسِ نظامی کے نصب میں یہ تفسیر شامل ہے۔ برصغیر پاک ہندو کے جن علمانے اس پر حواشی لکھے ہیں ان میں مولانا شیخ سلام اللہ (م۱۲۲۹ھ)، مولانا تراب علی لکھنوی (م۱۲۸۱ھ)، مولانا فیض الحسن سہارن پوری (م۱۳۰۴ھ)، علامہ روح اللہ حنفی نقشبندی (م۱۳۱۷ھ) اور مولانا محمد ریاست علی حنفی کے نام قابل ذکر ہیں۔ حضرت محدث سورتی نے بھی اس تفسیر پر حاشیہ قلم بند کیا۔ لیکن درس وتدریس کی مصروفیات کی بناپر اس کی طباعت کی جانب توجہ نہ دے سکے۔ اور

آپ کے وصال تک قلمی صورت میں یہ آپ کے کتب خانے میں موجود تھا۔ بعد میں مولانا سردار احمد لائل پوری اس کو طبع کرانے کی نیت سے لے گئے، جیسا کہ علامہ محمود احمد قادری نے "تذکرہ علماءِ اہلِ سنت" میں لکھا ہے۔ لیکن یہ ابھی تک زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکا۔

تعلیقاتِ سنن نسائی

امام ابو عبدالرحمٰن نسائی (م۳۰۳ھ) ائمۂ صحاح ستہ میں اہم شخصیت کے حامل ہیں اور تمام مشائخ و علما آپ کے تقدم اور امامت کا اعتراف کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض نے تو یہاں تک کہا ہے کہ امام نسائی علمِ حدیث میں اپنے تمام ہم عصروں پر فائق تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) نے لکھا کہ "امام نسائی نقدِ رجال میں انتہائی محتاط، معتمد اور افضل تھے۔" آپ نے اپنے عہد کے نادر اور یگانہ روزگار مشائخ سے سماعِ حدیث کا شرف حاصل کیا اور پھر تمام عمر خدمتِ احادیث میں گزار دی۔ آپ کے تلامذہ کا سلسلہ بھی بہت وسیع ہے۔ امام نسائی نے شدید مصروفیات کے باوجود متعدد کتب تصنیف کیں۔ آپ کی تصنیف نسائی، کتب صحاح ستہ میں انتہائی اہم حیثیت رکھتی ہے۔ سنن میں امام نسائی نے صرف احادیث ہی کو جمع نہیں کیا بلکہ عللِ حدیث اور دیگر فنونِ حدیث کا بھی ذکر کیا ہے۔ حافظ شمس الدین سخاوی (م۹۰۲ھ) اپنی تالیف فتح المغیث میں لکھتے ہیں کہ بعض مغربی محدثین نے تصریح کی ہے کہ امام نسائی کی کتاب سنن امام بخاری (م۲۵۶ھ) کی صحیح سے زیادہ تر بہتر

ہے۔ سنن نسائی کا سبب تالیف محدثین نے اس طرح بیان کیا ہے۔ کہ پہلے امام نسائی نے ایک ضخیم کتاب "سنن کبریٰ" تالیف کی، جس میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی احادیث جمع تھیں۔ بعد میں آپ نے امیرِ فلسطین رملہ کی فرمائش پر تماما صحیح احادیث علیحدہ مرتب کیں، جس کا نام سننِ صغریٰ رکھا جو عرفِ عام میں سنن نسائی کے نام سے اہلِ علم میں معروف ہوئی۔ علامہ غلام رسول سعید لکھتے ہیں کہ صحاحِ ستہ کی دیگر کتب کی جس قدر شروح اور تعلیقات تحریر کی گئیں سنن نسائی کی شروح اور حواشی پر اس قدر توجہ نہیں دی گئی۔ اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ کتاب آسان اور سہل الحصول ہے۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ سنن نسائی کی اکثر احادیث چونکہ دوسری کتب صحاح میں آچکی ہیں اور وہاں ان کی مفصل شرح کی جاچکی ہے اس لیے سنن نسائی کو عنوان سے ان احادیث کی مزید شرح نہیں کی گئی۔[1]

سنن کی پہلی مبسوط شرح علامہ ابوالحسن علی بن عبداللہ الانصاری (م۵۶۷ھ) کی تالیف ہے۔ (م۹۱۱ھ) نے لکھی۔ اس کے علاوہ نسائی پر حواشی اور تعلیقات بھی لکھی گئیں۔ تیرھویں صدی ہجری کے آخر میں حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی نے اس کتاب کے بعض مقامات کو قابلِ تشریح تصور کیا اور نہایت مدلل اور مفصل تعلیقات فرمائیں۔ ان تعلیقات کو علماہند نے نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ خصوصاً مولانا احمد علی محدث سہارن پوری نے سنن نسائی کی تعلیقات دیکھنے کے بعد حضرت محدث سورتی کو حلقۂ درس میں شامل کر کے خصوصی سند عنایت کی۔ سنن نسائی پر محدث سورتی کی یہ تعلیقات دیکھنے کے بعد

---

[1] علامہ غلام رسول سعیدی، ص۳۱۱، تذکرہ المحدثین۔

حضرت محدث سورتی کو حلقۂ درس میں شامل کر کے خصوصی سند عنایت کی۔ سنن نسائی پر محدث سورتی کی یہ تعلیقات دیکھنے کے بعد حضرت محدث سورتی کو حلقۂ درس میں شامل کر کے خصوصی سند عنایت کی۔ سنن نسائی پر محدث سورتی کی یہ تعلیقات ۱۲۹۵ھ میں مطبع نظامی کانپور نے نہایت اہتمام سے شائع کی تھیں جو آج بھی اہلِ علم کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔ تعلیقاتِ سنن نسائی کا ایک نسخہ رضا لائبریری رامپور اور ایک دار العلوم نعیمیہ فیڈرل بی ایریا کراچی لائبریری میں موجود ہے۔

حاشیہ شرح معانی الآثار

امام ابو جعفر طحاوی (متوفی ۳۲۱ھ) کا شمار تیسری صدی کے محدثین و فقہا میں ہوتا ہے۔ آپ جامعین کتب احادیث صحاح ستہ کے معاصر ہیں، یہی وجہ ہے کہ محدثین اور فقہا کے تمام طبقات آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حضرت محدث سورتی نے شرح معانی الآثار کے حاشیہ پر مقدمہ تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محدثین امام ابو جعفر طحاوی کو حافظ اور امام کہتے ہیں اور فقہا کو مجتہد منتسب قرار دیتے ہیں۔ شیخ عبد القادر نے کہا کہ وہ ثقہ، نبیل اور حدیث کا مسکن تھے۔ سمعانی نے کہا کہ وہ امام عاقل اور ع ثقہ شخصیت کے مالک تھے۔ اور ان کی وفات کے بعد دنیا آج تک ان کی نظیر نہیں پیش کر سکی۔ امام سیوطی نے کہا کہ وہ حدیث اور فقہ میں امام علوم دینیہ کے ماویٰ اور حدیثِ نبویہ کے ملجا تھے۔ اور حافظ ابو شیرازی

کہا کرتے تھے کہ امام ابو جعفر طحاوی اصحابِ ابو حنیفہ کے ریاست کے منتہا ہیں۔[1] لیکن اس کے باوجود مذاہبِ اربعہ کے علما آپ کو حدیث و فقہ دونوں میں سند تسلیم کرتے ہیں۔

امام جعفر طحاوی ۲۳۹ھ میں مصر کے حسین وادیِ نیل کے کنارے طحانامی میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے آپ کو طحاوی کہا جاتا ہے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اپنے ماموں ابو ابراہیم غرنی سے فقۂ شافعی پڑھی۔ مصر میں ابو جعفر احمد بن ابی عمران سے فقۂ حنفی پڑھی۔ شام میں ابو حازم سے فقہ کی تحصیل کی۔ محدث سورتی نے لکھا ہے کہ علمِ حدیث میں آپ نے سلیمان بن شعیب کیسانی، ابو موسیٰ یونس بن عبد الاعلےٰ الصدفی سے استفادہ کیا۔[2]

امام ابو جعفر طحاوی ابتدا میں شافعی المذہب تھے۔ بعد میں شافعیت کو چھوڑ کر حنفی مسلک اختیار کر لیا اور بہت جلد حدیث و فقہ میں امام بے عدیل اور فاضلِ بے مثل ہوئے۔ امام طحاوی کے علم و فضل اور ورع و تقویٰ سے کسی کو انکار نہیں اور تمام علمائے رجال نے فنِ حدیث و فقہ میں آپ کے فضل و کمال کا ہمیشہ اعتراف کیا ہے۔ آپ صاحبِ تصانیف کثیرہ تھے۔ مورخین نے مختلف علوم و فنون پر آپ کی ۲۹ کتابیں درج کی ہیں۔ امام ابو جعفر بیاسی سال کی عظیم و پر شکوہ زندگی گذارنے کے بعد یکم ذیقعدہ ۳۲۱ھ میں انتقال کر گئے۔

شرح معانی الآثار امام طحاوی کی ایک گراں قدر تصنیف اور احناف کا سرمایۂ افتخار ہے۔ اس کتاب میں حدیث، فقہ اور رِجال کے متعدد علوم کو نہایت حسن اور خوش اسلوبی

---

[1] وصی احمد محدث سورتی، ص ۴، شرح معانی الآثار، مطبوعہ اسلامیہ لاہور ۱۳۲۸ھ۔

[2] ایضاً

سے جمع کر دیا گیا ہے۔ شرح معانی الآثار کی افادیت اور عظمت کے پیش نظر اس کی متعدد شروحات لکھی گئی ہیں اور اب تک متعدد بار عالم اسلام میں یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔ تیرھویں صدی کے اواخر میں علمائے ہند نے معانی الآثار کے ایک مستند نسخے کی اشاعت ضرور سمجھی۔ چناں چہ دہلی کے تاجر قاضی بن یامین نے اس جانب توجہ دی اور پہلی مرتبہ اس کا ایک مستند نسخہ محمود نگر لکھنؤ سے شائع ہوا، جس پر مولانا وصی احمد محدث سورتی کا مختصر لیکن نہایت معلومات افزا مقدمہ اور حاشیہ شامل تھا۔ قاضی بن یامین نے اس نسخے کو دوسری مرتبہ ۱۳۰۰ھ میں مطبع المصطفائی کانپور سے طبع کرایا۔ یہ نسخہ دو جلدوں پر مشتمل تھا۔ پہلی جلد میں ۴۴۴ اور دوسری جلد میں ۴۳۶ صفحات تھے۔ اس نسخے کا افتتاحیہ مولانا محمد حسن اسرائیلی سنبھلی نے لکھا ہے۔ آپ نے اختتامیہ میں اس نسخے کی اشاعت کا پس منظر کچھ یوں بیان کیا ہے "جب قاضی بن یامین پنجابی ثم دہلوی نے اس کتاب کو طبع کرانا چاہا تو ان کو تین مخطوطے ملے جو مولوی عبدالحئ فرنگی محلی، اور مولانا عبدالقادر بدایونی اور میاں نذیر حسین دہلوی کے پاس تھے۔ چناں چہ ان تینوں مخطوطوں کو ایک صحیح متن کی ترتیب کا فریضہ قدوۃ الحنفیہ واسوۂ سعاۃ الملۃ الصفیہ المولوی محمد وصی احمد السورتی لازال فیضہ الحنفی والجلی اور المولویمحمد عبدالعلی آسی مدراسی (مصحح مطبع نظامی) نے انجام دیا اور طباعت اور اشاعت کے لیے ان تین نسخوں سے ایک صحیح متن مرتب کیا"۔ پھر مولوی وصی احمد محدث سورتی نے اس کا مقدمہ تحریر فرمایا اور اس کتاب پر حواشی لکھے تاکہ اہلِ بصیرت کی نظر کو جلا ملے۔ کتاب پر تمام حواشی مولوی وصی احمد محدث سورتی کے تحریر کردہ ہیں۔ صرف دو تین جگہ

خاکسار (مولوی محمد حسن اسرائیلی) نے حواشی لکھ دیئے ہیں۔

شرح معانی الآثار کے اس حاشیے کو اہلِ علم میں قبولیت کا درجہ حاصل ہوا اور یہ ہندوستان کے کئی مطابع سے اشاعت پذیر ہوا۔ ۱۳۲۶ھ میں اس نسخے کا اردو ترجمہ جو مولانا محمد حیات سنبھلی نے کیا تھا، مطبع اسلامیہ لاہور سے چار جلدوں میں طبع ہوا۔ ۱۳۲۸ھ میں اس مطبع نے اس نسخے کا عربی متن بھی دو جلدوں میں شائع کیا۔ مولانا غلام رسول سعیدی نے اپنی کتاب "تذکرۃ المحدثین" میں لکھا ہے کہ حضرت محدث سورتی نے شرح معانی الآثار پر ایک مختصر اور مفید حاشیہ لکھا ہے جس میں مشکل الفاظ کے معانی اور باب کی پوری بحث کا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔"[1]

مطبع مصطفائی کانپور سے شائع ہونے والے اس نسخے میں جو دو جلدوں اور ۸۸۰ صفحات پر مشتمل ہے حضرت محدث سورتی نے ۶۱۷ مقامات پر حاشیہ لکھا ہے۔ بعض مقامات پر کتب معتبرہ سے اسناد بھی پیش کی ہیں اور متعارض احادیث پر جرح بھی کی ہے۔ خصوصاً اسماء الرجال کے سلسلے میں محدث سورتی نے بہت احتیاط سے کام لیا ہے اور جہاں حدیث ضعیف کے ضمن میں راوی کے اعتبار کی بات آئی ہے آپ نے کوشش کی ہے کہ معاصر اسناد سے مسئلہ صاف ہو جائے۔ اکثر حواشی میں آپ نے ملا علی قاری بطور سند پیش کیا ہے، جس سے آپ کی ملا علی قاری کی طرف رغبت اور انسیت کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک مقام پر حضرت محدث نے اپنے استاد مولانا احمد علی محدث سہارن پوری سے بھی ایک مسئلے میں سند پیش کی ہے۔

---

[1] مولانا غلام رسول سعیدی، ص ۱۷۰۔ تذکرۃ المحدثین مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور ۱۹۷۷ء۔

تعلیقات شروحِ اربعہ ترمذی شریف

والیِ محمد آباد عرف ٹونک نواب علی خان نے اپنے ایام اسیری میں مجموعۂ حدیث ترمذی شریف کی مختلف شروح کا مطالعہ کرنے کے بعد چار شروح کا انتخاب کیا اور ان کو مجموعہ شروحِ اربعہ ترمذی کے نام سے مرتب کیا۔ یہ مجموعہ نواب محمد علی خان کی خواہش پر محمد عبدالرحمٰن خان مالک مطبع نظامی کانپور نے ۱۸۹۴ء میں شائع کیا جو چار جلدوں میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں۔ ان شروح کی طباعت سے قبل والی ٹونک نے جو خود عالمِ جلیل اور محدثِ کامل تھے مجموعہ میں شامل شروح کے بعض مقامات پر تعلیقات کی ضرورت محسوس کی چناں چہ اس کام کے لیے حضرت محدث سورتی کا انتخاب کیا گیا۔ حضرت محدث سورتی نے مذکورہ شروح کے مطالعہ کے بعد کم و بیش چاروں پر جہاں گنجائش محسوس کی وہاں تعلیقات سپردِ قلم فرمائیں۔ مجموعہ میں شامل شروح یہ ہیں:

۱۔ شرح سراج احمد ۲۔ شرح ابی الطیب ۳۔ قوت المنعتذی ۴۔ عارضۃ الاحوذی

اس مجموعہ پر حضرت محدث سورتی کی تعلیقات کے مطالعے سے حضرت محدث سورتی کے علم و فضل پر کامل روشنی پڑتی ہے اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کو تفہیم حدیث، اسماء الرجال اور تفہیم کتاب میں بڑا ملکہ حاصل تھا۔ فنونِ علم اور قواعدِ بیہ کی تمام اصطلاعات کو آپ کتب احادیث میں سمو دیتے تھے۔ خصوصاً کتاب فہمی میں مجتدانہ بصیرت رکھتے تھے۔

علامہ غلام رسول سعیدی شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی نے شروح اربعہ ترمذی پر محدث سورتی کی تعلیقات کا اپنے ایک مضمون میں بڑی خوب صورتی سے احاطہ کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ ”حضرت محدث سورتی کی مذکورہ تعلیقات بے شمار خوبیوں کی حامل ہیں اور علما و فضلا کے لیے اپنے اندر بڑی علمی جاذبیت رکھتی ہیں۔ حدیث فہمی کے سلسلے میں ایک محدث کے لیے ضروری ہے کہ وہ متعارض احادیث میں ترجیح اور تطبیق دینے کی مہارت رکھتا ہو۔ حدیث سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں ان کو اخذ کرنے کی اس میں پوری پوری صلاحیت ہو۔ فقہی مسائل کا استنباط کر سکتا ہو۔ جو حدیث ان کو اخذ کرنے کی اس میں پوری پوری صلاحیت ہو۔ فقہی مسائل کا استنباط کر سکتا ہو۔ جو حدیث مخالفین کے مسلک کا مستدل ہو اس کی توجیہ کرے اور اپنے مسلک کی موئید احادیث کو وارد کرے۔ حدیث کو فنِ حدیث سے بھی پرکھے اور علمِ اصول حدیث کے تحت اس حدیث پر گفتگو کرے۔ حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی اسی شان کے محدث تھے جیسا کہ شروحِ اربعہ ترمذی پر تعلیقات سے ظاہر ہے۔“[1]

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے الصوم فی النصف الباقی من شعبان الحال رمضان کے تحت اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث بیان کی ہے کہ ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب شعبان کا نصف ماہ گذر جائے تو روزہ

[1] علامہ غلام رسول سعیدی، ص۵۹ مضمون سورتی کی تعلیقات مطبوع ترجمانِ اہلسنت کراچی۔ جنوری ۱۹۷۹۔

رکھو‘‘۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے اور بعض علما کا مسلک یہ کہ آدمی شروع ماہ روزہ نہ رکھے اور جب ماہِ شعبان کے شروع میں چند یوم ہوں تو روزہ رکھے۔ تاکہ رمضان کے روزوں کے لیے وہ تیار ہے اور اس مسلک کی تقویت میں حضور ﷺ سے حدیث مروی ہے جس کو ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ رمضان سے پہلے روزہ نہ رکھوالا یہ کہ اس دن روزہ رکھا اس کی عادت ہو۔‘‘

اس ضمن میں امام ترمذی کے قول و ھٰذا حدیث النبی پر حضرت محدث سورتی نے اپنی تعلیقات سپردِ قلم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ’’محدث سہارن پوری مولانا حافظ احمد علی صاحب‘‘ اپنی نگرانی میں جو نسخہ چھپوایا ہے اس میں اس مقام پر حدیث کے لفظ کے بجائے ’’حیث‘‘ کا لفظ لکھا ہے اور راقم الحروف محمد وصی احمد عفااللہ عنہٗ کے نزدیک یہی نسخہ زیادہ صحیح ہے۔ اس نسخے کی بنا پر یوں ہوگا کہ رمضان سے پہلے روزہ رکھنے کی کراہت کا سبب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ رمضان سے پہلے روزہ رکھو اور اس تقریر پر لفظ حیث تعلیلیہ (یعنی ظاہر کرنے والا) ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رمضان سے پہلے روزہ نہ رکھو اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دلیل کراہت اس جگہ ہے جہاں حضور ﷺ کی یہ حدیث ہے کہ رمضان سے پہلے روزہ نہ رکھو اور یہ مطلب بھی ہو کستا ہے کہ دلیل کراہت اس جگہ ہے جہاں حضور ﷺ نے فرمایا یعنی کراہت کے ثبوت کی جگہ یہ حدیث ہے جہاں آخری

دو صورتوں میں لفظ حیث ظریفہ (یعنی جگہ کا معنی ظاہر کرنے والا) ہوگا۔ یہ وہ تقریر ہے جو مجھ پر ظاہر ہوئی اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔"[1]

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ علامہ وصی احمد محدث سورتی کی اس تقریر سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ آپ کو کتاب فہمی کا عظیم ملکہ حاصل تھا۔ چناں چہ آپ نے ترمذی کے دو نسخوں میں اس نسخے کو ترجیح دی جس میں حدیث کی جگہ "حیث" کا لفظ ہے اور لفظ حیث کے تین محل بیان فرمائے۔ ایک باعتبار تعلیل کے اور دو باعتبار ظرفیت۔ کتاب فہمی کے لیے ضروری ہے کہ عباراتِ کتب پر ہر جگہ گہری نظر ہو۔ حقیقت، مجاز، استعا اور کنایہ، محاورہ اور روزمرہ کے اعتبار سے الفاظ کے محلِ استعمال سے واقفیت ہو۔ اختلافِ اعراب سے معنی پر اثر پڑتا ہے وہ نگاہ سے او جھل نہ ہو۔ حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی اسی شان کے مالک تھے۔ مذکورہ بالا حدیث پر جو آپ نے حاشیہ میں ہے لکھا ہے اس سے آپ کی کتاب فہمی کی ایک جھلک ظاہر ہوتی ہے۔[2]

قیامِ شہر رمضان کے باب میں امام ابو عیسیٰ ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں "ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ روزے رکھے، ہم نے تراویح نہیں پڑھی صرف سات دن رمضان ختم ہونے میں رہ گئے۔ پھر تیئسویں شب کو حضور نے ہم کو تراویح پڑھائیں، یہاں تک کہ تہائی رات باقی رہ گئی۔ پھر

---

[1] شروح اربعہ ترمذی، ص ۱۰۲، جلد ثانی مطبوعہ مطبع نظامی کانپور ۱۸۹۶ء۔

[2] علامہ غلام رسول سعیدی، ص ۵۹، محدث سورتی کی تعلیقات۔

چوبیسویں شب کو قیام نہیں فرمایااور پچیسویں شب کو تراویح پڑھائیں۔ یہاں تک کہ آدھی رات گذر گئی۔ ہم نے عرض کیا حضور کاش آپ ساری رات نماز پڑھاتے رہتے۔'' اس حدیث پر تحشیہ کرتے ہوئے علامہ وصی احمد محدث سورتی رحمۃاللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ہ ''بندۂ مسکین وصی احمد عفااللہ عنہ کہتاہے کہ امام محمد نے حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کواپنی مؤطامیں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیاہے کہ حضور ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ چار رکعت پڑھتے اور نہ پوچھو کہ ان کے طول اور حسن کا کیا مقام تھا۔ پھر تین رکعت وتر پڑھتے۔ ملا علی قاری اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے کف الغطاء میں لکھتے ہیں علامہ سیوطی نے حافظ ابنِ حجر سے یہ نقل کیاہے کہ ابنِ ابی شیبہ نے حضرت ابنِ عباس سے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضور ﷺ رمضان میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ روایت ضعیف ہے۔ علاوہ ازی حضرت عائشہ کی حدیث صحیح سے معارض بھی ہے جب کہ حضرت عائشہ حضور ﷺ کے احوال سے زیادہ واقف تھیں۔ حافظ ابنِ حجر کے جواب میں ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کی حدیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ حضور بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ اور حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن بہر صورت فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا بالاتفاق جائز ہے۔ امام بیہقی نے اپنی کتاب معرفتہ میں سندِ صحیح کے ساتھ حدیث بیان کی ہے کہ ہم حضرت عمر بن خطاب سے دورِ خلافت میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔ پس گویا کہ بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔ پس گویا کہ بیس رکعت تراویح کیسی انکار کے اجماع

ہو گیا۔اوراس کی تائیداس حدیث سے ہے جس میں حضور فرمایاکہ میری سنت کولازم رکھو اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کو۔اس کے بعد دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ حضرت ابن عباس کی حدیث کا محمل یہ ہے کہ حضور رمضان میں اوائلِ شب میں تراویح پڑھتے تھےاور حضرت عائشہ کی حدیث کا محمل یہ ہے کہ حضور آخر شب میں تہجد پڑھتے تھے۔ ملا علی قاری کی بات ختم ہوئی۔ صاحبِ فہم وفراست سے مخفی نہیں ہے کہ علامہ قاری کی گفتگو سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول ابنِ شیبہ کا ضعف اس کی روایت پر عمل کرنے سے مانع نہیں ہے۔دوئم یہ کہ حضرت ابنِ عباس اور حضرت عائشہ کی روایت میں تعارض نہیں ہے کیوں کہ حضرت ابنِ عباس روایت تراویح پراور حضرت عائشہ کی روایت تہجد پر محمول ہے۔"[1]

اس حاشیے کے پڑھنے سے معلوم ہوتاہے کہ حضرت محدث سورتی ایک حدیث سے متعلق اور مناسب تمام احادیث اوران کی شروح پر گہری نظر رکھتے تھے۔ فہمِ حدیث کے سلسلے میں یہ بھی ضروری ہے کہ محدث، حدیث کے تمام طرق پر نظر رکھتا ہو۔اس اعتبار سے بھی حضرت محدث سورتی کی نظر بے حد وسیع تھی۔اس کااندازہ اس بات سے کیجیے کہ سونےاور چاندی میں نصابِ زکوٰۃ کے بارے میں امام ترمذی نے جو حدیث وارد کی اسی کو امام ترمذی نے ضعیف قرار دیاہے۔ حضرت محدث سورتی نے اس حدیث کے اور کئی طرق ذکر کیے ہیں۔ چناں چہ لکھتے ہیں کہ عبداللہ ضعیف وصی احمد سنی حنفی کہتاہے کہ اس حدیث کو ہم

---

[1] شروح اربعہ ترمذی، ص ۱۵۳ جلد ثانی۔

ان شاءاللہ امام اعظم کی سند سے ابو داؤد کے حاشیے میں بیان کریں گے۔ نیز اس بیہقی نے بھی روایت کیا ہے اور ابنِ ماجہ نے حضرت ابنِ عباس سے اور طبرانی نے کبیر میں ابی ثعلبہ سے اور اوسط میں حضرت جابر اور ابنِ مسعود سے۔[1]

اسماء رواۃ کا ضبط کرنا یعنی ان کے اسما کی حرکات و سکنات کو منضبط اور راوی کے اسم و لقب اور کنیت سے باخبر ہونا بھی فہمِ حدیث کے لیے ضروری امر ہے۔ حضرت محدث سورتی نے اپنے حاشیے میں اس امر کا بھی التزام کیا ہے۔ چناں چہ عون ابن ابن ابی جحیفہ کے بار میں لکھتے ہیں کہ عون ابنِ ابی جحیفہ سدائی میں لفظ سدائی پر پیش ہے اور الف کو مد کے ساتھ پڑھنا ہے۔ یہ کوفی اور ثقہ تابعی تھے۔ ۱۱۶ھ میں وفات پائے۔ اور ابو جحیفہ میں پہلے جیم ہے یہ لفظ جہینہ طرح ہے۔ ان کا نام واہب بن عبداللہ تھا لیکن ابو جحیفہ کنیت کے ساتھ مشہور ہو گئے۔ انہیں واہب الخیر کا لقب ملا تھا اور یہ مشہور تھے۔[2]

فہمِ حدیث میں صرف راوی کے اسماء کے ضبط اور اس کے اسم و کنیت کا فرق معلوم کرنا ہی کافی نہیں بلکہ اس کی ضعاف پر حرج و تعدیل کے لحاظ سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔ حضرت محدث سورتی اس فن میں بھی طاق تھے۔ ایک مقام پر حارث ابن عبدالل الاعور کے بارے میں لکھتے ہیں کہ حارث بن عبدالل الاعور ہمدانی میں م ساکن ہے حوتی میں حا پر پیش ہے۔ یہ شخص کوفہ کا رہنے والا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شاگرد تھا۔ شعبی نے

---

[1] شروح اربعہ ترمذی، ص ۳۲ جلد ثانی۔

[2] شروح اربعہ ترمذی، ص ۲۶ جلد ثانی۔

اس کو جھوٹا قرار دیا ہے اور اس پر رافضی ہونے کی تہمت لگائی گئی تھی۔ امام نسائی نے اس سے صرف دو حدیثیں روایت کی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کی خلافت میں اس کا انتقال ہو گیا تھا۔[1]

بحیثیت ایک محدث شروحِ اربع ترمذی پر حضرت محدث سورتی کی تعلیقات ایک ایسا حسین گلدستہ ہیں جن میں نہ صرف علمِ حدیث سے متعلق علوم جمع کر دیئے گئے ہیں۔ بلکہ قواعدِ عربیہ اور فنونِ ادبیہ کے تمام اصول و فروغ اس میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔ ترمذی کی ان شروح سے استفادہ کرنے والا کوئی شخص سے اس حاشیے سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ شروحِ اربعہ پر محدث سورتی کی یہ تعلیقات جو عربی اور فارسی میں ہیں زیورِ طبع سے آراستہ ہونے کے باوجود اہلِ علم کے لیے اب نادر و نایاب ہو چکی ہے۔

---

[1] شروح اربعہ ترمذی، ص ۱۵۸ جلد ثانی۔